

زندگی کا علمی سفر

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

باہتمام : المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

زندگی کا علمی سفر

''جس میں ایک بلند پایہ اور جہاں دیدہ عالم دین نے اپنی طالب علمانہ، تدریسی اور تالیفی زندگی کے تجربات کو اکٹھا کیا ہے، اور اس راہ کے مسافروں کو راستہ دیکھایا ہے، زبان سہل وشستہ، اُسلوب دلچسپ، ہر طبقہ کے لئے مفید۔''

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
(مفتی دارالعلوم دیوبند)

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند سہارنپور یوپی (پن کوڈ 247555)

تفصیلات بابت کتاب

نام کتاب : ''زندگی کا علمی سفر''

مؤلف : حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

کمپوزنگ : الفاران اُردو کمپیوٹر سنٹر (سید عبید اللہ) فون نمبر:24442771 - 2445622

صفحات : ....

قیمت : ....

بہ اہتمام : المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد، تعلیم آباد، پہاڑی شریف روڈ، حیدر آباد ۵۰۰۰۰۵

ناشر :

کتب خانہ نعیمیہ دیو بند، ضلع سہارن پور (یوپی) ۲۴۷۵۵۴

فہرست مضامین

ابتدائیہ

دوہرا بدن، اوسط قد وقامت، کھلا ہوا رنگ، کشادہ پیشانی، سفید اور ہلکی داڑھی، آنکھیں بڑھاپے کی غماز اور موٹے چشمہ کی حامل، دو پلی ٹوپی، سفید کرتا نصف پنڈلی تک، اور اس سے کچھ نیچے تک پائجامہ، گاہے اس کرتے پر شیروانی بھی زیب تن، ہاتھ میں عصا پیری، مہمان نواز، نرم خو، نرم گفتار، بڑوں کا بے حد احترام کرنے والے، خوردوں پر نہایت شفیق ومہربان، تواضع وانکسار کا پیکر، ذکر اور اتباع سنت کا خاص اہتمام، سادہ مزاج، سادہ دل اور سادہ زبان، اچھے مقرر اور ان سے بڑھ کر مایۂ ناز مصنف، زود قلم اور خوش رقم، زندگی بھر لوح وقلم کی رفاقت رکھی، اور مختلف موضوعات پر ہزاروں صفحات لکھے، وقت کی حفاظت کے باب میں علماء کے لئے اسوہ، اور سادہ وخاموش طریقہ پر علم وتحقیق کے کام کے لئے بہترین نمونہ، ان شمائل وخصائل کو اپنے ذہن میں ترتیب دیں، یہ ہیں مخدوم ومحترم حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی۔

دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم الشان درس گاہ کے سینیئر مفتی، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس تاسیسی اور مجلس عاملہ کے رکن رکین، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے صدر عالی قدر، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ کے معزز رکن شوریٰ، اور مختلف دینی درس گاہوں کے سرپرست، اور نہ جانے کتنے علماء، ارباب افتاء اور اہل قلم کے استاذ ومربی — اللہ تعالیٰ اُمت پر تادیر آپ کا سایۂ عاطفت قائم رکھے۔

آپ کی تاریخ پیدائش ۲۱/ شعبان ۱۳۴۴ھ، مطابق ۷/ مارچ ۱۹۲۶ء ہے، دربھنگہ شہر سے پانچ کیلومیٹر کے فاصلہ پر پورانوڈیہہ نامی گاؤں آپ کا وطن ہے، والد ماجد کا اسم

گرامی منشی شمس الدین مرحوم، جو ریلوے ملازم تھے اور اپنی دینداری میں علاقہ میں معروف ،ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی، عربی وفارسی کی تعلیم مدرسہ محمودیہ راج پور نیپال، اور مدرسہ وارث العلوم چھپرہ میں حاصل کی، متوسطات اور منتہی کتابیں مدرسہ مفتاح العلوم مئو ضلع اعظم گڑھ میں پڑھیں، اور یہی نسبت آپ کے نام کا جزو ہے، پھر کچھ دنوں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں زیر تعلیم رہے، مدرسہ محمودیہ اور مدرسہ وارث العلوم میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ امیر شریعت خامس بہار واڑیسہ، جامعہ مفتاح العلوم مئو میں محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ اور مجاہد ملت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ ، نیز ندوہ میں حضرت مولانا عطا شاہؒ، حضرت مولانا محمد ناظم ندویؒ، حضرت مولانا حمید الدین صاحبؒ اور مولانا محمد اسحاقؒ سندیلوی آپ کے خاص اساتذہ تھے، اس کے علاوہ آپ کو علامہ سید سلیمان ندوی سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔

حضرت مفتی صاحب کی طبیعت میں اپنے اکابر کا بڑا احترام واکرام ہے، آپ کی زبان ہمیشہ ان کے ذکر خیر سے تر رہتی ہے، اسی لئے آپ بھی ہمیشہ اپنے اساتذہ اور بزرگوں کے محبوب اور منظور نظر رہے، علامہ سید سلیمان ندوی کی آپ کے ساتھ خاص شفقت وعنایت تھی، آپ محدث اعظمی کے بہت چہیتے تھے، امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ بھی آپ سے بے حد محبت کرتے تھے اور آپ کو خاص کر اخیر زمانے میں ان کا خاص اعتماد واعتبار حاصل تھا، اپنے ان بزرگوں کے بعد بھی آپ نے ان مراکز سے اپنے تعلقات کو پوری طرح استوار رکھا، جو ان حضرات سے منسوب تھے، مئو ہمیشہ آمد ورفت رکھا کرتے، اور خانقاہ رحمانی مونگیر میں ابھی تک اہتمام کے ساتھ آمد ورفت کا سلسلہ ہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا، ندوہ میں مزید کسب علم کے لئے مقیم تھے کہ انہی دنوں میں مولانا محمد اویس ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء نے اپنے وطن کی ایک دینی وعربی درس گاہ مدرسہ معدن العلوم نگرام میں صدارت تدریس کی پیش کش کی، مفتی صاحب نے اپنے بزرگوں کے مشورہ سے اس پیش کش کو قبول

کرلیا، لیکن جلد ہی ملک آزاد ہوا اور فتنہ وفساد کا ایسا دورہ ہوا کہ لوگ امن وآشتی کے لئے ترسنے لگے، ان حالات میں آپ کے اعزہ اس بات کے لئے بالکل تیار نہیں ہوئے کہ آپ کو دور جانے دیں، چنانچہ بہار ہی میں تدریس کی خدمت انجام دینی شروع کی، بہار کے ضلع مونگیر میں سادات کا ایک قصبہ ”سانحہ“ کے نام سے ہے، یہاں آپ نے تدریس شروع کی، درمیان میں کچھ دنوں آپ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل بھی گئے، یہیں آپ نے مدرسہ کو ترقی دی، اور یہیں سے آپ کی تصنیفی زندگی کا آغاز ہوا۔

۱۳۷۵ھ کی بات ہے حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے خانقاہ رحمانی کے عظیم الشان اور خوبصورت کتب خانہ کی تعمیر مکمل کرائی، اس موقع سے آپ نے کتب خانہ کی افتتاحی تقریب رکھی، جس میں ملک کے ممتاز علماء کو مدعو فرمایا، ان مہمان علماء میں سب سے نمایاں نام حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا ہے، اس موقع سے امیر شریعت حضرت مولانا رحمانی کی خواہش پر مفتی صاحب نے ایک مقالہ پڑھا، جو اہل علم موجود تھے اُنھوں نے اس کی بہت پذیرائی کی، حضرت قاری صاحب بھی اس تحریر سے بہت متاثر ہوئے، اور آپ سے دارالعلوم دیوبند آنے اور خدمت کرنے کی خواہش فرمائی، —— یہاں سے مفتی صاحب کی زندگی میں ایک نیا باب کھلتا ہے، جس نے ان کے علمی افادہ کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر کردیا۔

۱۴/صفر ۱۳۷۶ھ کو دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ تبلیغ میں آپ کی تقرری عمل میں آئی،
اور آپ کو ”جماعت اسلامی کے دینی رجحانات“ کے عنوان پر لکھنے کو کہا گیا، چنانچہ آپ نے
اس موضوع پر دو حصوں میں ایک تحریر مرتب کی، جو معتدل اور متوازن لب ولہجہ کی حامل
ہے، پھر چند ہی ماہ بعد آپ کا تبادلہ دارالافتاء میں کردیا گیا، اور فتاویٰ نویسی کی خدمت آپ
سے متعلق ہوئی، دارالعلوم دیوبند کا کتب خانہ بہت ہی غیر مرتب شکل میں تھا، عام طور پر اہل
علم کو اس کی شکایت تھی، حضرت مہتمم صاحب بھی اس کے لئے فکرمند تھے، حضرت مفتی
صاحب کی کتابوں پر نظر اور مطالعہ کے ذوق کو دیکھتے ہوئے ۱۳۸۲ھ کو کتب خانہ کی ترتیب

کی ذمہ داری آپ سے متعلق ہوئی، اسی دور میں آپ نے اس کتب خانہ کے مخطوطات کا تعارف لکھا، جو دو ضخیم جلدوں میں ہے، اور طبع ہو چکا ہے، بحمد اللہ مفتی صاحب نے اس کام کو بھی بہتر طور پر انجام دیا، اور بکھری ہوئی موتیوں کو خوبصورتی کے ساتھ پرونے کی خدمت سر انجام دی، مفتی صاحب نے کتب خانہ کی ترتیب کا کام اس خوش اُسلوبی سے انجام دیا کہ دوسرے ادارے بھی آپ سے اس بارے میں مشورہ لیا کرتے تھے، ۱۹۷۵ء میں جب دارالعلوم ندوۃ العلماء نے ۸۵ سالہ جشن منایا تو مخطوطات کی فہرست سازی میں تعاون کے لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے آپ کو کئی ماہ کے لئے ندوہ بلایا اور وہاں بھی مفتی صاحب نے یہ کام بہت ہی عمدگی کے ساتھ انجام دیا۔

دارالعلوم میں آپ مختلف علمی کام انجام دیتے رہے ہیں، ایک زمانہ میں فضلاء کی فکری و قلمی تربیت کے لئے ''شعبۂ مطالعہ علوم قرآنی'' کا قیام عمل میں آیا تھا، آپ ہی اس کے ذمہ دار مقرر ہوئے، اس شعبہ میں متعدد باصلاحیت فضلاء کی تربیت ہوئی، جن میں مولانا محمد ولی رحمانی، مولانا ریاست علی شیر کوٹی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا شاہین جمالی، مولانا ابراہیم گجراتی، اور مولانا سمیع اللہ گونڈوی وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، افسوس کہ یہ مفید شعبہ چند ہی سالوں میں بند ہو گیا۔

۱۳۹۶ھ میں دارالعلوم کے عربی ترجمان الداعی کے لئے نگراں کمیٹی بنائی گئی، آپ بھی اس کمیٹی میں شامل تھے، ۱۳۹۴ھ میں رویت ہلال کمیٹی بنی اس میں بھی آپ کی شرکت تھی، ۱۳۹۴ھ ہی میں دارالقضاء کا قیام عمل میں آیا، تو آپ اس کمیٹی کے بھی رکن تھے، ۱۳۹۶ھ میں دارالعلوم کے ایک ممتاز فاضل کو حضرت نانوتوی کے علوم پر کام کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی، آپ اس کام کے نگراں مقرر کئے گئے۔

۱۳۸۵ھ سے دارالعلوم کی انتظامیہ میں تبدیلی ۱۴۰۲ھ تک رسالہ دارالعلوم کا اداریہ لکھنے کی ذمہ داری آپ ہی کی تھی، اور یہ اداریۓ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی اور مسائل کے تجزیہ کے لحاظ سے بھی پورے ملک میں شوق سے پڑھے جاتے تھے، آپ نے ایک عظیم الشان خدمت ترتیب فتاویٰ کی انجام دی، جو یقیناً آپ کا روشن کارنامہ ہے،

۱۴۰۳ھ سے دوبارہ دارالافتاء میں آپ کی واپسی ہوگئی، اور بحمد اللہ نہایت بہتر طریقہ پر آپ اس فریضہ کو انجام دے رہے ہیں، بلکہ نئے مسائل سے متعلق جوابات زیادہ تر آپ ہی کے قلم سے ہوتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب اچھے خطیب بھی ہیں، زمانہ طالب علمی میں جنگ آزادی میں بھی شریک ہو چکے ہیں، اور اس کی آزمائشوں اور ابتلاؤں سے بھی گذرے ہیں، سانحہ کے زمانہ قیام میں جمیعۃ العلماء ہند کے تحریکی کاموں سے بھی متعلق رہے ہیں۔

آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ابتداء قیام سے رکن تاسیسی اور ادھر عرصہ سے اس کی مجلس عاملہ کے بھی رکن ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے آپ ابتداء قیام سے ہی رکن ہیں، اور اکیڈمی کے بانی فقیہ الأمت حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی وفات کے بعد جو اکیڈمی کی تنظیم نو ہوئی ہے، اس میں آپ باتفاق رائے صدر منتخب ہوئے ہیں، تحریک امارت سے آپ کا تعلق بہت قدیم ہے، اور آپ شروع سے امارت کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین ہیں۔

لیکن آپ کا اصل مزاج علم و تحقیق اور تصنیف و تالیف کا ہے، اور اس معاملہ میں مفتی صاحب کی زندگی علماء کے لئے نمونہ کا درجہ رکھتی ہے، یوں تو آپ زمانہ طالب علمی ہی سے قلمی ذوق رکھتے تھے، لیکن آپ کی پہلی باضابطہ تصنیف سانحہ کے زمانہ قیام میں ''اسلام کے نظام مساجد'' کے نام سے منصۂ شہود پر آئی، جس کی اہل علم کے درمیان بے حد پذیرائی ہوئی، اس کے علاوہ اسلام کے مختلف شعبۂ حیات پر آپ کی مقبول عام و خاص تصنیفات میں اسلام کا نظام امن، اسلام کا نظام عصمت و عفت، اسلامی نظام معیشت، اور اسلام کا نظام جرم و سزا خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، دارالعلوم دیوبند سے مفتی صاحب کا فکری تعلق بھی ہے، اور قلبی و روحانی تعلق بھی، اس لئے دارالعلوم سے متعلق بھی آپ کی کئی تحریریں ہیں، جو جشن صد سالہ کے موقع سے طبع ہوئیں، مشاہیر علماء دیوبند، دارالعلوم ایک عظیم مکتبہ فکر، دارالعلوم دیوبند قیام اور پس منظر۔

''امارت شرعی'' کا نظام آپ کی فکر کا ایک اہم حصہ ہے، چنانچہ اس موضوع پر آپ نے ''امارت شرعیہ کتاب وسنت کی روشنی میں'' نامی رسالہ تالیف فرمایا، جس میں دارالکفر میں نظام امارت پر گفتگو کی گئی ہے، نیز امارت شرعیہ کی تاریخ پر آپ ہی کے قلم سے ایک مفصل کتاب ''امارت شرعیہ ـــــ دینی جدوجہد کا روشن باب'' ہے، جو امارت کی پوری تاریخ کا نقشہ کھینچتی ہے، سیرت، تاریخ اور شخصیات میں تالیف کا مفتی صاحب کو خاص ذوق ہے، اس سلسلہ میں ''مصائب سرورکونین ـــــ اسوۂ حسنہ'' بڑی مؤثر کتاب ہے، اسی طرح صحابہ اور سلف کے واقعات پر ''تاریخی حقائق'' اور اسلامی تاریخ کی یادگار مسجدوں پر ''تاریخ مساجد'' اہم کتابیں ہیں، حضرت مولانا سید مناظر حسن گیلانی، ماضی قریب میں اپنے علمی و تحقیقی ذوق کے معاملہ میں امتیازی شان کے حامل صاحب قلم گذرے ہیں، افسوس کہ ان کی حیات اور تذکرہ پر کسی صاحب نے قلم نہیں اُٹھایا تھا، مفتی صاحب نے ''حیات گیلانی'' کے نام سے مولانا کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی خواہش پر آپ نے دارالعلوم کے شعبۂ تبلیغ سے تعلق کے زمانہ میں دینی عقائد کے نام سے اہل سنت والجماعت اور علماء دیوبند کے عقیدہ کو مرتب فرمایا، اور جماعت اسلامی کی فکر پر قلم اُٹھایا، یہ دونوں رسالے دارالعلوم دیوبند سے شائع ہو چکے ہیں، حضرت مفتی صاحب کا اکابر علماء اور معروف اصحاب قلم سے علمی ارتباط رہا ہے، اور اس سلسلہ میں آپ نے ان سے مراسلت بھی کی ہے، یہ خطوط بہت سے علمی مضامین، اپنے عہد کے حالات، اور کتابوں سے متعلق تبصروں پر مشتمل ہیں، اس طرح مکتوب الیہ کے علاوہ اور دوسرے اہل علم کے لئے بھی ان کی افادیت تھی، اسی پس منظر میں آپ نے اپنے نام آئے ہوئے ان مکتوبات کو ''مشاہیر علماء ہند کے علمی مراسلے'' کے نام سے مرتب فرمایا ہے۔

آپ کا سب سے یادگار کارنامہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی اول حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کے فتاویٰ کی ترتیب کا کام ہے، جو بارہ ضخیم جلدوں میں، کتاب اللقطہ پر ختم ہوتا ہے، اور جس نے پوری دنیا میں شہرت وقبولیت حاصل کی ہے، کاش ترتیب فتاویٰ کا

یہ سلسلہ جاری رہتا اور فتاویٰ کی جوامانت بوسیدہ رجسٹروں کے دفینہ میں ہے، وہ بھی سفینوں میں آجاتی، تو اہل علم اور عام مسلمانوں کے لئے زندگی کے بہت سے مسائل میں خضر طریق مہیا ہو جاتا، آپ کے علمی کارناموں میں ایک اہم کام حضرت امیر شریعت مولانا رحمانی کی خواہش پر مجموعۂ قوانین اسلامی کی ابتدائی ترتیب کا کام ہے، گو اس کام میں بہت سے علماء اور ارباب افتاء کی شرکت رہی ہے، لیکن اس کے ابتدائی مسودہ کی ترتیب کی سعادت آپ ہی کے حصہ میں آئی، جس کے نگرانِ اعلیٰ امیر شریعت حضرت منت اللہ رحمانی رہے۔

آپ کے ان علمی کاموں کے علاوہ جو منظر عام پر آچکے ہیں، دو چیزیں ایسی ہیں، کہ اُنھیں مرتب ہو کر شائع ہونا چاہئے، ایک تو آپ کے فتاویٰ جو ہزاروں کی تعداد میں ہیں، اور جن کی ترتیب وطباعت کے سلسلہ میں راقم الحروف بار بار حضرت مفتی صاحب سے تحریک کر چکا ہے، دوسرے آپ کے مقالات جو مختلف رسائل میں شائع ہوئے ہیں، اور جن کی تعداد خود مفتی صاحب نے اپنی اس آپ بیتی میں ۱۳۱ لکھی ہے، یہ دونوں چیزیں کئی جلدوں میں طبع ہوں گی، اور انشاء اللہ جب بھی شائع ہوں گی، اہل علم اور اصحاب ذوق کی چشم محبت کا سرمہ بنیں گی۔

مفتی صاحب کو جیسے اللہ تعالیٰ نے علمی کاموں کی توفیق عطا فرمائی، اسی طرح اسے مقبولیت اور شہرت سے بھی سرفراز فرمایا، ندوۃ المصنفین دہلی جو ایک زمانے میں علماء دیوبند کا سب سے مؤقر تصنیفی واشاعتی ادارہ تھا، نے آپ کی کئی تحریروں کو شائع کیا ہے، آپ کی اکثر کتابیں ہند و پاک میں کئی کئی بار طبع ہو چکی ہیں، اسلام کے نظام عفت و عصمت کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا، اسی کتاب کا فارسی ترجمہ ''حجاب وعفت از دیدگاہ اسلام'' کے نام سے تہران (ایران) سے شائع ہو چکا ہے، اور جدید حلقہ میں اس کی خاصی پذیرائی ہوئی ,حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نظام مساجد، نظام امن اور نظام عفت و عصمت، ایسی کتابیں ہیں کہ انھیں عربی میں بھی طبع ہونا چاہئے، یہاں اس بات کا ذکر مناسب ہوگا کہ گذشتہ سال اس حقیر کا سعودی عرب کا سفر ہوا، ایک صاحب نے بتایا کہ اُنھوں نے کچھ اہم کتابیں

انگریزی زبان میں تلخیص کے لئے منتخب کی ہیں، ان میں ایک اسلام کا نظام عفت وعصمت بھی ہے جس کا انگریزی خلاصہ اُنھوں نے بنگلور سے شائع کیا ہے، ایک زمانہ میں معارف اور برہان اُردو کے دوسب سے زیادہ مؤقر جرائد تھے، مفتی صاحب برہان کے مستقل مضمون نگاروں میں تھے۔

حضرت مفتی صاحب ہمیشہ اپنے آپ کو اپنے بزرگوں اور اہل دل مصلحین کے دامن تربیت سے باندھے رہے، علامہ سید سلیمان ندوی اور امیر شریعت حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے خصوصی اصلاحی تعلق رکھا، اوراذکار و اوراد کے سلسلہ میں ان کی نصیحتوں پر عامل رہے، پھر سید صاحب کی ایماء پر ۱۹۴۷ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے، حضرت مدنیؒ کے وصال کے بعد ۱۳۸۵ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے بیعت کی تجدید فرمائی، ۱۳۹۵ھ میں ایک صاحب نسبت اور صاحب علم بزرگ حضرت مولانا شاہ فضل اللہ حیدرآبادیؒ (حفید حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ) نے آپ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا، پھر رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ میں حضرت قاری صاحب نے بھی آپ کو اجازت بیعت دی، مفتی صاحب کی سادگی اور انکساری کہ اُنھوں نے عمومی طور پر بیعت کا سلسلہ نہیں شروع کیا۔

حضرت مفتی صاحب کو مجھے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، مفتی صاحب میں متعدد خوبیاں ایسی جمع ہوگئی ہیں، جو کم ہی ایک شخصیت میں جمع ہو پاتی ہیں، اور جو خاص کر علماء کے لئے اسوۂ تقلید کا درجہ رکھتی ہیں۔

پہلی بات مفتی صاحب کی سادگی اور سذاجت ہے، معمولی سا کپڑا، عام قسم کی عینک، سیدھی سادھی جوتی، سفر میں تھیلا بھی معمولی، جہاں ٹھہرائیے ٹھہر جائیں، جہاں بٹھائیے بیٹھ جائیں، عامی سے عامی بھی دعوت دے تو قبول کرلیں، نہ ہٹو نہ بچو، نہ خدم وحشم کی فوج، نہ گفتگو میں کوئی تکلف، نہ نشست و برخواست میں کوئی تصنع ——— یہی ہمارے بزرگوں کا طریقہ تھا، سلف کے اس طرز عمل کو مفتی صاحب کی زندگی میں زندہ وتابندہ دیکھا جاسکتا

ہے۔

سادگی سے ہی قریب دوسرا وصف تواضع وانکسار کا ہے، مفتی صاحب اپنے عہد کے بڑے مصنفین اور اصحاب قلم میں ہیں، ملک و بیرون ملک ان کی تحریروں کو قبول عام حاصل ہوا ہے، برصغیر کی سب سے بڑی درس گاہ میں منصب افتاء پر فائز ہیں، لیکن کہیں سے، کسر و تعلّی کا احساس چھوکر بھی نہیں گیا ہے، بڑے ہوں، معاصر و ہم عمر ہوں، یا شاگرد اور خرد، ہر ایک کے ساتھ تواضع، جھکاؤ اور بچھاؤ کی کیفیت، چھوٹوں سے بھی ایسی بے تکلف گفتگو جیسے دوست کسی دوست سے کرتا ہو۔

تیسری چیز وقت کی حفاظت اور اپنے علمی مشاغل کا اہتمام، مفتی صاحب نے فتاویٰ نویسی، کتب خانہ کی ترتیب اور ترتیب فتاویٰ کے دشوار کام کے ساتھ ساتھ جس طرح اپنے تصنیفی شغل کو جاری رکھا، کتابیں اور مقالات لکھتے رہے، اور علمی مجالس کو رونق بخشتے رہے، وہ ایک قابل تقلید عمل ہے، میں نے مفتی صاحب کو دیکھا ہے، کہ سفر کی حالت میں ہیں، کہیں پلیٹ فارم پر رکنا پڑا، ٹرین آنے میں دیر ہے، تو بیگ سے کاغذ نکالا۔ جیب سے قلم، اور لکھنے میں مشغول ہو گئے، اپنی جائے اقامت میں تو بدرجہ اولیٰ لکھنے پڑھنے کا کام سرانجام دیتے، اسی لئے ان کے وقت اور قلم میں برکت ہے۔

چوتھی قابل ذکر بات یہ ہے کہ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ علم و تحقیق کے کام اور لوح و قلم کی خدمت کے لئے ضروری ہے کہ بارونق شہر ہو، علمی چہل پہل ہو، بڑا کتب خانہ ہو، اور علمی ماحول ہو، لیکن مفتی صاحب نے سانحہ جیسے کوردہ دیہات اور ایک ابتدائی مدرسہ میں رہ کر بھی تصنیف و تالیف کا اچھا خاصا کام کیا، اور وہیں اسلام کا نظام مساجد اور نظام عفت و عصمت مرتب فرمایا، جس کی علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی جیسے اکابر علماء اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی جیسے ادیب نے داد دی، اور جسے ندوۃ المصنفین جیسے وقیع اور باوقار ادارہ نے شائع کیا، اس میں نوجوان فضلاء کے لئے سبق ہے، اگر انسان عزم محکم کا مالک ہو، اور عمل پیہم کا خوگر، تو وہ علم و تحقیق کے مراکز سے دور رہ کر بھی بہتر سے بہتر کام انجام دے سکتا ہے، اور اگر بے توفیقی کسی پر سایہ فگن

ہوجائے، تو عین مراکز علم میں رہتے اور کتابوں سے بھری الماریوں کے درمیان بیٹھتے ہوئے بھی کوئی کام نہیں کرسکتا۔

مفتی صاحب نے بڑے بڑوں کو دیکھا ہے، اپنے عہد کی عبقری شخصیتوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کی سعادت حاصل کی ہے، اور اپنے چھوٹوں کے لئے مشعل راہ کا درجہ رکھتے ہیں، پیرانہ سالی کی وجہ سے قویٰ کمزور ہیں، لیکن قوت ارادی اور قوت عمل میں پیر جواں ہمت کے مصداق ہیں، ــــــ یہ کتاب جو اس وقت آپ کے سامنے ہے، اسی عظیم شخصیت کی علمی سرگذشت اور زندگی کی خودگذشت ہے، اس میں مصنف کے احوال وافکار کے ذکر کے ساتھ ساتھ مصنف کے عہد کے حالات بھی قاری کے سامنے آجاتے ہیں، اور بہت سے بزرگوں کے علمی و دینی ذوق کی تصویر بھی نگاہوں میں گھوم جاتی ہے، اس طرح یہ کتاب سبھوں کے لئے اور خاص کر علماء، طلبہ، اہل قلم اور اصحاب ذوق کے لئے ایک گراں قدر تحفہ ہے، جو دلچسپ بھی ہے، موعظت خیز بھی، اور کمزور ہمت وحوصلہ کے لوگوں کیلئے ولولہ انگیز اور مہمیز بھی۔

دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اُمت پر تادیر ان کا سایہ قائم رکھے، اور یہ سفرنامہ زندگی دراز سے دراز تر ہوتا جائے۔ آمین

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد)

۱۹/ محرم ۱۴۲۴ھ / ۲۳/ ۳/ ۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

کچھ احباب کی فرمائش ہے کہ خاکسار اپنے حالات زندگی مرتب کردے، ۱۹۸۰ء میں یہ کام کر چکا تھا، اس لئے دوسری بار لکھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا، وہ قلمی نسخہ دارالعلوم کے انقلاب میں ضائع ہو گیا، مگر تقاضا اب بھی جاری ہے، اس لئے بنام خدا پھر قلم اٹھالیا ہے، اللہ تعالیٰ یہ کام پورا کرادے، مگر یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ سابق میں جو کاغذات میرے پاس تھے، وہ سب لٹ چکے ہیں، اس لئے جگہ جگہ خلا محسوس ہوگا اس کے لئے معذور سمجھا جائے۔

وطن اور پیدائش

میری پیدائش ۷/مارچ ۱۹۲۶ء مطابق ۲۱/شعبان ۱۳۴۴ھ کو بموضع ''پورہ نوڈیہا'' میں ہوئی، جو شہر دربھنگہ (بہار) سے پورب پانچ کیلو میٹر کی دوری پر کملا ندی کے کنارے تھوڑی ہی دوری پر جانب مشرق واقع ہے، میرے والد محترم منشی شمس الدین صاحبؒ ریلوے میں ملازم تھے، اس وقت اس ریلوے کا نام ''بی، این، ڈبلو، آر'' تھا۔

آغاز تعلیم

جب میں چار پانچ سال کا ہوا تو مجھے والدین نے گاؤں کے مکتب میں بٹھایا، جہاں میاں جی محمد یوسف صاحب مرحوم بچوں کو پڑھایا کرتے تھے، مولوی صاحب نے ابتداء میں پہلے ہندی لکھنا پڑھنا سکھایا اور پہاڑے یاد کرائے، پھر قواعد بغدادی کے بعد پارہ عم شروع کرایا۔

ہمارے چچازاد بھائی حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب اس وقت عربی مدرسہ میں پڑھ رہے تھے، جن کی شادی میری بڑی بہن سے تھی، انہوں نے ۱۹۳۰ء میں مدرسہ شمس الہدیٰ

پٹنہ سے فاضل کیا، اور پورے صوبہ میں "فاضل کا امتحان اس شان سے پاس کیا تھا کہ وہ پوری یونیورسیٹی میں فرسٹ آئے تھے اور انہیں انعام میں سونے کا تمغہ دیا جانا طے ہوا تھا"
(تاریخ نیک فال : ۹۵)(۱)

مدرسہ محمودیہ میں

فراغت کے بعد مولانا مدرسہ محمودیہ راجپور نیپال میں صدر مدرس کے لئے بلائے گئے، جب مولانا وہاں جم گئے، تو کچھ دنوں کے بعد اپنے چند عزیزوں کو مدرسہ ساتھ لے گئے، ان میں ایک یہ خاکسار بھی تھا، اس وقت پارہ عم کی سورۃ "والنازعات" مکتب میں پڑھ رہا تھا، وہاں مدرسہ محمودیہ میں پارہ عم سے پڑھنا شروع کیا، اس وقت میری عمر پانچ سال کی ہوگی۔

اس زمانہ میں اس مدرسہ میں صرف دو استاذ ہوتے تھے، ایک حافظ قرآن اور دوسرے جید الاستعداد فاضل، حافظ صاحب قواعد بغدادی سے لے کر پورا ناظرہ قرآن پڑھاتے تھے اور حفظ قرآن بھی کراتے تھے، میں نے پہلے ناظرہ قرآن اسی درجہ میں ختم کیا، اس وقت حفظ قرآن کے استاذ حافظ میاں جان صاحب تھے، جو سیتا مڑھی کے رہنے والے تھے، ان کے بعد ان کی جگہ حافظ محمد جان آگئے، جو غالباً فاطمہ چک ضلع مظفر پور کے باشندے تھے میں نے ان ہی دونوں سے قرآن پاک ناظرہ پڑھا اور ختم کیا۔

اس کے بعد مجھے حفظ میں لگا دیا گیا، ایک ڈیڑھ پارہ یاد بھی کیا، عمر بہت کم تھی، حافظ صاحب کو رحم آیا، انہوں نے میرے بھائی مولانا عبد الرحمٰن صاحب (۲) سے عرض کیا کہ بچہ بہت کم عمر ہے اس لئے حفظ چھوڑا دیا جائے، ایک دو سال کے بعد اس میں لگانا مناسب ہوگا، مولانا نے اس کو منظور فرمالیا، اور حفظ چھڑا دیا گیا، اور مجھے درجہ اردو میں داخل کرلیا گیا۔

درجہ اردو میں داخلہ

میں اس درجہ قرآن سے نکل کر عربی درجہ کی طرف آگیا، جہاں اردو فارسی اور عربی کے اسباق ہوتے تھے، یہ درجہ مولانا کے ذمہ تھا، اس لئے اردو قاعدہ اور اردو کی پہلی میں نے مولانا

(۱) راجپور ایک بڑی آبادی ہے، جو ترائی نیپال میں واقع ہے، کنڈواچین پور ریلوے اسٹیشن سے اتر کر جانا ہوتا ہے۔
(۲) حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحبؒ خامس امیر شریعت بہار واڑیسہ

عبد الرحمٰن صاحب مدظلہ کے پاس پڑھی، جب اردو پڑھنے لگا تو مجھے تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہؒ) شروع کرائی گئی، اور پھر کچھ دنوں کے بعد دروس التاریخ للخیاط (اردو) اور قواعد اردو (مرزا نثار بیگ) اخیر سال میں مسدس حالی کا بھی کچھ حصہ پڑھایا گیا۔ یہ اچھی طرح یاد ہے کہ تعلیم الاسلام کے چار حصے، اور دروس التاریخ کے تین حصے اور قواعد اردو کے تین حصے ہم نے اس طرح پڑھے کہ تقریباً یہ ساری کتابیں از بریاد تھیں اور ہر ہفتہ شب جمعہ میں استاذ کی موجودگی میں مکالمے ہوتے تھے۔

امتحان اور حاضر جوابی

سالانہ امتحان مولانا عبد الرزاق نامی ایک غیر استاذ نے لیا، جو ایک دوسرے مدرسہ میں مدرس اول تھے، وہ ہماری یادداشت اور حاضر جوابی پر حیرت زدہ رہ گئے، ان اسباق میں ہم صرف تین ساتھی تھے، مظفر حسین مرحوم، واعظ الحق مرحوم اور خاکسار محمد ظفیر الدین، عمر میں یہ دونوں مجھ سے بڑے تھے، ذکاوت و تیزی میں مجھے لوگ ترجیح دیا کرتے تھے، سمجھ ان دونوں کی اونچی تھی اور یادداشت میری۔

یہاں اخیر رات میں طلبہ کو جگانے اور اسباق یاد کرانے کا رواج تھا، نماز فجر غلس (اندھیرے) میں شروع ہوتی اور اسفار میں جماعت ختم ہوتی، امام ہمارے مولانا ہوتے تھے، اپنا اندازہ ہے کہ اس مدرسہ میں میں نے دو ڈھائی سال گذارے، درمیان میں چھٹی کے موقع سے گھر آتے جاتے رہے۔

گھر سے رابطہ

اس زمانہ میں میرے والد محترم (۱) سیتامڑھی ریلوے میں لائن انسپکٹر کے عہدہ پر فائز تھے، اس لئے ہر ہفتہ ہم لوگوں کا ناشتہ گھر سے آجاتا تھا، اور کافی آرام میں تھے، میں اس وقت کافی چھوٹا تھا، اتنا کہ مدرسہ سے اسٹیشن پیدل نہیں جاسکتا تھا، جب جانا ہوتا تو گھوڑے پر بٹھا کر پہونچایا جاتا تھا، مدرسہ سے اسٹیشن کی دوری کوئی چھ میل ہوگی۔ نیپال میں اس وقت کوئی ترقی نہیں تھی، نہ سڑک تھی نہ ڈاک خانہ، نہ بس تھی اور نہ ریل، حتی کہ اپنا سکہ بھی نہیں تھا،

---

(۱) والد محترم کا نام محمد شمس الدین تھا ــــــہ میں انتقال ہوا

ہندوستانی سکے چلتے تھے۔

مدرسہ محمودیہ سے وارث العلوم میں

مختصر یہ کہ ہمارا قیام مدرسہ محمودیہ راجپور میں دوڈھائی سال تک رہا، ۱۵ رجنوری ۱۹۳۲ء کو مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ نیپال سے چھپرہ شہر کے مدرسہ ''وارث العلوم'' میں بحیثیت صدر مدرس آگئے، جو اس وقت محلہ کریم چک میں واقع تھا، اس طرح بالآخر ہم لوگوں کو بھی وہاں مدرسہ محمودیہ کا قیام ترک کرنا پڑا، گھر آگئے اور کچھ دنوں کے بعد مدرسہ محمودیہ راجپور کے بجائے چھپرہ مدرسہ وارث العلوم جانا پڑا، یہ ۱۹۳۳ء کا ابتدائی مہینہ تھا۔

درجہ فارسی وعربی

چھپرہ میں ابھی ہمارا شعور جاگا نہیں تھا، بچپن ہی تھا، یہاں آکر آمدنامہ، ضوابط فارسی، عزیز القواعد وغیرہ کتابیں شروع ہوئیں، ایسا یاد آتا ہے کہ آمدنامہ کے استاذ سید محمد قادری صاحب (۱) تھے، اور ضوابط فارسی خود مولانا عبدالرحمٰن صاحب پڑھاتے تھے، ڈیڑھ دو سال تک صرف فارسی کی کتابیں پڑھتے رہے، جیسے: گلستاں، بوستاں وغیرہ، ۱۹۳۴ء میں باضابطہ میرا داخلہ درجہ چہارم عربی میں ہوا اور میں نے کتاب الصرف شروع کی، اسی کے ساتھ نحومیر، علم الصیغہ، اور مرقات بھی، یہاں عربی کے استاذوں میں ایک نئے استاذ مولانا شاہ محمد حبیب صاحب مرحوم آئے، جن سے میں نے مرقات شروع کی، انہوں نے پہلے اس کا اردو میں نوٹ لکھوا کر رٹوایا پھر ایک چھوتھائی کتاب پڑھائی، کوئی کتاب نصاب تک نہیں ہوتی تھی ہماری کتاب بھی ختم نہیں ہوئی۔

۱۹۳۴ء کا زلزلہ

ایسا یاد آتا ہے کہ ۱۹۳۶ء میں عقل وہوش نے کروٹ لی اور اس وقت کچھ شعور جاگا، ۱۵ رجنوری ۱۹۳۴ء میں بہار کا تاریخی زلزلہ آیا جس میں بہت سارے مکانات منہدم ہوگئے تھے اور زمین پھٹ گئی تھی جس سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے تھے، اس وقت میرا ایسا بچپن تھا

(۱) سید محمد قادری صاحب وارث العلوم چھپرہ میں حساب اور اردو کے استاذ تھے، سن وفات معلوم نہیں ہوسکا۔

کہ پانی نکلنے کا تماشہ دیکھ کر ہم لوگ خوش ہوا کرتے تھے، چنانچہ زلزلہ کے بعد گھر ہی میں رہنا ہوا، والد محترم نے زلزلہ کے کافی دنوں کے بعد ہمیں چھپرہ پہونچایا۔

چھپرہ کا سیلاب

مجھے یاد ہے کہ ایک سال چھپرا میں (اسی زمانہ) بہت بڑا سیلاب آیا تھا، مدرسہ کی سڑکیں پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں اور ہر گلی کوچے میں پانی بھرا ہوا تھا، اس زمانہ میں خاکسار چھپرہ میں تھا، اور اسے دیکھ کر خوب خوش ہوتا تھا اور پانی میں نہایا کرتا تھا۔

کھانے کا نظم

ابتداء میں ہمارے کھانے کا نظم حضرت مولانا نے ہوٹل میں کر دیا تھا، ماہانہ تین روپے کھانے کے اور دو روپے ناشتے کے ہوٹل والے کو دینے ہوتے تھے، ۱۹۳۵ء میں درجہ پنجم میں آیا، اور ۱۹۳۶ء میں درجہ ششم عربی میں درجہ میں جتنی کتابیں داخل تھیں مشکل سے اس کا چوتھا حصہ ہوا ہوگا۔

یہ غالباً ہفتم کا سال تھا کہ قدوری، کافیہ، اوضح المسالک، قلیوبی، اخوان الصفا، اور مستطرف جیسی کتابیں ہمیں شروع کرائی گئیں درس میں یہ سب داخل تھیں، نور الایضاح اس سے پہلے سال میں پڑھی تھی، مگر جو مسائل بالغوں سے متعلق ہیں، جیسے جنابت، حیض، ونفاس بالکل نہیں سمجھتا تھا، یوں یاد رکھتا تھا کہ فلاں کا حکم یہ ہے۔

جمعیۃ الطلبہ کا قیام اور تقریر کی مشق

۱۹۳۷ء میں جمعیۃ الطلبہ قائم کر کے ہم نے تقریر کی مشق شروع کر دی تھی، ہر شب جمعہ میں ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا، اسی سال ۳ر ستمبر ۱۹۳۷ء کو "یوم فلسطین" کے نام پر جلوس نکالا گیا تھا، ابتداء میں اس کا پروپیگنڈا ہم طلبہ نے کیا، پھر ہمارے اساتذہ کرام نے اپنے ہاتھوں میں انتظام لے لیا، بہت شاندار جلوس نکلا، جلوس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی، جامع مسجد چھپرہ سے شروع ہوا تھا اور پورے شہر میں گشت ہوا۔

امتحان فوقانیہ

۱۹۳۸ء میں اپریل کے مہینہ میں پٹنہ جا کر ہم نے فوقانیہ کے امتحان میں شرکت کی، اس زمانہ میں بورڈ والے تمام مدارس کا سنٹر پٹنہ میں مدرسہ شمس الہدیٰ ہوتا تھا، اور پورے بہار کے طلبہ یہیں آکر امتحان دیا کرتے تھے، مدرسہ شمس الہدیٰ کے جونیر کلاسوں میں قیام کا انتظام ہوا کرتا تھا، کھانے کا نظم ہر شخص خود ہوٹل میں کیا کرتا تھا، اور ہر مدرسہ کے طلبہ کے ساتھ ایک استاذ بھی ہوتے تھے۔

قلمی پرچے کا اجراء

اسی سال ''وراث العلوم'' میں ہم طلبہ نے ''القاسم'' نامی ایک قلمی پرچہ نکالا، اس کے صرف دو پرچے نکل پائے، پھر نہ معلوم کس وجہ سے بند کرنا پڑا، اس کا ایڈیٹر مجھ کو ہی ساتھیوں نے بنایا تھا، اس زمانہ میں تقریر بھی کیا کرتا تھا۔

ایک تقریر اور اس کا اثر

۱۹۳۹ء میں مسلم لیگ کی طرف سے فلسطین ڈے منایا گیا، ایک بڑا جلوس نکلا، جس میں تمام مسلمان شریک ہوئے، بعد مغرب میونسپل ہال میں جلسہ ہوا، اس میں ساتھیوں نے میری تقریر بھی لکھوادی، نوجوانی میں میں نے بڑی پرجوش تقریر کی، اس کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ کل تک جہنمی سمجھ کر ہم تھوکتے تھے اور لاحول پڑھتے تھے، وہ جہاں سے میں گذرتا اب دکانوں سے نکل کر سلام کرنے لگے اور بڑی محبت وشفقت کا اظہار ہونے لگا، تعالی اللہ شانہ۔

بعد امتحان فوقانیہ

فوقانیہ امتحان دیکر وطن آگیا اور دو تین ماہ گھر رہا، جون میں جب کامیابی کا نتیجہ آیا تو پھر چھپرہ آیا، پہلے خیال تھا کہ جگہ بدل دی جائیگی مگر حضرت الاستاذ کی رائے نہیں ہوئی، گو مدرسہ وارث العلوم اس وقت صرف فوقانیہ تک منظور تھا، مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ کے مشورہ سے پھر وارث العلوم میں رہ کر اگلی کتابیں پرائیوٹ طریقہ سے پڑھنے لگا۔

۱۹۳۷ء میں نصاب تعلیم میں تبدیلی آئی تھی اور درجہ ملا کا نام فوقانیہ رکھا گیا، ۱۹۳۸ء

میں فوقانیہ کے نام سے سب سے پہلا امتحان ہوا تھا، فوقانیہ میں اس وقت یہ کتابیں تھیں، قدوری، مقامات، بدیع الزماں ہمدانی، ازھار العرب، اقلیدس، حساب، جیومیٹری، بانگ درا وغیرہ۔

جمعیۃ العلماء کی صوبائی کانفرنس

۱۹۳۸ء میں ہی بہار جمعیۃ العلماء کا صوبائی اجلاس چھپرہ شہر میں ہونا طے پایا، یہ غالبًا مئی کا مہینہ تھا، مسلم لیگ کا دور شباب تھا ہم طلبہ نے بڑے صبر وضبط سے کام لے کر اجلاس کو کامیاب بنایا تھا، نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کا ایک ہفتہ مدرسہ میں قیام رہا، اجلاس کے دنوں میں مسلم لیگ کی طرف سے بڑی سخت مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، مہمانوں کے استقبال میں اسٹیشن پر اگر ہم پندرہ بیس طلبہ ہوتے تھے، تو لیگ کے پندرہ بیس سو رضا کار سیاہ جھنڈے لئے مخالف نعرے لگاتے تھے، صوبہ میں وزارت تو کانگریس کی تھی مگر حکومت انگریزوں کی تھی، دونوں طرف کافی جوش وخروش تھا، جمعیۃ العلماء کا جھنڈا پہلی مرتبہ اسی اجلاس میں طے ہوا اور لہرایا گیا، یہ جھنڈا حضرت مولانا سجاد رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ کے مطابق بنایا گیا تھا۔

طالب علمی میں مدرسی

۱۹۳۸ء کے امتحان فوقانیہ میں جب میں کامیاب ہوگیا اور پھر مدرسہ وارث العلوم میں پڑھنے آیا تو مدرس پنجم عربی کی جگہ میرا تقرر کردیا، گیا بلا مشاہرہ چنانچہ نیچے کے عربی درجہ کو میں پڑھاتا بھی تھا اور خود مولانا عبدالرحمٰن صاحب اور مولانا طیب صاحب امام جامع مسجد مونا سے پڑھتا بھی تھا، شرح وقایہ اور دوسری کتابیں ہوتی تھیں، "تاریخ نیک فال" میں لکھا ہے کہ: "فروری ۱۹۳۸ء میں مولوی ظفیر الدین صاحب کو بحیثیت مدرس بحال کیا گیا" (تاریخ نیک فال: ۱۱۶) فروری غلطی سے لکھا گیا ہے، یہ ماہ جولائی ۱۹۳۸ء تھا، دوسال مسلسل رہا، ۱۹۴۰ء کے امتحان مولوی میں بطور پرائیوٹ میں پٹنہ جاکر شریک ہوا، ٹسٹ کا امتحان بھی پٹنہ کا دینا پڑا تھا اور فائنل امتحان میں شریک ہوکر کامیابی حاصل کی تھی، پرانی یادداشت میں درج ہے کہ:۔

امتحان مولوی

۲۰؍صفر ۱۳۵۷ھ سے ۳۰ صفر ۱۳۵۷ھ تک بسلسلہ امتحان فوقانیہ پٹنہ میں قیام رہا، یکم ربیع الاول ۱۳۵۷ھ کو پٹنہ سے واپسی ہوئی (نوٹ بک) مولوی کے امتحان کے سلسلہ میں درج ہے کہ ۲۱؍اپریل ۱۹۴۰ء سے ۲؍مئی ۱۹۴۰ء تک پٹنہ میں بسلسلۂ امتحان مولوی قیام رہا، ۳؍مئی ۱۹۴۰ء کو چھپرہ واپس آیا۔(ایضاً)——دوسرا امتحان مولوی کا پرائیوٹ سے مکتب اسلامیہ پورہ نوڈیہا کے نام پر دیا تھا۔

چشمہ لگانے کی ابتداء

اسی سال میں نے سر کے درد سے نجات پانے کے لئے ایک ڈاکٹر کے مشورہ سے دور کا چشمہ بنوایا، پٹنہ ہسپتال میں آنکھوں کا ٹسٹ کرایا اور وہیں ایک دوکان میں جا کر چشمہ خریدا، دور کی بینائی کمزور تھی اسی وجہ سے سر میں درد ہوا کرتا تھا، چار پانچ ماہ کے بعد درد سر جاتا رہا۔ مولوی کا امتحان بغیر باضابطہ پڑھے ہوئے اور بغیر تیاری کے دیا گیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے سکنڈ ڈویژن سے کامیابی عطاء کی، مدرسہ اکزامینیشن بورڈ سے فوقانیہ اور مولوی کی سندیں میرے پاس آچکی تھیں، یہ دارالعلوم دیوبند کے انقلاب میں ضائع ہوئیں۔

ملحق مدرسہ سے آزاد مدرسہ میں

اب یہ طے ہوا کہ آنے والے شوال میں کسی درس نظامیہ آزاد مدرسہ میں داخلہ لیا جائے، مولوی کا نتیجہ نکلنے کے بعد چند ماہ کے لئے چھپرہ ہی آ گیا، جولائی اور اگست چھپرہ کے مدرسہ میں گذارا ستمبر، اکتوبر رمضان کے نام پر گھر گذارا، شوال میں عید کر کے چھپرہ آ گیا، یہ پہلے ہی طے ہو چکا تھا کہ مئو مفتاح العلوم میں داخلہ مناسب رہے گا، ہمارے استاذ مولانا نظیر احمد صاحب کے صاحبزادہ مولوی اظہار الحق صاحب مرحوم کو بھی میرے ساتھ مئو جانا تھا۔

مفتاح العلوم میں

استاذ محترم مولانا محمد طیب صاحب چھپروی (۱) نے اپنے ایک جاننے والے کے نام

---

(۱) مولانا محمد طیب صاحب چھپرہ محلہ امام گنج کے باشندہ تھے، ہائی اسکول میں اردو فارسی کے استاذ تھے، اور مونا مسجد میں امام تھے۔

خط لکھ دیا، وہ لے کر ہم دونوں مئو روانہ ہو گئے، وہ محلہ چاند پورہ میں رہتے تھے جو اسٹیشن سے متصل ہے، حافظ صاحب کا نام محمد خلیل تھا، انہوں نے اپنے یہاں ٹھہرایا، دوسرے دن مولوی عبد العزیز مرحوم جو وارث العلوم میں پڑھ چکے تھے، ان کو ڈھونڈھتے ہوئے کیاری ٹولہ پہونچے، وہ مل گئے، ۹ر شوال ۱۳۵۹ھ مطابق نومبر ۱۹۴۰ء کو ایک ساتھ مفتاح العلوم حاضر ہوئے، پہلے دار العلوم میں گئے تھے، وہاں میزبان صاحب لے گئے تھے قاری ریاست علی صاحبؒ(۱) سے ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا: ”دونوں اپنے مدرسے ہیں، آپ لوگ دیکھ لیں جہاں اچھا ہو وہاں داخلہ لیں اور محنت کے ساتھ پڑھیں“۔ مفتاح العلوم میں ابھی داخلہ امتحان شروع نہیں ہوا تھا، لہٰذا اس وقت تک چاند پورہ میں قیام رہا، دو چار دن بعد سامان لے کر باضابطہ مدرسہ مفتاح العلوم پہونچ گئے، اس وقت مدرسہ کے پاس ایک کچا کھپریل مکان تھا، اور چار پختہ کمرے مسجد کے جنوب میں مسجد سے متصل تھے، بس اس کے سوا کچھ نہ تھا، پڑھائی شاہی مسجد کٹرہ میں ہوتی تھی، صرف حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی درسگاہ مسجد شاہی سے باہر جانب مشرق میں واقع تھی، جو کچے مکان کے ایک کمرہ میں تھی۔

داخلۂ امتحان شروع ہوا تو ہم دونوں کا امتحان ناظم مدرسہ حضرت مولانا محمد ایوب صاحب نے لیا، میرے امتحان سے خوش ہوئے اور فرمایا: تم اپنے لئے مناسب کتابیں خود تجویز کرلو، بڑے صاحب کے لئے میں خود تجویز کردونگا، یعنی مولوی اظہار الحق صاحب کے لئے جو میرے ساتھ تھے۔

جماعت ہدایہ میں داخلہ

میں نے شرح وقایہ کی جماعت اپنے لئے پسند کی، ناظم صاحب نے فرمایا: جب شرح وقایہ جلد اول پڑھ چکے ہو تو بجائے شرح وقایہ کے ہدایہ کی جماعت میں داخلہ لو، وقت برباد کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ہے، ناظم صاحب نے اس پر روشنی ڈالی، میں نے ان کی بات مان لی اور ہدایہ کی جماعت میں داخلہ لے لیا، اس درجہ میں میں ہدایہ اولین، نور الانوار، قطبی، میر قطبی ہدیہ سعیدیہ اور مقامات حریری تھی، ہدایہ، نور الانوار اور مقامات حریری کے استاذ حضرت مولانا

---

(۱) قاری ریاست علی صاحب مرحوم دار العلوم مئو کے بڑے مدرس تھے اور بعد میں صدر المدرسین ہو گئے تھے۔

محمد یحییٰ صاحبؒ تھے،(۱) اور قطبی، میر قطبی وہدیہ سعیدیہ کے حضرت مولانا شمس الدین صاحبؒ، جن دو اساتذہ کی شہرت پر داخلہ لیا تھا ان میں سے کسی کے پاس مرا کوئی سبق نہیں گیا، یعنی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اور مولانا عبد اللطیف نعمانیؒ (۲) کے یہاں، اس کا دلی افسوس رہا، مگر نظام الاوقات جو طے ہو چکا تھا اس میں ہمیں کوئی دخل نہیں تھا۔

مفتاح العلوم مئو میں اسباق

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی خدمت میں جا کر ان کے گھر کبھی کبھی بیٹھا کرتا تھا، سال بھر اس طرح پڑھتا رہا، سالانہ امتحان کی بڑی تیاری ہوا کرتی تھی، ہدایہ کی جماعت میں مولوی مختار احمد صاحب مئوی لیڈر کی حیثیت رکھتے تھے، ان سے میری دوستی ہو چکی تھی، شعبان سے پہلے اخیر رجب میں مدرسہ میں رہ کر تکرار ومطالعہ کی بات طے پا گئی، کیونکہ سال بھر میرا قیام محلہ چھتر پورہ کی مسجد کے کمرہ میں رہا، وہاں پر قیام بھی ناظم صاحب کے مشورے سے ہی طے پایا تھا، انہوں نے فرمایا: وہیں اطمینان رہے گا، ایک نیچے درجے کا لڑکا دونگا، اس کی جاگیر محلہ میں کرادینا، اور تم مسجد کی امامت کرنا، تاکہ وہ محلہ جو مدرسہ سے نکلا جارہا ہے مفتاح العلوم کے قبضہ میں آجائے، میرے کھانے کا انتظام مدرسہ کے مطبخ ہی میں تھا، اخیر رجب میں رات کا قیام مدرسہ میں شروع ہوگیا اور کتابوں کا تکرار بھی۔

انجمن کا قیام اور قلمی پرچہ

مسجد چھتر پورہ کے کمرہ میں جہاں میرا قیام تھا، ایک انجمن المعات البیان کے نام سے قائم کر رکھی تھی، اس میں ہفتہ وار تقریری پروگرام ہوتا تھا، اور بعد میں قلمی پرچہ بھی مرتب کرتا تھا، جس کا نام ''لمعات'' تھا۔ مختصر یہ کہ اخیر سال میں کافی محنت ہوتی تھی، امتحان تحریری ہوتا تھا،

---

(۱) مفتاح العلوم کے مدرسین میں تھے۔

(۲) مولانا عبد اللطیف صاحبؒ اس زمانہ میں نائب صدر المدرسین تھے، بعد میں مفتاح العلوم کے ناظم بھی ہوئے اور صدر المدرسین بھی، آپ محلہ امام گنج مئو کے رہنے والے تھے، آپ کی پیدائش ۹ رفروری ۱۸۹۸ء ۱۷ ار رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ کو اپنے محلہ میں ہوئی، دار العلوم مئو میں آپ نے ۱۳۴۰ھ میں دورہ کی تکمیل کی، پہلے دار العلوم مئو میں مدرس ہوئے پھر کچھ دنوں سنبھل میں رہے، پھر محرم ۱۳۴۷ھ تا وفات مفتاح العلوم سے وابستہ رہے ۶ رجنوری ۱۹۷۳ء ساڑھے دس بجے رات میں وفات ہوئی

سوالات باہر دوسرے مدارس سے بن کر آیا کرتے تھے، ہم لوگوں نے سالانہ امتحان جم کر دیا، سالانہ امتحان دیکر ۱۳/۱۴/ شعبان ۱۳۶۰ھ کو اپنے وطن دربھنگہ چلا گیا، اور رمضان کی چھٹی گھر پر گزاری۔

جماعت جلالین میں

بعد رمضان وسط شوال میں آیا، تو اب جلالین کی جماعت میں داخلہ ہوا، اس لئے کہ ہم لوگ اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے تھے، اس سال جلالین اور حماسہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی یہاں سلّم، اور میبذی اور مختصر المعانی حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی کے پاس اور مولانا شمس الدین صاحب کے یہاں، اور متنبی اور سبعہ معلقہ مولانا محمد یحییٰ صاحب کے یہاں، قدرتاً دلی خوشی ہوئی کہ اب ان حضرات سے پڑھنے کی نوبت آئی، جن کی شہرت علمی سن کر آتا ہوا تھا۔

اس سال خوب محنت کی گئی، عبارت خوانی میں صحت کا پورا لحاظ تھا اس لئے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے یہاں عبارت اور ترجمہ وغیرہ کا حل کرنا طالب علم کے ذمہ ہوتا تھا، اور ایک زیر، زبر کی غلطی بھی معاف نہیں کی جاتی تھی، ذرا سی غلطی پر صرفی نحوی ترکیب وتحلیل پوچھنا شروع فرما دیا کرتے تھے، میں نے جلالین کے لئے مدارک التنزیل اور اس کی شرح الاکلیل جو شیخ عبدالحق مہاجر مکی کی تھی، پابندی سے دیکھنے کے ساتھ تفسیر خازن بھی مسلسل دیکھا کرتا تھا، مذاہب ائمہ اربعہ کی تفصیل بھی دیکھ کر جانا ضروری ہوتا تھا، یہی حال دیوان حماسہ کے مطالعہ کا تھا، حل لغات شاعروں کے ناموں کا صحیح تلفظ اور دوسری بحثوں کو دیکھنا ہوتا تھا، حضرت الاستاذ کے سامنے عموماً عبارت خوانی میرے ذمہ ہوتی تھی، اس لئے کہ مولانا بہت سخت تھے، جہاں ذرا سی زیر، زبر کی غلطی ہوتی، چھڑی اٹھا لیا کرتے تھے، پہلے ''ہوں'' کہکر چند سکنڈ مہلت دیتے تھے، جن طلبہ کی صرف ونحو کمزور تھی وہ عبارت نہیں پڑھ سکتے تھے۔

چنانچہ جب کبھی دوسرے ساتھی نے عبارت خوانی کی تو صرفی ونحوی غلطی پر پکڑے گئے، اور اس پر مار پڑی، مولانا کے یہاں رعایت اس بات میں بالکل نہیں تھی، کئی دفعہ غلطی پر اسباق پڑھنا بند کر دیا، بڑی خوشامدوں اور عہد وپیان کے بعد پڑھانا شروع کرتے تھے، سہ

ماہی، ششماہی امتحان میں فرمادیا کہ جلالین کے دو صفحے کی نحوی ترکیب کرجاؤ، کردیا خوش ہوگئے ،خاکسار سے اسی لئے خوش رہا کرتے تھے، ترکیب صحیح کردیا کرتا تھا، اس وجہ سے مجھ پر اعتماد بھی ہوگیا تھا، الحمد اللہ میری پٹائی کبھی نہیں ہوئی، البتہ فرمایا کرتے تھے کہ سبھوں کی طرف سے وکیل بنا ہوا ہے، تو خوب اچھی طرح کھا کر آیا کرو، چھتر پورہ میں ایک مولانا یعقوب صاحب تھے، ان کے پاس کافی عربی کتابیں تھیں، وہ طلب پر دے دیا کرتے تھے، ان کی ساری کتابیں آہستہ آہستہ پڑھ گیا اور معلومات میں کافی علمی اضافہ ہوا، پھر مطالعہ کی بدولت میری استعداد ٹھوس ہوتی چلی گئی۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب کے یہاں مختصر المعانی تھی، ان کے یہاں مصیبت یہ تھی کہ عبارت بھی صحیح ہو، اور قرأت بھی تیز ہو، رک رک کر پڑھنا ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں فرماتے تھے، کافی خفا ہوا کرتے تھے، تیز پڑھنا میں نے مولانا کے درس میں سیکھا اور اس کی مشق بھی کی۔

حضرت مولانا اعظمی کیلئے اسٹیشن کی حاضری

اس زمانہ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کا عموماً سفر ہوا کرتا تھا، بلاکر فرماتے کہ فلاں دن رات کی ٹرین سے میری واپسی ہوگی، لالٹین لے کر آجانا، چنانچہ میں اس کی پابندی کرتا، مولوی امیر اللہ کو ساتھ کرلیتا، زیادہ رات ہوتی تو مولانا یہیں محلہ چھتر پورہ کی مسجد میں قیام فرماتے اور صبح میں نماز فجر پڑھ کر گھر جاتے، جب کبھی مولانا کی طبیعت ناساز ہوتی تو میں رات بھر جاگ کر خدمت کرتا تھا، اس لئے مولانا کو بہت انس تھا۔

۱۹۴۲ء میں لیڈری اور ناتجربہ کاری

اس سال کے اخیر میں اگست ۱۹۴۲ء کی "ہندوستان چھوڑو" تحریک شروع ہوگئی، میں اپنی ناتجربہ کاری سے اس تحریک کا لیڈر بن گیا اور گرما گرم تقریریں شروع کردیں، صف اول کے لیڈر پورے ملک میں گرفتار ہوچکے تھے، قیادت طلبہ کے ہاتھوں میں آگئی تھی، بڑا لمبا جلوس نکالا کرتا تھا، جس میں تمام مدارس اور اسکول وکالج کے طلبہ شریک ہوتے تھے، اور شہری عوام وخواص بھی۔

امریکی فوج مئو میں

اس کا نقصان یہ ہوا کہ امریکن فوج برطانیہ کی حمایت میں ہندوستان آئی تو وہ مئو بھی آئی، دس دنوں کے بعد پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی، اس لئے کہ چاروں لائینوں کے ٹیلیفون کے تار کٹوا دیئے گئے تھے، اور یہ کام "رام جیون" ہائی اسکول کے طلبہ کے ذریعہ خاکسار نے ہی کرایا تھا، نومیھا مریا کا مکان بھی کچھ طلبہ نے جلا دیا، اسٹیشن کے کمروں کے شیشے بھی توڑے گئے، گویا میری مرضی کے خلاف ہوا۔

وارنٹ

گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوگیا، مجبوراً مجھے چھپ جانا پڑا، کئی دن فاقے کے گذرے، پھر نثار مرحوم کی مدد سے کھانے کا انتظام ہوا، ٹرینیں بند ہو چکی تھیں، ڈاک خانہ کا نظام بھی ٹوٹ چکا تھا، اس لئے منی آرڈر (روپئے) گھر سے نہیں آرہے تھے، بے سروسامانی کا عجیب عالم تھا، کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو؟ کا مصداق بنا ہوا تھا، اس وقت میری لیڈری کچھ کام نہیں آئی، بلکہ اپنے لئے مصیبت بن گئی، سر چھپانا مشکل ہو رہا تھا۔

مصیبت میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں

دوستوں اور ساتھیوں نے ملنا چلنا چھوڑ دیا تھا، کوئی دوست قرض دینے کے لئے بھی تیار نہ تھا، اللہ تعالیٰ کے سوا سب کٹ گئے تھے، چھتر پورہ محلّہ کی مسجد کے کمرہ میں مقیم تھا اور مسجد کا امام بھی تھا، گیارہ روز ایسے ہی گذرے، جب یہ راز محلہ والوں پر کھلا کہ مجھ پر وارنٹ ہے تو انہوں نے کہا کہ آپ محلہ چھوڑ دیں، آپ کی وجہ سے محلہ پر بھی آنچ آسکتی ہے، مجبوراً گیارہ دنوں کی روپوشی کے بعد سفر کا ارداہ کرنا پڑا، بڑی مشکل سے مئو سے روانہ ہو کر بہادر گنج ضلع غازی پور منشی عبد الباری کے یہاں پہونچا، اس کی تفصیل میرے ایک مقالہ "۱۹۴۲ء کا ایک یادگار سفر" کے نام سے برہان دہلی ۱۹۸۳ء کے نومبر، دسمبر اور جنوری ۱۹۸۴ء کے پرچوں میں شائع ہو چکا ہے، گیارہ دنوں میں جا کر وطن پہونچا، وہاں پہونچ کر بیمار ہوا، پھر صحت ہوئی اور "جان بچی لاکھوں پائے" کا محاورہ مجھ پر صادق آیا۔

وارنٹ کی وجہ سے مئو آنے کی ممانعت

مئو سے حضرت الاستاذ کا خط آیا کہ تمہارے نام وارنٹ ہے، آنے کی ہمت نہ کرنا، جب تک معلوم نہ کرلینا، مضمون یہ تھا:

بعد دُعا تحریر فرمایا:

''مولانا عبداللطیف دو ماہ جیل میں نظر بند رہنے کے بعد آگئے، مدرسہ میں پڑھانے لگے، تمہاری نسبت میرا خیال ہے کہ تم کو توقف کرنا چاہئے، جن دولڑکوں نے تقریر کی تھی ان کے ناموں کی تفتیش ہو رہی تھی، خبر نہیں اب کیا ہو رہا ہے، بہرحال دوبارہ حالات معلوم کر کے آنا ہو تو آنا، یوں نہ چلے آنا''
(مکتوب: ۱۴ نومبر ۱۹۴۲ء از مئو)

ایک دن مرے نہتے بوڑھے ساتھی مولوی زین الدین صاحب نے بھی تقریر کردی تھی۔

روپوشی کا سال

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورا ایک سال روپوشی میں گذرا، وقت گذاری کے لئے میں گودنا (چھپرہ) مدرسہ حمیدیہ میں اپنے سابق استاد حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے پاس آگیا، جہاں اس وقت مجھے کوئی جانتا نہ تھا، اور نہ میں نے مولانا سے کوئی بات بتائی کہ میں حکومت برطانیہ کا مجرم ہوں، یہاں رہ کر میں نے عالم اکزامنیشن بورڈ کی تیاری کی، اور عالم کے امتحان میں شریک ہو کر کامیابی حاصل کی، جس کی سند میرے پاس تھی، یہ بھی ضائع ہوگئی۔

وارنٹ کی منسوخی

پورے ایک سال بعد حضرت مولانا اعظمیؒ کا گرامی نامہ آیا کہ اب وارنٹ مسنوخ ہو چکا ہے آسکتے ہو، انشاء اللہ کوئی خطرہ نہیں، میں نے گھر والوں اور مقامی اساتذہ سے مشورہ کیا، سبھوں کی رائے ہوئی کہ مئو مفتاح العلوم جا کر دورۂ حدیث کرلو، اس وقت تمہارے لئے یہی مناسب ہے، حضرت مدنی نینی تال جیل میں تھے، اس لئے دیوبند کا کسی نے مشورہ نہیں دیا۔

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ٹکٹ لیا اور مئو کے لئے روانہ ہو گیا، اندرونی خوف اب بھی کبھی

کبھی گھبراہٹ میں ڈالتا تھا، مگر مئو پہونچ کر الحمد للہ سارا خوف جاتا رہا۔

دورۂ حدیث

اور میں داخلہ لے کر دورہ حدیث میں شریک ہوگیا، اس سال مفتاح العلوم کے اس درجہ میں ۲۵ رلڑکے تھے، مولوی مصطفےٰ مئوی بھی شریک دورہ رہے، یہ سال بڑا مصروف سال گذرا، چار اسباق روزانہ پابندی سے ہوا کرتے تھے، بخاری شریف اور ترمذی شریف حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ۔ (۱) کے یہاں ہوتی تھی، اور ابوداؤد شریف اور مسلم شریف حضرت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ کے پاس، مطالعہ کا پورا اہتمام کرتا تھا، اس سال مسلم کی شرح نووی بڑی پابندی سے دیکھا کرتا تھا، دوسری کوئی کتاب پاس نہیں تھی۔

سال گذشتہ کی تلافی کا بھی خیال دامن گیر تھا اس لئے محنت دوچند کی گئی، پہلے عرض کرچکا ہوں کہ مولانا اعظمی کے یہاں عبارت خوانی ہر طالب علم کے بس کی بات نہیں تھی، وہ میرے حصہ میں آگئی تھی، کبھی کبھی کوئی اور ساتھی بھی عبارت خوانی کرلیا کرتے تھے، مگر بہت کم، بہت ڈرتے اور خوف کھاتے ہوئے۔

سیاست سے کنارہ کشی

سیاسی لیڈری سے تقریباً اب کلیتاً کنارہ کش ہو چکا تھا، تقریریں بند ہوگئی تھیں، اب قلم اٹھالیا تھا اور فرصت کے اوقات میں علمی مضامین لکھا کرتا تھا، اس سال کافی مضامین لکھے گئے، ایک پرچہ "حریت" کے نام سے لکھوایا گیا اور دوسرا "لمعات" کے نام سے، اس طرح تین چار پرچے مرتب ہو کر ساتھیوں کے ہاتھوں میں پہونچے، افسوس یہ ہے کہ سارے قلمی پرچے دارالعلوم دیوبند کے انقلاب میں لٹ گئے، جس کا زندگی بھر افسوس رہے گا۔

---

(۱) امیر الہند محدث جلیل حضرت مولانا اعظمی، محلہ پٹھان ٹولہ مئو میں ۱۳۱۹ھ، ۱۹۰۱ء کو پیدا ہوئے، وہیں نشو ونما ہوئی، تعلیم وتربیت بھی مئو ہی ہوئی، بہت ساری عربی کتابیں حضرت مولانا عبدالغفار مئوی سے پڑھی، جو حضرت گنگوہی کے تلمیذ رشید تھے، ۱۳۳۷ھ میں دیوبند آئے اور دورۂ حدیث میں داخلہ لیا، دیوبند میں بیماری کی وجہ گھر تشریف لے گئے پھر دوسرے سال آکر دورۂ حدیث پڑھا، مگر دوسرے سال بھی اخیر میں وطن واپس ہوئے اور تکمیل وہیں دارالعلوم مئو میں حضرت مولانا کریم بخش کے یہاں ہوئی، ۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۷ر مارچ ۱۹۸۲ء کو اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

مفتاح العلوم مئو سے فراغت

اللہ اللہ کر کے دورۂ حدیث کا یہ سال اختتام کو پہونچا، ختم سال پر کس قدر مسرت ہوئی اندازہ سے باہر ہے، خوب مٹھائیاں تقسیم ہوئیں، ۱۱رشعبان ۱۳۶۳ھ مطابق یکم اگسٹ ۱۹۴۴ء کو سالانہ امتحان ختم ہوا، پندرہ سال کا تھکا ماندہ مسافر منزل پر پہونچا، سال بھر میں یاد نہیں کہ کبھی پوری نیند سونے کی مہلت ملی ہو، سوچا گیا کہ اس کی تلافی کا وقت اب آیا ہے، انشاء اللہ خوب آرام کیا جائے گا اور خوب سیر وتفریح میں وقت گذارا جائے گا۔

مستقبل کی فکر

مگر امتحان کے معا بعد یہ خیال ذہن میں گردش کرنے لگا کہ اب کیا کرنا ہوگا؟ ایک نئی فکر دامن گیر ہوئی، میں نے کبھی حیات شبلی پڑھی تھی اس وقت سے خیال تھا کہ کچھ دنوں دارالمصنفین اعظم گڈھ میں رہ کر مطالعہ وکتب بینی اور تصنیف وتالیف سے مناسبت پیدا کی جائیگی، لیکن راستہ کیا ہو؟ اس کے لئے حضرت الاستاذ مولانا اعظمی کا سہارا لیا گیا۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ

میں برابر حضرت کی خدمت میں جایا کرتا تھا، ایک دن ڈرتے ڈرتے میں نے عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی صورت ہوتی کہ مجھے کم از کم ایک سال دارالمصنفین میں رہنے کا موقع مل جاتا، فرمانے لگے کہ مرا تجربہ یہ ہے کہ غیر ندوی کو یہ لوگ نہیں رکھتے ہیں، یوں کبھی میں اعظم گڑھ گیا اور موقع ہوا تو سید صاحب سے معلوم کرونگا۔

مفتاح العلوم میں چھٹی ہو جانے کے باوجود میں وطن نہیں گیا، اسی عرصہ میں حضرت مولانا اعظم گڑھ کسی علمی کام سے تشریف لے گئے، واپسی پر بیان فرمایا کہ سید صاحب (سید سلیمان ندوی صاحبؒ) نے پوچھا کہ آپ کوئی ایسا طالب علم دے سکتے ہیں جس کو فقہ کے لئے تیار کے جا سکے، تمہاری بات میرے ذہن میں تھی، میں نے جواب دیا بہار کا ایک طالب علم آپ کے ادارہ میں رہنے کا خواہش مند ہے، آپ اس کو رکھ سکتے ہیں، پھر سوال کیا کہ اس کی صرف ونحو کیسی ہے، استعداد پختہ ہے یا نہیں میں نے اطمینان دلایا کہ وہ ہر طرح اچھا ہے اور

میں اس کو آپ کی خدمت میں بھیج دونگا، اچھا یہ ہے کہ خود اندازہ لگا لیں گے پھر فیصلہ میں آپ کو آسانی رہے گی، اس پر گفتگو ختم ہوگئی، اس لئے تم جا کر مل لو، گو مجھے پھر بھی توقع نہیں ہے، دو چار دنوں کے بعد میں نے استاذ محترم سے عرض کیا کل میرا ادارہ اعظم گڑھ جانے کا ہے، فرمایا: مجھ سے خط لے لینا۔

اعظم گڑھ حاضری

دوسرے دن خط لے کر میں اعظم گڑھ پہونچا، وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ سید صاحب آج ہی جونپور گئے ہیں، تیسرے دن واپسی ہے، میں نے واپسی کا ارادہ کرلیا تھا، مگر مولانا محمد اویس ندوی نگرامی (۱) نے جو وہیں سید صاحب کے زیر تربیت تھے، مجھے روک لیا، اور کہنے لگے آپ میرے مہمان بن کر رہیں جانے آنے میں زحمت ہے، میں ٹھہر گیا، مولانا نگرامی نے بڑی محبت کے ساتھ مہمان بنا کر رکھا اور حضرت سید صاحب کے مزاج کے متعلق بتایا کہ ان سے کس طرح ملنا ہوگا اور گفتگو کا کیا انداز ہوگا، چوبیس گھنٹے ان کا مہمان رہا، تیسرے دن حضرت سید صاحب جونپور سے تشریف لے آئے، یہ کوئی دس بجے دن کا وقت تھا، اپنے زنانہ کوارٹر میں گئے اور آدھے گھنٹے کے بعد دارالمصنفین کے دفتر میں آکر اپنے کمرہ میں ڈاک دیکھنے لگے، ذرا اطمینان ہوا تو مولانا نگرامی نے فرمایا: اب جا کر ملو، تو میں نے جا کر ادب کے ساتھ سلام کیا اور جیب سے حضرت مولانا کا گرامی نامہ نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا، حضرت نے فرمایا: آپ سامنے کی کرسی پر بیٹھ جائیں، پھر فرمایا: یہ خط حضرت مولانا اعظمی نے دیا ہوگا؟ جواب میں عرض کیا جی ہاں، حضرت سید صاحب اپنی ڈاک کا جواب لکھ رہے تھے، کسی خط میں شب برات کی حدیث کے متعلق پوچھا گیا تھا، مجھے مخاطب کر کے فرمایا: دیکھئے سامنے الماری سے مشکوٰۃ نکالئے اور شب برات سے متعلق حدیث نکال کر لائیے، کتاب لے کر اور حدیث نکال کر میں نے کتاب کھول کر سامنے رکھ دی، پھر کسی راوی کے متعلق سوال تھا، فرمایا: دیکھئے وہ اسماء الرجال کی الماری ہے، اس میں سے فلاں کتاب نکالیں اور نام لے کر فرمایا: فلاں راوی کے حالات نکالیں، وہ بھی میں نے نکال کر سامنے کردی، سید صاحب اب تک جواب لکھ رہے

---

(۱) مولانا محمد اویس نگرامی شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو

تھے، جب فارغ ہوئے تو خط پڑھا اور مولانا اعظمی کے حالات دریافت فرمایا، اس کے بعد میری طرف خصوصی توجہ فرمائی اور سوال کیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں نے اپنا مدعا بیان کیا کہ آپ کی خدمت میں یہاں ایک سال رہنا چاہتا ہوں۔

سید صاحب کے سوالات

فرمانے لگے: بھائی میں بوڑھا ہو چکا ہوں، اپنے تجربہ کی روشنی میں یقین دلاتا ہوں کہ یہاں دنیا نہیں مل سکے گی، جس کی طلب عام طور پر ہوتی ہے، باقی دین طلبی تو ماشاء اللہ عالم دین بن چکے ہیں، اس کا تعلق عمل سے ہے، وہ تو آپ کی محنت واخلاص پر ہے، یہاں مرے پاس رہ کر زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ دو چار کتابوں کے مصنف بن جائیں گے، مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔

اس مسئلہ پر کچھ دیر بولتے رہے، خلاصہ یہ کہ یہاں نہ دنیا ہے اور نہ آخرت، جس کا مدار عمل خالص پر ہے، اور اس کے لئے جتنا آپ نے پڑھ لیا ہے وہی کافی ہے، مزید وقت صرف کرنے کا کیا فائدہ؟ سوچ لیں اور پھر فیصلہ کریں۔ میں اس وقت طالب علم تھا، ذہن بہت کام کرتا تھا، حاضر جوابی کی عادت تھی، حضرت سید صاحب (۱) بول کر میری طرف سوالیہ نشان سے دیکھنے لگے، میں نے خاموش رہنا مناسب نہیں جانا، عرض کیا حضرت اقدس! واقعہ یہ ہے کہ اس وقت نہ مجھے دولت اور شہرت کی خواہش ہے اور نہ ولی کامل بننے کا ارادہ، میں تو یہ تمنا لے کر حاضر ہوا ہوں کہ عمر کا ایک حصہ میں نے پڑھنے میں صرف کیا ہے، مگر جسے علمی رسوخ کہتے ہیں مجھے حاصل نہیں ہوا ہے، اور نہ اپنے علم پر پورا اعتماد ہے، چاہتا ہوں کہ رسوخ فی العلم کا کوئی گوشہ میرے اندر بھی پیدا ہو جائے، میرے اس فوری جواب پر حضرت سید صاحب دفعۃً خاموش ہوگئے، فرمایا آپ سے بعد ظہر ملاقات ہوگی، یہ بھی پوچھا کہ اس وقت آپ کا قیام کہاں ہے؟ عرض کیا کہ میں مولانا نگرامی کا مہمان ہوں، فرمایا بہت اچھا جائیں کھانا کھائیں اور آرام کریں۔

(۱) حضرت العلامہ سید سلیمان ندویؒ کی ولادت ۲۲/نومبر ۱۸۸۴ء مطابق صفر ۱۳۰۲ھ کو دیسنہ ضلع پٹنہ (بہار) میں، ہوئی ابتدائی اپنی وطن میں حاصل کی، تکمیل دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں ہوئی۔

یہاں مولانا محمد اویس صاحب نگرامی، میرے انتظار میں اپنے دفتری کمرہ میں بیٹھے ہوئے تھے، میں وہاں سے نکل کران کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھ کر مسکرائے، فرمایا: کہئے سید صاحب سے ملاقات ہوئی، کیاباتیں ہوئیں؟ میں نے پوری گفتگو دھرائی کہ اس طرح حضرت نے فرمایااور میں نے یہ جواب دیا، سن کر محظوظ ہوئے، کہنے لگے اچھی بات آپ نے کہی۔

سید صاحب کا فیصلہ

بعد ظہر جب حضرت سید صاحب دفتر میں تشریف لائے تو میں دوبارہ ملنے گیا، ارادہ تھا کہ کوئی بات طے ہوجائے تو مئو واپس ہوجاؤں، وہاں مئو میں حضرت الاستاذ انتظار میں ہونگے کہ اس کو کیوں دیر لگی، علیک سلیک کے بعد پھر سید صاحب نے لب ولہجہ بدل کر تقریبا وہی باتیں دھرائیں جو پہلے فرما چکے تھے، میں نے ذرا تیز لہجہ میں عرض کیا حضرت میں آخری بات کہہ چکا کہ مجھے اس وقت نہ دنیا سے غرض ہے نہ آخرت سے، میں اعتماد فی العلم کی طلب میں حاضر ہوا ہوں، فرمانے لگے مولوی صاحب آپ کو غصہ آگیا، شرمندہ ہوکر عرض کیا حضرت بالکل نہیں، فرمایا ایک سال آپ کو ندوہ میں رہنا ہوگا، عرض کیا جو حکم ہوگا بجالاؤنگا، فرمایا درخواست لکھ کر دے جائیں۔

درخواست برائے داخلہ ندوۃ

مولانا اویس صاحب کو جاکر یہ گفتگو سنائی، کہنے لگے آج رات رک جائیں، کل صبح درخواست دے کر جائیں، عجلت سے کام نہیں ہوتا ہے، میں رک گیا، رات دارالمصنفین میں گذاری، صبح ہوئی تو بعد نماز میں نے درخواست لکھی، مولانا ابوالعرفان بھی ان دنوں اعظم گڈھ میں ہی سید صاحب کی زیر تربیت تھے، مولانا اویس نے فرمایاان سے مل کر درخواست کا مسودہ تیار کرلیں، چنانچہ میں نے درخواست لکھی، مولانا ابوالعرفان نے اس میں معمولی ردو بدل کیا، اسے صاف کرکے اور لے کر بعد ناشتہ حضرت سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست پیش کردی، پڑھ کر میرا ایک جملہ دھرایا ''تاکہ خدمت دین وملت کے لائق ہوسکوں'' فرمایا مولوی صاحب لیڈری کا مرض عام ہے، دل کی بات زبان قلم پر آکر ہی رہی،

میں نے عرض کیا یہ جملہ حذف کردوں، فرمایا! نہیں رہنے دیں، لیکن پہلے اپنے کو بنانے اور سنوارنے کا جذبہ پیدا کیجئے، جب آدمی میں صلاحیت آجاتی ہے تو خواہ مخواہ لوگ اس سے استفادہ کی سعی کرتے ہیں، کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، گلاب کا پھول دیکھا ہے، اس میں بھینی بھینی خوشبو بھی ہوتی ہے اور رنگ وروپ بھی دل آویز ہوتا ہے، وہ کسی سے نہیں کہتا ہے کہ مجھ سے اپنی مجلس کو زینت دویا اپنے گلے کا ہار بناؤ، لوگ اس کی خوشبو اور رنگ دیکھ کر اس کو لے جانے پر خود مجبور ہوتے ہیں۔ اس کے بعد سلام کر کے وہاں سے اٹھ آیا، مولانا نگرامی اور مولانا ابوالعرفان (۱) سے ملا اور اجازت لے کر اسٹیشن چل دیا، ریل پر بیٹھ کر مئو دوپہر میں آگیا۔

اعظم گڑھ سے واپسی

بعد ظہر حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری داستان سنائی، فرمایا: میں نے کہا تھا کہ غیر ندوی کو قبول نہیں کرتے، ایک دن ہنس کر مولانا نے فرمایا کہ ایک سال ندوہ میں رہو گے اور نام کے ساتھ ندوی لکھنا شروع کردو گے، حالانکہ چار سال پڑھایا ہم نے، اور استعداد فراہم یہاں ہوئی، پھر خود ہی فرمانے لگے کیا کیا جائے ہمارے یہاں ہونہار طلبہ کے لئے تربیت کا کوئی انتظام نہیں ہے، یہ بڑی کمی ہے۔ اس کے دو تین دن بعد میں نے گھر جانے کا پروگرام بنالیا، تاکہ رمضان وطن میں گذرے، چنانچہ پروگرام کے مطابق رخصت ہو کر مئو سے وطن آگیا۔

بیماری میں مبتلا

خدا کی قدرت یہ سال آزمائش کا ثابت ہوا، اخیر رمضان سے مرض مہلک حدت خون میں مبتلا ہو گیا، خون میں حدت آگئی تھی تمام بدن میں سرخ دانے نکل آئے، اندر سے بدن کھوکھلا ہو گیا، شروع میں حکیم لطیف الرحمٰن صاحب کے مشورے سے یونانی علاج کیا، جس سے پورا بدن سرخ دانوں سے بری طرح بھر گیا، مگر اس سے کوئی خاص تکلیف نہیں تھی، البتہ

---

(۱) مولانا ابوالعرفان ندوی ابن مولانا دین محمد پسری جونپور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وہیں اپنے والد سے حاصل کی، پھر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور دارالعلوم میں متوسط کی کتابیں پڑھیں، تکمیل آپ کی دارالعلوم ندوۃ لکھنؤ میں ہوئی، عمر کا اکثر حصہ ندوہ کی مدرسی میں گذری، وہاں مہتمم بھی رہے، ۷؍نومبر ۱۹۸۸ء کی رات میں ندوہ میں وفات پائی، ندوہ کے بڑے اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

بدنمائی اور کمزوری بہت بڑھ گئی، پھر ایک ماسٹر غیر مسلم کی طرف رجوع کیا، وہ جڑی بوٹی سے اس طرح کے مرض کا علاج کرتے تھے، دو تین ماہ ان کے زیر علاج رہا، اللہ تعالیٰ نے اس مرض سے نجات بخشی، مگر بالکل لاغر اور کمزور ہو گیا، اعصاب ہل گئے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ندوہ کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا، شوال گذرا، ذی قعدہ گیا، ذی الحجہ آ گیا ابھی تک سفر کے قابل نہ ہو سکا، بعد بقرعید بھی سفر سے معذور رہا، حضرت سید صاحب کو اپنی پریشانی کا حال لکھ کر بھیج دیا، انہی حالات سے گذر رہا تھا کہ حضرت سید صاحب کا مکتوب گرامی موصول ہوا انہوں نے یاد رکھا، بڑوں کی محبت اور توجہ بھی کیا چیز ہوتی ہے تحریر فرمایا:

سید صاحب کا مکتوب

''مولانا (حبیب الرحمٰن صاحب) کا نہ کوئی خط آیا نہ ملاقات ہوئی، نہ آپ نے اپنے اسانید وغیرہ بھیجے اور وقت بھی زیادہ گذر گیا، اور تعلیم کا سہ ماہی امتحان بھی گذر چکا، آپ بالفعل مولانا کی خدمت میں آ جائیں۔ آپ مئو میں کتنے روپے میں کام ماہانہ چلالیں گے''۔

سید سلیمان

۱۴/دسمبر ۱۹۴۴ء/۲۴/ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

حضرت سید صاحب کا یہ خط پڑھ کر خوشی ہوئی کہ ایک بے مایہ طالب العلم سے شفقت ومحبت کا یہ حال ہے، جن سے سوائے ایک دفعہ ملاقات کے کبھی کوئی آمد و رفت نہیں تھی، رشتہ داری نہیں، اور استاذی، شاگردی کا بھی نہیں، مگر مری مجبوری پر ایسا ترس آ رہا ہے، داخلہ کا وقت ندوہ میں نہیں رہا ہے تو کل اخراجات برداشت کرنے پر آمادہ ہیں اور مشورہ دے رہے ہیں کہ یہ سال اپنے استاذ کی خدمت میں گذار دیں، آئندہ سال داخلہ ہوگا، خرچ کی فکر نہ کریں، وہ میرے ذمہ ہے آپ اندازے سے لکھیں ماہانہ کیا خرچ آئیگا؟

اب یہ شفقت ومحبت کہاں باقی رہی، ایک اجنبی عالم دین، علامہ وقت اور ہند و بیرون ہند کا مسلم مؤرخ اسلام، ایک دیہاتی طالب العلم کے حق میں ایسا شفیق، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے حضرت کے دل میں ایسی محبت پیدا کر دی۔

استاذ محترم کا مکتوب

ابھی سید صاحب کو جواب نہیں لکھا تھا، سوچ ہی رہا تھا کہ تیسرے دن حضرت الاستاذ کا گرامی نامہ موصول ہوا، بعد سلام مسنون تحریر فرمایا:-

''دُعاء عافیت کے بعد معلوم ہو کہ رمضان سے لیکر اب تک ایسی الجھنوں میں تھا کہ تم کو بلا واسطہ خط لکھنے کی نوبت نہیں آئی، بہر حال اب غور وفکر کے بعد تمہارے حق میں میں نے یہی بہتر خیال کیا کہ چند دنوں یہیں مدرسہ میں رہو، مدرسہ سے کھانے کے علاوہ کچھ وظیفہ بھی مقرر کر دیا جائیگا، فتوی نویسی یا تدریس جس کا تم کو شوق ہو اس کی مشق ہم لوگوں کی زیر نگرانی کرو، اس کے بعد دیکھا جائیگا، لہٰذا اگر صحت ہو گئی ہو تو جلد آ جاؤ، میں نے اس سال کمیٹی میں اپنی تجویز رکھ کر پاس کرالی ہے، کہ مدرسہ میں اپنے یہاں کے فارغ التحصیل دو تین لڑکوں کو مختلف شعبوں میں رکھ کران سے مختلف چیزوں میں مشق کرائی جائے، اگر تمہارے آنے میں دیر ہو تو فوراً مطلع کرو، اور اندازے سے اپنے آنے کی تاریخ بتاؤ۔''

۲۶/ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ / ۱۳/دسمبر ۴۴ء حبیب الرحمٰن الاعظمی

اس خط کے بعد سارا مسئلہ حل تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل وکرم فرمایا اور خاکسار کے لئے ایک اچھی راہ پیدا فرمادی، اپنا مدرسہ اور اپنی مادر علمی میں یہ بڑا اعزاز تھا، جو حصہ میں آیا، اور پہلا نام اس سلسلہ میں اس حقیر کا آیا، میں بار باران دونوں خطوں کو پڑھتا تھا اور رحمت خداوندی پر شکر گذار تھا، کہ غیب سے یہ ایک بیمار اور مایوس طالب علم کی دلدہی کا کتنا عظیم انتظام ہوا ہے ایک طرف سید صاحب جو ندوۃ العلماء لکھنو اور دارالمصنفین کے سب کچھ تھے، ان کا محبت نامہ اور مشورہ اور دوسری طرف اپنے شفیق استاذ اپنی مادر علمی کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کا شفقت نامہ اور ہدایت نامہ۔

بیماری کی تکلیف قدرۃ خوشی میں گم ہو گئی اور صحت کی رفتار تیز ہو گئی، حضرت الاستاذؒ کے جواب میں لکھا کہ انشاء اللہ وسط محرم تک حاضر ہو جاؤنگا، اللہ تعالیٰ کی ذات سے توقع ہے کہ وہ

اس لائق کردیگا، بیماری تقریباً ختم ہو چکی ہے، البتہ اس کی لائی ہوئی کمزوری باقی ہے، اس کے لئے دوائیں استعمال میں ہیں اور غذائیں بھی۔

نیا انقلاب

اللہ تعالیٰ نے صحت دی، چنانچہ میں ۱۳ر محرم کو چل کر ۱۴ر محرم ۱۳۶۴ھ کو مئو پہونچ گیا، کمزوری ضرور تھی مگر بیماری ختم ہو چکی تھی، وہاں پہونچنے پر معلوم ہوا کہ مفتاح العلوم کے حالات میں ایک نیا انقلاب آچکا ہے، دیوبند سے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ اور حکیم الاسلام حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تھے، اور مفتاح العلوم کی شوریٰ سے طے کرالیا ہے کہ مولانا اعظمی دیوبند صدر مفتی کے عہدہ پر جاسکتے ہیں، یہ سن کر زمین میرے پاؤں سے نکلنے لگی، میں تو اس امید پر آیا تھا کہ حضرت کی زیر تربیت فتویٰ نویسی اور تدریس کی مشق شروع ہوگی، یہاں تو یہ شور ہے کہ حضرت دیوبند جارہے ہیں، دماغ کو چوٹ لگی مگر چارہ کار ہی کیا تھا۔

سامان مدرسہ میں رکھا، اپنے کو قابو میں لانے کی سعی کی، پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، فرمانے لگے تم نے سن لیا ہوگا کہ میں مئو چھوڑ رہا ہوں، میں نے تم کو اپنی ذمہ داری پر بلایا تھا، اب بتاؤ کیا رائے ہے؟ جیسا کہو ویسا انتظام سوچا جائے، میں نے عرض کیا: حضرت میں جب آگیا ہوں تو میرا انتظام سردست یہیں مدرسہ میں فرمادیں تاکہ کام پر لگ جاؤں، بعد میں دیکھا جائیگا، چنانچہ مجھے ساتھ لے کر مفتاح العلوم پہونچے، مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی سے جو اس وقت قائم مقام صدر مدرس تھے فرمایا ظفیر آگیا ہے اب آپ اس کا انتظام کردیں، انہوں نے فرمایا: بہت اچھا، جب میں مولانا نعمانی سے تنہائی میں ملا تو فرمانے لگے بڑے اچھے موقع سے تم آگئے ہو، ایک مدرس کی سخت ضرورت تھی، اس لئے کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے بھی علیحدگی اختیار کرلی ہے، حضرت مولانا اعظمیؒ دیوبند جارہے ہیں، لہٰذا کچھ اسباق تمہارے سپرد کئے جائیں گے، محنت کرکے پڑھانا، فتویٰ کا کام اب تک مولانا سے متعلق تھا اب اس کی ذمہ داری بھی مجھ پر آگئی ہے، ایسا ہوگا کہ ڈاک اور سوالات تمہارے پاس بھیج دیئے جائیں گے، تم جواب لکھ کر پہلے مجھے دکھادیا کرنا، پھر میری اصلاح کے بعد مستفتی کو بھیج

دیا، جب تک مولانا یہاں رہیں بہتر ہوگا کہ انہی کو دیکھا دیا کرنا، بہرحال یہ کام تمہارے ذمہ رہے گا۔

مادر علمی مفتاح العلوم میں مدرسی

دوسرے تیسرے دن حضرت مولانا نعمانی کے حکم سے ابتدائی درجہ کے چند اسباق میری طرف کردیئے گئے، جیسے شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، قدوری، کافیہ اور القراۃ الرشیدہ (مصری) اور اس کے ساتھ مفتاح القواعد بھی، میں نے اسباق شروع کرادیئے، محنت سے پڑھانے لگا، یہ میری مدرسی کا آغاز تھا، قدرت کی رحمت کاملہ کا یہ نزول کہ ایک طالب العلم اپنے مدرسہ میں استاذ بنادیا گیا ہے۔

چند دن بعد حضرت مولانا اعظمیؒ کی خدمت میں پہونچا اور میں نے اس کی تفصیل بتائی، فرمایا کھانے کا بھی نظم کیا گیا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا ابھی ہوٹل میں کھاتا ہوں کھانا جاری نہیں ہوسکا ہے، مولانا اعظمیؒ نے پھر مولانا نعمان کو توجہ دلائی، انہوں نے ناظم مدرسہ مولانا ایوب صاحب سے کہا یہ کیا تماشہ ہے! آپ نے اس غریب کا کھانا جاری نہیں کیا، فوراً حکم دیں، ناظم صاحب نے فوراً کھانا مطبخ سے جاری کردیا، قیام مسجد چھتر پور کے سابق کمرہ ہی میں رہا، وہاں یکسوئی تھی اور مطالعۂ کتب میں سہولت بھی۔

طلبہ میری تعلیم وتدریس سے ماشاء اللہ خوش ہوئے، فتویٰ نویسی کے کام بھی شروع ہوگیا مجھے اس طرف سے کافی اطمینان ہوگیا، ایک ماہ بعد ناظم صاحب نے بیس روپے ماہانہ وظیفہ بھی مجلس سے طے کرادیا، یہ میری نجی ضروریات کے لئے کافی تھا۔

حضرت مولانا کے مئو چھوڑنے کا مدرسہ اور اہل شہر پر اثر

ادھر مولانا کے مئو سے روانہ ہوتے ہی اہل شہر میں ہل چل مچ گئی کہ یہ کیا ہوا، مدرسہ کے طلبہ بھی سخت ملول خاطر ہوئے، اور مدرسہ چھوڑنے کا ارادہ کرنے لگے، شہر میں جلسے شروع ہوگئے کہ جیسے بھی ہو مولانا کو واپس بلایا جائے ورنہ مفتاح العلوم کو سخت نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے، اہل شوریٰ نے فیصلہ صحیح نہیں کیا ____

جلسۂ دستار بندی

میں سب سنتا رہا، دیکھتا رہا، اور اپنے کام میں ہمہ تن مصروف رہا، اسی زمانہ میں دستار بندی کا جلسہ کرنا بھی طے ہو چکا تھا، صفر میں اس کی تاریخ قریب آ گئی، اس وقت مولانا بمبئی میں تھے، اہل شہر کی طرف سے دیوبند تار دیئے گئے اور بمبئی بھی، اور یہ تجویزیں بھیجی گئیں کہ مولانا کو مئو واپس کر دیا جائے، اس کے بغیر مفتاح العلوم نہیں چل سکے گا، یہاں کافی ہنگامہ ہے، اسی کے ساتھ مولانا اعظمی کو بمبئی تار دیا گیا کہ جلسہ دستار بندی میں آپ کی شرکت ضروری ہے، غالباً جلسہ کے پہلے دن یا دوسرے دن مولانا مئو تشریف لائے، مئو اسٹیشن پر اہل شہر اور ارباب مدرسہ نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور جلوس کے ساتھ جلسہ گاہ لائے گئے، یہ جلسہ جامع شاہی کے شمالی جانب میں ہوا تھا، پنڈال اسی میں بنایا گیا تھا، جہاں آج پانی کی ٹنکی وغیرہ ہے، اس وقت یہ ٹنکی نہیں بنی تھی، ساری جگہیں خالی تھیں۔

خاکسار کی دستار بندی

اس جلسہ میں ملک کے مشہور علماء بلائے گئے تھے، اس میں میری بھی آدھے گھنٹے کی تقریر ہوئی تھی، اور اسی جلسہ میں میری دستار بندی، دوسرے فارغین کے ساتھ ہوئی تھی، میری دستار مولانا فخر الدین صاحب شیخ الحدیث شاہی مراد آباد، حضرت الاستاذ مولانا اعظمی اور حضرت الاستاذ مولانا نعمانیؒ نے باندھی تھی، یہ میرے لئے بڑے فخر کی بات تھی اور اطمینان قلب کی بھی، افسوس میری یہ دستار دار العلوم دیوبند کے انقلاب میں جاتی رہی۔

حضرت الاستاذ کی علیحدگی

حضرت مولانا اعظمی بمبئی سے واپس بلائے جانے کی وجہ سے آ تو گئے، مگر مفتاح العلوم میں پڑھانا پسند نہیں کیا، انہیں یہ اعتراض تھا یا تو اہل شوری کو میرے دیوبند جانے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہئے تھا، اور جب فیصلہ کر دیا تھا تو فوراً ہنگامہ کرا کے واپس بلایا نہ گیا ہوتا، لوگ کیا سمجھیں گے؟ اور اہل دیوبند کیا سوچیں گے؟ میرا حال یہ تھا کہ ایک ادنی مدرس کی حیثیت سے سابق مدرسہ میں خدمت تدریس وافتاء انجام دیتا رہا اور پورا سال خیر و خوبی سے گذار دیا، کوئی

بات پیش نہیں آئی، اخیر سال میں طلبہ کا ہنگامہ ہوا، مولانا نعمانی نے مجھ سے فرمایا کہ تم بحیثیت نگراں دارالاقامہ کی رپورٹ دو، اس کی حقیقت کیا ہے؟ مری تحقیق میں تین جوابات آئے، لکھ کر مولانا کو دیدی، اس میں ناظم صاحب کے حامی طلبہ کا نام مجرم کی حیثیت سے آگیا، مجھے تجربہ نہیں تھا اور نہ تحقیقی طور پر معلوم تھا کہ فلاں ناظم صاحب کا حامی ہے، یہ بات ناظم صاحب کے علم میں جب آئی تو وہ میرے سخت مخالف ہوگئے، ان کو پہلے صرف یہی اختلاف تھا کہ جب مولانا اعظمی کا مدرسہ سے تعلق نہیں رہا تو وہ وہاں کیوں جاتا ہے، دوسروں نے درمیان سال میں مجھ سے یہ کہا بھی، میں نے صفائی سے کہا کہ مجھے تو مولانا نے ہی بلایا تھا، پھر افتاء میں ان کا مشورہ ضروری ہوتا ہے اور اس کی اجازت بلکہ حکم مولانا نعمانی نے دے رکھا ہے، اس لئے جانا پڑتا ہے۔ پھر سید صاحب کا خط تاخیر سے آیا تحریر فرمایا :

مکرم!

السلام علیکم

میں تین ماہ کے بعد مدراس، بمبئی، حیدرآباد کے سفر سے اب واپس آیا ہوں، معلوم نہیں کہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب آج کل کہاں ہیں، آپ تدریس کی خدمت سے گھبرائیں نہیں، بڑی ضروری چیز ہے، اور بڑے فوائد پر مشتمل ہے، انشاء اللہ آپ کی طلب جاری رہی تو کامیابی ضروری ہوگی، مضطرب نہ ہوں، مطالعہ اور تدریس جاری رکھیں۔ مولانا آج کل کہاں ہیں اور کیا کررہے ہیں، اس کی اطلاع ضرور دیجئے۔

والسلام۔

۲/ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ

سید سلیمان

اس کے بعد دوسرے خط میں تحریر فرمایا :

عزیز مکرم!

زاد توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خوشی ہوئی کہ آپ کو مری باتوں سے تشفی ہوئی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اخلاص عمل کے ساتھ علم نافع عطا فرمائیں —— اس وقت جو کتابیں

آپ پڑھا رہے ہیں، ان کو آگے کی ترقی کی زینہ سمجھئے، چھوٹا یا بڑا جو فن بھی ہو، اس کو فن کی حیثیت سے پڑھایئے، کتاب کی حیثیت ثانوی اور فن کی حیثیت اولیٰ ہو، اگر یہ مختصر فقرہ سمجھ میں نہ آئے تو کسی فرصت میں آ کر سمجھ لیجئے ـــــــ مبسوط اچھی کتاب ہے اور محققانہ ہے، مگر فتویٰ نویسی اور جزئیات کی نگاہ کیلئے شامی اور بدائع الصنائع مناسب ہیں۔
مدرس کو چاہئے کہ کتاب کے لفظوں کو چھوڑ کر نفس مسئلہ کی تقریر پہلے اپنے ذہن میں کرے، پھر اسی کو کم سے کم عبارت لیکن واضح سے واضح تعبیر میں ادا کرے، پھر طلبہ کو لفظ سے سمجھادے، تعبیر میں وضوح معنی کا خیال رکھے، کتاب کی قید لفظی میں نہ رہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی خدمت میں سلام مسنون کہہ دیجئے اور یہ کہ جلد از جلد کسی دن تکلیف یہاں آنے کی فرمائیں تو عین نوازش ہو۔ مری صحت اچھی نہیں، مری صحت ظاہری و باطنی کے لئے دعاء کیجئے۔

والسلام

از : اعظم گڈھ ۸؍ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ سید سلیمان

حضرت سید صاحب کی کرم فرمائیاں

حضرت سید صاحب کے ان خطوط سے اندازہ لگایا جائے کہ اللہ تعالیٰ میری محبت ان کے دل میں کیسی ڈالدی تھی، کہ وہ اپنے بچہ کی طرح مشورے مطالعہ اور تدریس کے سلسلہ میں برابر دے رہے ہیں، کتنی شفقت اور کتنا دلنشیں انداز بیان ہے، کوئی شبہ نہیں کہ تدریس کے اس پہلے سال میں حضرت کی ہدایت سے بہت کچھ حاصل ہوا، اللہ کی مدد ملی، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی بدولت مجھے مقبولیت سے نوازا، اساتذہ بھی مطمئن اور طلبہ بھی خوش رہے۔ حضرت کے کہنے کے مطابق میں اعظم گڑھ خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور دو دن قیام رہا، اس ملاقات میں علم کے ساتھ عمل کی ترغیب فرمائی، خط و کتابت برابر جاری رہی، اور اپنے حالات لکھتا رہا۔ سید صاحب کے خطوط آتے رہے، مئو کے اسی زمانہ میں تدریس میں ایک تیسرا خط اس مضمون کا آیا:

دارالمصنفین اعظم گڑھ

عزیز مکرم! زاد توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے شوق کے اظہار سے خوشی ہوئی، شکر ہے کہ آپ میں طلب ہے، انشاء اللہ تعالیٰ یہ طلب کبھی مقرون وصول ہوگی، انسان پر، طلبہ مومن پر طلب ہی فرض ہے، وصول بندہ کے امور اختیاری میں نہیں، یہ موھبتِ الٰہی ہے، مگر موعود ہے ''ویھدی الیہ من ینیب'' شرط انابت ہے، ''والذین جاھدوا فینا لنھدینھم'' مجاہدہ یہاں بھی شرط ہے ''ومن یومن باللہ یھد قلبہ'' ایمان یہاں بھی شرط ہے، اور عطائے ہدایت کا وعدہ ہے، دین ودنیا دونوں حال میں ہے اور علم وعمل میں بھی، اپنی طرف سے کوتاہی نہ ہو، اور اس پر بھی نہ ہو تو استغفار اور پھر سعی مزید وعزم شدید اور یہی کامیابی کی کلید ہے۔ یعلمھم الکتاب والحکمۃ کے ساتھ ویزکیھم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جانشینان نبی علیہ السلام کا فریضہ ہے۔ اعوذ باللہ من علم لا ینفع کو اہل مدارس بھول گئے، مولانا (۱) چند گھنٹوں کے لئے آئے، سیری نہیں ہوئی، ان سے لپٹے رہئے، طلب علم کا زمانہ اب ہی آیا ہے پہلا زمانہ تہیۂ اسباب واستعداد کا تھا۔ قرآن پاک کی تلاوت مع معنی کی عادت ڈالئے۔

والسلام

سید سلیمان

۱۴؍ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ

مدرسہ سے خاکسار کی علیحدگی

شعبان میں سالانہ امتحان ہوا، میں باطمینان وطن چلا گیا، اس کا وہم بھی نہیں تھا کہ ناظم صاحب میر، خلاف ذہن رکھتے ہیں، رمضان کے اخیر میں یا شروع شوال میں حضرت الاستاذ گرامی کا نامہ ملا، اور اس کو پڑھ کر حیرت زدہ رہ گیا، تحریر فرمایا:۔

(۱) محدث جلیل حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی: ظفیر

عزیز با تمیز سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم

میں شعبان کی اخیر تاریخوں میں اعظم گڑھ تھا، وہاں معلوم ہوا کہ تم نے سید صاحب کی اجازت سے والدین کی مرضی مقدم رکھی ہے، میرے پاس بھی تمہارے دو خط آئے، دوسرے کا جواب میں نے اس لئے نہیں دیا کہ رمضان میں ایک بار اعظم گڑھ جانے کا قصد تھا، وہ تو پورا نہیں ہوا، لیکن اس عرصہ میں یہاں کے حالات نے تمہارے لئے تذبذب کی صورت ختم کردی —— مختصر قصہ یہ ہے کہ ناظمان نے از راہ کینہ پروری جس کی بنیاد تمہاری وہ تحریر تھی جس کو مدرس دوم صاحب نے اپنی لا پرواہی سے ناظم کو دکھا دیا تھا، کمیٹی نے تمہارے خلاف ایک مقدمہ دائر کردیا، کچھ شبہ نہیں کہ اس میں مجھ سے زیادہ مولوی عبداللطیف نے تمہاری طرف سے صفائی پیش کی، لیکن دوسری کمیٹی میں ان لوگوں کی کوشش سے اکثریت نے تمہاری عارضی ملازمت کا سلسلہ ختم کردیا، کمیٹی میں صرف میں نے یہ کہا کہ ان کو ضرور رکھنا چاہئے، باقی کسی نے تائید نہیں کی، دوم صاحب نے کوئی رائے دینے سے انکار کردیا —— بہر حال اب ندوہ والی صورت متعین ہے اور اس کے لئے سید صاحب جس امر کی ضرورت ظاہر فرمائیں گے اس کی کوشش کی جائیگی۔ میرا معاملہ یہ ہے کہ میں نے اب تک قبول ملازمت سے انکار کیا ہے، اب وہ لوگ شاید پھر جلسہ عام کر کے مجھ کو مجبور کرنے کی کوشش کریں، نتیجہ کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، مگر ارادہ تب بھی نہیں۔

والسلام

حبیب الرحمٰن الاعظمی ۳؍ ستمبر ۴۵ء

حضرت سید سلیمان ندویؒ کی توجہ خاص

اوپر ذکر آچکا ہے کہ بات ندوہ جانے کی چل رہی تھی، صحت کی خرابی کیوجہ سے نہیں

جاسکا تھا، حضرت سید صاحبؒ نے بھی مشورہ دیا تھا کہ اب یہ سال اپنے حضرت الاستاذ کے پاس گذارو، پھر حضرت مولانا مدظلہ نے اپنے شاگردوں کی تربیت کے لئے یہ خصوصی درجہ جاری کرایا تھا۔

مفتاح العلوم مئو کے زمانہ تدریس میں حضرت سید صاحبؒ سے رابطہ برابر قائم رہا، اور آپ خطوط کے ذریعہ میری رہنمائی اور رہبری برابر فرماتے رہے، آپ کے خطوط کے لب ولہجہ سے ظاہر تھا کہ حضرت کی توجہ خاکسار کی طرف بڑھتی جارہی ہے، درس تدریس کے سلسلہ میں بھی ہدایات لکھتے رہے اور مطالعہ اور کتب بینی کے سلسلہ میں بھی، بلکہ ظاہری احوال کے ساتھ باطنی احوال پر بھی متوجہ رہے، اور کوئی شبہ نہیں حضرت کے خطوط سے بہت کچھ میں نے پایا اور بہت کچھ حاصل کیا۔

حضرت الاستاذ کی محبت وشفقت

ادھر حضرت الاستاذ مولانا اعظمی مدظلہ کا تو خاکسار شاگرد ہی تھی، اس لئے ان کے قلب میں قدرتاً میری محبت بہت زیادہ تھی، اور حد یہ ہے کہ میری تکلیف سے تکلیف محسوس فرماتے تھے، جب ارباب مدرسہ مفتاح العلوم نے میری علحدگی پر بحث کی تو مولانا نے اس میں میری طرف سے حصہ لیا اور جب اکثریت سے میرے خلاف تجویز دوسری میٹنگ میں پاس کردی گئی تو مولانا کو سخت ملال ہوا، میری دلدہی کے لئے ندوہ جانے کی تجویز پر آسانی سے راضی ہوگئے، جیسا کہ خط سے ظاہر ہے اور حضرت اس سلسلہ میں جو کچھ کر سکتے تھے، اس پر بھی آمادگی کا اظہار فرمایا، کئی مدارس کا نام لیا کہ مدرسی کرنا چاہو تو یہاں بھیج دوں، مگر مدرسی کا خیال اس وقت دل سے نکل چکا تھا کیونکہ ناظم مدرسہ مفتاح العلوم کا سلوک بڑا ہی دل شکن تھا۔

دارالعلوم ندوہ میں

عید کر کے شوال کے شروع ہفتہ میں میں نے مئو کا ارادہ کیا، اور وسط شوال سے پہلے حضرت الاستاذ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوگیا، حضرت الاستاذ نے فرمایا نوکری نہیں کرنی ہے، ندوہ ہی جانا چاہتے ہو تو بخوشی جاسکتے ہو، چنانچہ آپ کی اجازت سے سید صاحبؒ سے

اعظم گڑھ جا کر ملا، اور عرض کیا کہ گذشتہ سال مئو میں گذارا، اب ندوہ کا ارادہ کر کے آیا ہوں خوش ہوئے فرمایا جایئے اور داخلہ لے لیجئے۔

لکھنؤ جانے سے پہلے ایک دن مولانا اعظمی سے عرض کیا کہ ایک خط لکھ دیں، میں پہلی دفعہ لکھنؤ جارہا ہوں، کسی سے بھی دید وشنید نہیں ہے، فرمایا: میں اپنے شاگردوں کے لئے داخلہ کی سفارش کبھی نہیں کرتا اور نہ کرونگا۔ البتہ مولانا حمید الدین صاحب (۱) کے نام خط لکھ دیتا ہوں، اگر کوئی ناگہانی ضرورت ہو جائے تو ان سے روپے قرض لے سکو گے، اور وہ تمہاری مدد کرسکیں گے، گو وہ ابھی آئے نہیں ہوں گے، داخلہ کے بعد وہ غالباً وہاں پہونچیں گے۔

سفر لکھنؤ

حضرت الاستاذ مدظلہ کا خط لے کر لکھنؤ روانہ ہوا اور ۱۵؍شوال ۱۳۶۴ھ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء حاضر ہو گیا، داخلہ کی کاروائی شروع ہوئی تو فارم داخلہ میں نے بھی بھر کر درجہ نہم کیلئے داخل کیا، یہ اس وقت ندوہ کا آخری درجہ تھا، میرا امتحان داخلہ حضرت الاستاذ مولانا حلیم شاہ (۲) عطا صاحب اور استاذ مکرم مولانا ناظم صاحب (۳) کے پاس گیا، شاہ صاحب نے مسلم شریف کا امتحان لیا اور مولانا ناظم صاحب نے حماسہ کا، دونوں نے کامیابی کے نمبر دئے، مولانا ناظم صاحب نے دو دن امتحان لئے اور اپنے خیال میں کافی سختی سے امتحان لیا، مگر میں حماسہ حضرت مولانا اعظمی سے پڑھ کر گیا تھا، کتاب پر مستحضر تھی، اس لئے ذرا بھی گھبرایا نہیں، جواب دیتا رہا، البتہ عربی لکھنے میں کمزوری تھی کہ اس کی مشق یہاں مفتاح العلوم میں نہیں کرائی گئی تھی، مولانا مصوف نے فرمایا کہ جدید عربی آپ کی کمزور ہے، لیکن آپ جلد ٹھیک کرلیں گے۔

دارالعلوم ندوہ میں داخلہ

داخلہ منظور ہو گیا، میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اس وقت یعنی ستمبر ۱۹۴۵ء میں ندوہ میں بمشکل کل ملا کر سو طلبہ ہوں گے، اس وقت ہوسٹل صرف شبلی ہوسٹل تحتانی تھا اور بس، درمیان

---

(۱) حضرت الاستاذ مولانا حمید الدین فیض آبادی شیخ الحدیث ندوہ المتوفی

(۲) حضرت الاستاذ مولانا شاہ حلیم صاحب نائب شیخ الحدیث ندوہ

(۳) استاذ درجہ علیا دارالعلوم ندوہ لکھنؤ المتوفی ـــــہ

میں مسجد اور دریا کنارے درسگاہ دارالعلوم ندوہ، ایک کمرہ میں چار لڑکے رہا کرتے تھے، طلبہ عموماً مالدار گھرانوں کے ہوتے وظیفہ یاب بہت تھوڑے تھے، رہن سہن طلبہ کا معیاری تھا، بلکہ وہاں عام اساتذہ سے بھی بڑھ کر معیاری۔

اس آخری درجہ میں غالباً ہم سب ملا کر نو طلبہ تھے، نجم الدین سندھی، زید ین العابدین پورنوی اور احمد عثمان گجراتی نمایاں ساتھیوں میں تھے، نجم الدین سندھی کہا کرتے تھے کہ بھائی ظفیر تمہاری استعداد ٹھوس معلوم ہوتی ہے، تم نے داخلہ کیوں لیا، میں کہا کرتا تھا کہ اپنی علمی کمزوری دفع کرنے کے لئے اور عربی ادب میں شُد بُد پیدا کرنے کے لئے۔

طلبہ کا تعارفی جلسہ

اس وقت قاعدہ یہ تھا کہ داخلہ مکمل ہونے کے بعد نئے اور پرانے طلبہ کا ملا جلا تعارفی جلسہ ہوا کرتا تھا، اور سبھوں کو اظہار خیال کا موقع دیا جاتا تھا، وہاں انجمن الاصلاح کی طرف سے یہ انتظام تھا—— چنانچہ بعد داخلہ تعارفی جلسہ منعقد ہوا، الاصلاح کے ہال میں نئے طلبہ کو پہلے اظہار خیال کا موقع دیا گیا، میری باری بھی آئی میں نے ندوہ کے علمی ماحول کی تعریف کرنے کے بعد کہا کہ دراصل مجھے ندوہ حیات شبلی کھینچ لائی ہے، اب سے چند سال پہلے جب وہ چھپی تھی تو میں نے بڑے غور وفکر اور اہتمام سے اس کا مطالعہ کیا تھا اور کافی متاثر ہوا تھا، مجھے سوانح پڑھنے کا بڑا ذوق ہے، یاد آتا ہے کہ اس وقت حیات شبلی سے بڑھ کر موثر اور کوئی اور سوانح میری نظر سے نہیں گذری تھی، آپ حضرات کو حیرت ہوگی میں نے دو بار شروع سے اخیر تک پڑھی۔ اس کے بعد کہا حضرات! ایک بات عرض کردوں، جو ندوہ حیات شبلی میں ہے یہاں آکر معلوم ہوا کہ اب وہ ندوہ باقی نہیں رہا اس وقت جو حالات ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کافی تبدیلی آئی ہے، بس صدر جلسہ نے حکم دیکر مجھے آگے بولنے سے روک دیا، اور کہا بیٹھ جائیں، میں بیٹھ گیا، اس کے بعد محمد احمد گجراتی اسٹیج پر بلائے گئے، وہ بھی جدید تھے، اور نیچے کسی درجہ میں ان کا داخلہ تھا، وہ جب کھڑے ہوئے تو خطبہ مسنونہ کے بعد علامہ اقبال کے اس شعر سے اپنی تقریر شروع کی۔

یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

چندمنٹ میری حمایت میں بول کر وہ بھی بیٹھ گئے۔

اسباق میں حاضری

داخلہ کے بعد ندوہ میں تعلیم شروع ہوگئی، مسلم شریف اور کشاف کے اسباق حضرت الاستاذ شاہ حلیم عطا کے یہاں ہوتے تھے، بخاری شریف مولانا حمید الدین کے یہاں، حجۃ اللہ البالغۃ مولانا محمد ناظم صاحب کے یہاں، اور معاشیات کا سبق مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی کے پاس، یہ سارے اساتذہ کرام بڑے ذی وقار ذی استعداد اور رہن سہن کے اعتبار سے سادگی کے نمونے تھے، حضرت شاہ صاحب تفسیر کشاف میں تقریر کرنے کے بعد طلبہ سے فرماتے: آپ حضرات بھی اس مسئلہ پر اپنا اپنا خیال ظاہر کریں، بڑا نفیس انداز پڑھانے کا تھا، حافظ ابن تیمیہ اور ابن القیم کی کتابوں کے تقریباً حافظ تھے، حوالہ دیتے ہوئے ان کی کتابوں کی سطروں کی سطریں پڑھ جاتے، اللہ تعالیٰ نے غضب کا حافظہ عطا فرمایا تھا، خاکسار سے بڑی محبت فرماتے اور کبھی تنہائی میں کہتے، سنجیدہ طلبہ کم ملتے ہیں، ماشاء اللہ تم میں بڑی متانت اور فہم ہے، تم کامیابی سے ہمکنار ہوگے انشاء اللہ۔

حضرت مولانا حمید الدین صاحب بخاری شریف میں لمبی مگر جچی تلی تقریر کیا کرتے تھے، حضرت مولانا ناظم صاحب بھی ماشاء اللہ عمدہ پڑھاتے تھے، انشاء عربی کی تمرین میں نے مولانا کے یہاں ہی لے رکھی تھی، ایک ہفتہ کے بعد میری تحریر دیکھ کر عموماً حسنت لکھ دیا کرتے تھے، مولانا سندیلوی حضرت تھانویؒ کے مرید تھے اور چہرہ سے بزرگی کے آثار ظاہر ہوتے تھے، اب معلوم ہوا ہے کہ ان کا وصال ہوگیا۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحب سے بھی تعلقات تھے، فرائض کا کوئی مسئلہ آجاتا تو وہ میرے حوالہ کر دیا کرتے تھے، میں لکھ کر پیش کر دیا کرتا تھا، حضرت مولانا علی میاں بھی اس زمانہ میں استاذ تھے اور مضامین قرآن پڑھاتے تھے، میرا ان کے پاس کوئی سبق نہیں تھا، لیکن کبھی کبھی ان سے بھی ملا کرتا تھا، اور عرض کیا کرتا تھا کہ جدید عربی پر عبور کیسے حاصل ہوگا؟

مختلف کتابوں کے پڑھنے اور مطالعہ کا مشورہ دیا کرتے تھے، عبرات، نظرات، کلیلۃ ودمنۃ وغیرہ کا نام لیا کرتے اور فرماتے کہ اچھا جملہ کسی کا بھی ہو، آپ اپنے مضامین میں ضرور استعمال کیا کریں، یہ سرقہ نہیں بلکہ یہ ہمارا ترکہ ہے اور ہم اس کے وارث ہیں۔

ابھی دو ماہ گذرے تھے کہ مولانا محمد ادیس ندوی نگرامی جو ندوہ کے مدرس تھے تشریف لے آئے، ان سے اعظم گڑھ میں ملاقات ہوئی تھی، وہ جانتے تھے کہ میں حضرت مولانا اعظمیؒ کا شاگرد ہوں، ایک دن بلا کر فرمانے لگے، آپ کیوں پڑھنے آگئے؟ حالانکہ آپ فارغ ہیں، آپ کو مدرسی کرنی چاہئے، میرے یہاں صدر مدرس کی ضرورت ہے، مشکوٰۃ وغیرہ پڑھانی ہوگی، آپ تیار ہوں تو وہاں بھیج دوں۔

سید صاحب کی ہدایت

ان کو غالباً معلوم نہیں تھا کہ میں حضرت سید صاحب کا فرستادہ ہوں اور ایک خاص مقصد سے آیا ہوا ہوں، ندوہ میں داخلہ کے بعد میں نے جب سید صاحب کو خط لکھا تو اس کے جواب میں حضرت سید صاحب کا گرامی نامہ موصول ہوا۔

اعظم گڈھ

عزیز مکرم! زادکم اللہ تعالی علما نافعا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

یاد آوری کا شکریہ! بحمد للہ اچھا ہوں، ضعف ابھی باقی ہے، خوشی ہوئی آپ داخل ہو گئے، آپ اپنے ساتھیوں کے گرانی طبع کا خیال نہ کریں، جو محض استکبار کے سبب پیدا ہے، ایسے لوگ کبھی علم نافع نہیں پا سکتے۔ آپ مولانا حمید الدین صاحب اور دوسرے اساتذہ اور مطالعہ سے توسیع علم میں مصروف رہیں، اور التفاف یمیناً وشمالاً نہ کریں۔ گھر والوں پر کوئی بار آپ کا انشاء اللہ نہ پڑیگا، طلب کمال کے مواقع ظاہر و باطنی کو اپنی ہمت وعزیمت سے بتوفیق الٰہی دور کیجئے۔

والسلام

۲۱ رشوال ۱۳۶۴ھ

ہیچمدان سید سلیمان

حضرت سید صاحب کا گرامہ نامہ بار بار پڑھا جائے اور اندازہ لگایا جائے کہ حضرت کو خاکسار کی تعلیم اور تحصیل کمال سے کس قدر انس تھا، اور اپنے ایک معمولی ماننے والے کے ساتھ کیسی شفقت تھی، تسلی وتشفی کے اس خط میں کتنے ساماں حضرت نے یکجا فرمادیئے ہیں، اور ترغیب کا کتنا عمدہ انداز اختیار فرمایا ہے۔

اب سوچتا ہوں تو مجھے بیحد قلق اور افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی کم عمری، نا تجربہ کاری اور بے وقوفی سے مشورہ کی جو قدر ہونی چاہئے تھی نہیں کی اور دوسروں کی باتوں میں آ گیا۔

نگرام کی مدرسی

مولانا محمد اویس ندویؒ برابر میرے پیچھے لگے رہے کہ میں ندوہ چھوڑ کر نگرام میں صدر مدرسی قبول کرلوں، اتفاق سے ان دنوں میری طبیعت مضمحل ہوگئی اور صحت متاثر ہوئی، حکیم شکیل احمد کا علاج بھی کرایا مگر طبیعت گرتی چلی گئی اور مجھے مولانا اویس کی تجویز پر غور کرنے کے لئے پر مجبور ہونا پڑا کہ طالب علمی کی لائن سے نکل کر مدرسی کی لائن اختیار کرلی جائے۔ کچھ ہی وقفہ کے بعد حضرت سید صاحب ندوہ تشریف لائے، اس زمانہ میں مہتمم مولانا عمران خاں بھوپالی تھے، حضرت سید صاحب بخاری کے سبق کے اخیر میں اوپر تشریف لائے، درس ختم ہونے کے بعد ہم طلبہ کو نصیحت کرنا شروع فرمایا کہ ترقی علم میں کیسے ہوتی ہے؟ میں نے ایسا محسوس کیا کہ روئے سخن میری طرف ہے اور تدریسی لائن میں جانے کی بات ان تک کسی طرح پہونچ گئی ہے۔

حضرت سید صاحب کی آمد

مدرسہ کے اوقات تعلیم ختم کے بعد میں درسگاہ سے اٹھا، سید صاحب سے ملا، اور ساری باتیں سامنے رکھیں، فرمانے لگے کیوں رائے بدلی؟ میں نے عرض کیا، حضرت پڑھی ہوئی کتابوں کے پڑھنے میں کوئی کشش نہیں رہی، مطالعہ کے لئے کتابیں کتب خانہ سے درسیات کے علاوہ ملتی نہیں ہے، ادھر ایسا ہے کہ یہاں طلبہ کا معیار رہائش اونچا ہے، میں اپنے حالات کی وجہ سے زیادہ دنوں تک ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا، پھر چند دنوں سے طبیعت ناساز رہتی ہے،

تکلیف بڑھتی جارہی ہے، دماغ دبتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت سید صاحب نے بڑی محبت سے فرمایا کہ کتابیں مطالعہ کے لئے آپ کو مل جائینگی، مہتمم صاحب سے کہہ دونگا کہ یہ جو کتابیں چاہیں میری ضمانت پر دیدی جائیں، رہی رہائشی معیار کی بات، تو آپ بتائیں کہ کتنے ماہانہ میں معیار قائم رہ سکے گا، وہ بلا طلب آپ تک پہونچتا رہیگا۔

سید صاحب کی جواب طلبی

حضرت کی یہ باتیں سن کر میں حیرت میں پڑ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کتنا مہربان آپ کو میرے لئے بنادیا ہے، فرمایا جواب ابھی نہیں چاہئے، کل خوب سوچ کر دیں، میں وہاں سے کمرہ آگیا، رات بھر سوچتا رہا، مختلف خیالات آتے رہے، فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا، وہاں کوئی ایسا مخلص بے تکلف نہیں تھا جس سے مشورہ کرتا، دوسرے دن جواب دیا کہ حضرت فیصلہ نہ کرسکا، یوں مولانا اویس نے پہلے سے وعدہ کرالیا ہے، فرمایا اچھا جائیں، حضرت سمجھ گئے کہ یہ تذبذب کا شکار ہورہا ہے، میں سلام کرکے چلا آیا، لیکن پھر بلا کر فرمایا کہ میں نے مولوی اویس کو تاکید کردی ہے، اگر یہ جانا چاہیں تو آرام کے ساتھ رکھنا، کوئی تکلیف ہونے نہ پائے۔

استاذ مدظلہ کا مشورہ

میں نے یہی باتیں حضرت الاستاذ کو مئو لکھ رکھی تھیں، یہ صورتحال ہے کیا کیا جائے؟ جو مشورہ ہو عمل کرونگا، حضرت نے تحریر فرمایا، آپ کے الفاظ یہ تھے:۔

> ایک کارڈ اس سے قبل ملا ہوگا، اب جبکہ تمہارا مشورہ طلب خط پہونچ گیا ہے تو دوسرا خط لکھ رہا ہوں، میرے نزدیک موجودہ حالت میں یہی بہتر ہے کہ نگرام کی ملازمت قبول کرلو —— نگرام میں رہ کر تعلیم کے ساتھ مطالعہ بھی کروگے تو بہت کافی نفع ہوگا، مولانا اویس صاحب کے والد سے بہت مدد ملے گی انشاء اللہ۔

۲۴ر اکتوبر ۴۵ء از مئو

حبیب الرحمٰن الاعظمی

ندوہ سے نگرام معدن العلوم میں

حضرت مولانا اعظمی کے خط آنے کے بعد طے ہوگیا کہ نگرام جانا ہے، یہ خبر جب مشہور ہوئی تو میرے دو اساتذہ نے از راہِ محبت سخت افسوس کا اظہار فرمایا، ایک حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحب اور دوسرے حضرت مولانا محمد ناظم صاحب نے اور فرمایا کہ تم نے بلا مشورہ عجلت سے کام لیا، سب چیزوں کا انتظام ہوسکتا تھا، تم دو ٹیوشن کر لیتے تمہارا سارا خرچ نکل آتا، حسب وعدہ ۳۰/اکتوبر ۱۹۴۵ء یوم پنجشنبہ نگرام کے لئے روانہ ہوا، بعد مغرب بس نے نگرام پہونچایا، وہاں مولوی فہیم سلمہ اور انیس الرحمٰن عرف دلارے میاں نے استقبال کیا، اور پہلے حضرت مولانا انیس صاحب ونفیس صاحب سے ملاقات کرائی، یہ دونوں اپنے مہمان خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

۹/نومبر کا لکھا ہوا خط حضرت الاستاذ کا نگرام میں موصول ہوا، مضمون یہ تھا :

> خط پہونچا، حالات معلوم ہوئے، انشاء اللہ یہ صورت مفید تر ہوگی، محنت سے مطالعہ کر کے پڑھاؤ اور مولانا کے کتب خانہ سے فائدہ اٹھاؤ، طلبہ میں سچی مذہبیت اور دینداری کا جذبہ پیدا کرو، خود بھی استقلال اور اخلاص سے کام کرو، آج مولوی کہلانے والے بہت ہیں، مگر صحیح معنوں میں عالم عنقا ہو رہے ہیں۔
>
> والسلام
>
> حبیب الرحمٰن
>
> ۳/ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ ۹/نومبر ۴۵ء

مہتمم معدن العلوم کی خدمت میں

ہلکی سردی کا زمانہ تھا، نگرام بعد مغرب پہونچا تھا، پہلے مدرسہ کے مہتمم مولانا انیس صاحب کی خدمت میں لے جایا گیا، جو بوڑھے تھے، داڑھی لمبی سفید تھی، بدن گداز تھا، بڑی محبت سے ملے خیریت معلوم کی، اس پہلی ملاقات میں مہتمم صاحب نے فرمایا کہ مدرس نوکر نہیں ہوتا، جو لوگ ایسا سوچتے ہیں، وہ غلط ہے، کوئی ایسی صحیح اجرت دینے پر قادر نہیں ہے، مدارس اپنے اساتذہ کو حق المحنت برائے نام دیتے ہیں، دراصل مدرسہ کے مالک استاذ ہی ہوتے ہیں، مہتمم منتظم ہوتا ہے، اشاعت کتاب وسنت کی خدمت اسی طرح انجام پاتی ہے، جو مہتمم مدرس کو

نوکر سمجھتا ہے، وہ جاہل ہوتا ہے، کوئی عالم ایسا گمان نہیں کرتا۔

پھر اسی دن یا دوسرے دن فرمایا کہ مشکوٰۃ شریف، ہدایہ، نور الانوار جیسی کتابیں ہیں، اور جو شرحیں فراہم ہیں وہ سب بھجواؤنگا، مطالعہ کر کے پڑھایا کریں، ہدایہ یا مشکوٰۃ کے اسباق میں کبھی کبھی میں آکر بیٹھا کرونگا۔

مشاہرہ

یہاں میرا مشاہرہ بحیثیت صدر مدرس صرف پینتیس روپے طے ہوا تھا، اس کے ساتھ کھانا بھی، باقی ناشتہ طے نہیں تھا، اس کا انتظام خود کرنا پڑتا تھا، کھانا مہتمم صاحب کے گھر سے مدرسہ کی طرف سے پک کر آیا کرتا تھا، ان کے ملازم دونوں وقت پہونچادیا کرتے تھے، مشکوٰۃ کی جماعت میں تین یا چار طلبہ تھے، اسی طرح نیچے کے درجات میں بھی تھے، باقی اردو اور فارسی درجات کے طلبہ تھے، اردو درجات کو پرائمری کے اساتذہ پڑھاتے تھے۔

مہتمم صاحب کی حوصلہ افزائی

اس میں شبہ نہیں کہ مولانا انیس صاحب مہتمم بڑے ذی وجاہت، معمر اور شفیق انسان تھے، دو ماہ بعد یہ کہہ کر اسباق میں آنا بند کر دیا کہ مولانا اب مدرسہ آپ کے سپرد ہے، کوئی مشورہ طلب بات ہو تو مجھ سے معلوم کر لیا کریں، اس میں ہچکچائیں ہر گز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر میں نے تیسرے دن سے اسباق شروع کرادئے، بہر حال میری نوجوانی کا زمانہ تھا، ولولہ اور جذبہ صادق پڑھانے کا تھا، ایک سال مفتاح العلوم میں مدرسی کر چکا تھا، مطالعہ کی عادت تھی، خوب محنت کر کے پڑھایا کرتا تھا، طلبہ مطمئن اور خوش تھے، ایک دن مہتمم صاحب نے ازارہ حوصلہ افزائی یہ بھی فرمایا: مولوی صاحب! الحمد للہ آپ بڑے استاذ کے شاگرد ہیں، انشاء اللہ آپ کے استاذ آپ کی وجہ سے بدنام نہیں ہوں گے، بلکہ اساتذہ کا نام آپ سے بلند ہوگا۔

حضرت سید صاحبؒ کی خدمت میں اپنا حال زار

یہاں نگرام پہونچ کر جب اسباق شروع کرادئے تو میں نے حضرت سید صاحب کی

خدمت میں خط لکھا، کیا لکھا؟ اس کی تفصیل یاد نہیں، حضرت کا خط اسکے جواب میں یہ موصول ہوا۔

میرٹھ بذریعہ سید حسین ڈپٹی کلکٹر

اخی العزیز !

اسعد کم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔

الخیر فیما وقع ،آپ دیکھیں کس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلسلہ بہ سلسلہ نگرام پہونچایا، اللہ تعالیٰ کی صفت لطیف کے یہی معنی ہیں کہ "ویرزق من حیث لا یحتسب" دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو علم نافع اور عمل صالح کی بیش از بیش توفیق عنایت فرمائے۔

آپ کی علالت کا افسوس ہے، ابھی سے فکر چاہئے، عصبی کمزوری انشاء اللہ چلی جائیگی، صاحب مشکوۃ کے حالات کشف الظنون سے مل جائیں گے۔

والسلام

۲۲رذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

ہیمداں سید سلیمان

سید صاحبؒ کی مسرت اور ہدایت

اس خط میں اور بہت ساری باتیں بھی ہیں، یہاں میں نے ضروری حصہ نقل کیا ہے، اس خط میں بڑا حصہ ذکر اللہ اور تہجد کی پابندی سے متعلق ہدایتیں ہیں، الحمد للہ اس پر بھی عمل شروع کر دیا گیا تھا، چنانچہ دوسرے خط میں خوشی کا اظہار فرمایا۔

برادر عزیز ! اسعد کم اللہ تعالیٰ فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ادھر دیوبند، سہارنپور اور تھانہ بھون کے سفر میں تھا، اب واپس آکر آپ کا خط ملا، الحمد للہ بخیر و عافیت ہوں —— اس بشارت سے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے تہجد کی نماز شروع کر دی، رفتہ رفتہ صحیح مسلم دیکھ کر تہجد کی دعائیں، رکوع سجود اور آغاز قیام کی دعائیں یاد کر لیجئے گا کہ مزید برکت کا

باعث ہو۔

مشکوۃ کے لئے اشعۃ اللمعات کافی ہے، ہدایہ کے لئے زیلعی اور عنایہ دیکھیں، آپ صرف متن قرآن سے تفکر کا آغاز کریں اور جلالین سامنے رکھ لیں باقی باتی۔

ہیچمدان سلیمان

۸ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ، از میرٹھ

حضرت الاستاذ کی ہدایت

حضرت الاستاذ مولانا اعظمی مدظلہ بھی برابر خطوط لکھ رہے تھے اور ہدایات دے رہے تھے،

ایک خط میں لکھا :

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ تم یکسوئی کے ساتھ کام کر رہے ہو، محنت کا یہی وقت ہے، اور اس وقت کی محنت بہت کام آئیگی، میرا خیال یہ ہے کہ اسی عمر میں تھک گیا، اب کام نہیں ہوتا، مطالعہ سے جی گھبراتا ہے، اس لئے اس وقت کو غنیمت سمجھو۔

والسلام

حبیب الرحمٰن الاعظمی

۲۸ جنوری ۴۶ء

نگرام میں قیام کی مدت

شروع نومبر ۱۹۴۵ء سے اخیر دسمبر ۱۹۴۷ء تک مدرسہ معدن العلوم نگرام ضلع لکھنؤ میں بحیثیت صدر مدرس قیام رہا، اور اپنے فرائض منصبی بحسن وخوبی انجام دیتا رہا، اس طرح دو سال خدمت کی، ۱۵ اگست ۴۷ء کو ملک آزاد ہوا، مگر آزادی کے بعد ملک میں امن وامان باقی نہ رہ سکا، مسلمانوں کے لئے بعض علاقوں میں یہ ملک جہنم بن گیا، قتل وخون ریزی عام ہوگئی، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، اخیر دسمبر ۴۷ء میں گھر اس طرح گیا تھا کہ لکھنؤ سے ایک ڈبہ مسلمانوں کے لئے مخصوص ہوا کرتا تھا، جس میں حفاظتی پولیس ہوا کرتی تھی۔

تدریس کے ساتھ خطابت

مہتمم صاحب نے میرے نگرام آنے کے چند ماہ بعد جمعہ پڑھانا اور تقریر کرنا میرے

ذمہ کر دیا، لہٰذا ہر ہفتہ جمعہ میں میری تقریر ہوا کرتی تھی، اور جمعہ کی امامت بھی میں ہی کرتا تھا، پنج وقتہ امام تو شروع سے رہا، اس سے کافی فائدہ ہوا۔

مضمون نگاری

پھر ایک دن مہتمم مولانا محمد انیس صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے کبھی مضمون بھی لکھا ہے، میں نے عرض کیا لکھا ہے، مگر کسی رسالہ کو دیا نہیں، فرمایا: کچھ لکھے ہوئے مضامین آپ کے پاس ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ایک جلد قلمی مضامین کی میرے پاس ہے، پھر فرمایا: میرے پاس بھیج دیں، میں نے وہ مجلد کاپی جس میں میرے آٹھ دس مضامین تھے، مہتمم صاحب کی خدمت میں بھیج دی، ایک ہفتہ تک کچھ نہیں بولے، میں نے اس درمیان میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش بھی نہیں کی، دوسرے ہفتہ میں ایک دن بعد عصر مسجد میں روک لیا، جب سب نمازی نکل گئے تو فرمایا کہ میں نے آپ کے مضامین پڑھے، مسرت ہوئی، میں ایک بات بتانا چاہتا ہوں، اس کو میری بزرگی نہ سمجھئے گا، بلکہ یہ تجربہ ہے، جس طرح بادل دیکھ کر ایک پرانا کسان کہتا ہے یہ برسنے والا ہے اور یہ برسنے والا نہیں ہے اور عام طور پر وہ صحیح ہوتا ہے، اسی طرح میری یہ باتیں ہیں پھر فرمانے لگے کہ :

حوصلہ افزائی

آپ کے مضامین بتاتے ہیں کہ آپ میں لکھنے کی بہت اچھی صلاحیت ہے، اگر آپ نے اس صلاحیت سے کام لیا اور لیتے رہے تو آپ بہت اچھا لکھیں گے، اور اچھے مصنف بن سکیں گے، آپ اس کی مشق جاری رکھیں، اور پہلا کام یہ کریں کہ مسجد سے متعلق تمام مسائل یکجا کریں، مفتی شفیع صاحب کا ایک مختصر رسالہ آداب المساجد چھپا ہوا ہے، مگر وہ تمام مسائل مسجد کو حاوی نہیں، فقہ کی تمام کتابیں سامنے رکھ کر اس کام کو بنام خدا شروع کر دیں۔

تصنیفات کے میدان میں

مولانا محمد انیس صاحب کی ان باتوں سے بڑا حوصلہ ملا، اور میں نے طے کر لیا کہ مساجد کے موضوع پر ایک عمدہ کتاب مرتب کرنی ہے، خواہ جتنی بھی محنت کرنی پڑے، سب

سے پہلے میں نے پورے قرآن کی تلاوت مسجد کو سامنے رکھ کر شروع کر دی، اور پورا قرآن پڑھ گیا اور جہاں جہاں مسجد سے متعلق کوئی آیت سمجھ میں آئی تفسیر دیکھ کر اس کو نوٹ بک میں جمع اور نقل کرتا گیا، اس طرح پوری مشکوٰۃ مطالعہ کیا اور مسجد سے متعلق حدیث جمع کرنے کی سعی کی، اس سلسلہ میں ہدایہ عالمگیری کا بھی مطالعہ کیا، ان کتابوں سے فقہی جزئیات یکجا کرتا گیا، اب ان تمام نوٹ بک کو سامنے رکھ کر ترتیب سے مسجد پر لکھنا شروع کیا، یہ مری پہلی تصنیف تھی، اس سلسلہ میں اساتذہ کی خدمت میں خطوط بھی لکھے جوابات بھی آئے حضرت سید صاحب نے تحریر فرمایا۔

مکتوب گرامی سید صاحبؒ

اخی فی اللہ تعالیٰ ! عجل اللہ شفاء کم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مساجد کے نظام پر آپ لکھ رہے ہیں، مبارک ہے، مساجد کی سیاسی و اجتماعی فوائد کا حال احادیث اور اخبار و مغازی و سیر سے معلوم ہوگا، زاد المعاد دیکھیں یا سیرت نبوی میں تعمیر مساجد کا حال پڑھیں، شاید رہبری ہو، بحالت ضعف محنت جسمانی اور فکر دماغی و ذہنی سے پرہیز اولیٰ ہے۔

والسلام

سید سلیمان ۸ رشوال ۱۳۶۵ھ / ۵ رستمبر ۱۹۴۶ء

مکتوب گرامی مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نے لکھا:۔

مخلص مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احکام مساجد پر ایک رسالہ مفتی شفیع صاحب دیوبندی کا بھی ہے، اسے دیکھ لیجئے گا، کتاب کی ترتیب دل پذیر اور جدت آمیز ہونی چاہئے، تا کہ جدید تعلیم یافتہ احباب بھی اس کا مطالعہ کر سکیں، مساجد کی اجتماعی اہمیت

پر بحث ضروری ہے، اور یہ کہ اس زمانے میں امام مسجد کس حیثیت کا ہونا چاہئے، شریعت میں اس منصب کی کیا اہمیت ہے، عہد مشہود لہا بالخیر میں مساجد سے کیا کام لیا جاتا تھا، مسجد کا قدرتی اجتماع کس قدر نتیجہ خیز ہوسکتا ہے، یہ اور اس طرح کے بہت عنوانات ہیں، جن پر مختصر اور جدید انداز میں کلام کی ضرورت ہے۔

والسلام

عتیق الرحمٰن عثمانی

ندوۃ المصنفین دہلی قرول باغ ۲۹/اپریل ۱۹۴۶ء

مکتوب گرامی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند نے لکھا :-

مکرمی دام مجدھم

بعد سلام مسنون، جناب کا شغل مبارک ہو، میں آج کل بہت مصروف ہوں اور دماغی کمزوری کی وجہ سے تقریباً ناکارہ ہوں، کتابیں جو آپ کے پیش نظر ہیں کافی ہیں، البحر الرائق بھی مہیا فرمالیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

اخیر دسمبر ۴۶ء

مکتوب گرامی حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے لکھا :

مولانا المحترم السلام علیکم

کتاب کی ترتیب پر مبارک باد قبول فرمائیے، مگر میں کیا اصلاح دے سکتا ہوں اور کیا مشورہ پیش کر سکتا ہوں، جن کتابوں کی طرف رجوع فرمایا ہے، حصول مقصد کے لئے کافی وافی ہے، خدا کرے آپ کی سعی مشکور ہو۔

محتاج دعاء محمد حفظ الرحمٰن کان اللہ لہ

۳/نومبر ۱۹۴۶ء

اپنی محنت وکاوش

ان خطوط سے حوصلہ افزائی بھی ہوئی اور رہنمائی بھی۔

اور میں نے پوری محنت کی، اس سلسلہ میں ندوہ کے کتب خانہ سے بھی استفادہ کیا، مسودہ بڑی حد تک مرتب ہو چکا تھا کہ میں گھر آ گیا، رمضان میں شدید بیمار ہوا، میعادی بخار میں ۲۹/ یوم مبتلا رہا، میرے بھائیوں اور والدین بہت پیسے خرچ کئے اور دربھنگہ کے سب سے مشہور ڈاکٹر سے علاج کرایا، اللہ نے شفادی، پھر یہ مسودہ لے کر حضرت پنڈت جی (نور اللہ) خلیفہ ارشد مولانا بشارت کریم گڑھولوی کی خدمت میں برائے دعاء مہدولی (دربھنگہ) حاضر ہوا، آپ حضرت پنڈت جی کے نام سے مشہور اور صاحب نسبت بزرگ تھے، اور نو مسلم تھے، انہوں نے بھی دعا فرمائی۔

کتاب تیار ہوگئی مگر سوال یہ تھا کہ کوئی عالم دین اس کو شروع سے اخیر تک بالاستیعاب دیکھ لے تا کہ کوئی خامی رہنے نہ پائے، اس سے پہلے میری کوئی کتاب حتیٰ کہ کوئی مقالہ بھی کہیں نہیں چھپا تھا، البتہ چند مختصر مضامین صدق جدید لکھنؤ اور الہلال پٹنہ میں شائع ہوئے تھے۔

مولانا علی میاں ندوی مدظلہ کی خدمت میں

یہ مرحلہ بڑا سخت ثابت ہوا، اور کوئی بھی اس کے لئے تیار نہیں ہوا، اس زمانہ میں ایک لمبا خط میں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی استاذ ندوہ لکھنؤ کو لکھا اور مولویوں کی شکایت کی، اور اپنی بے بسی کا اظہار کیا، ان سے ندوہ میں پڑھنے کے زمانے میں جان پہچان اچھی تھی، مولانا موصوف میرے خط سے متاثر ہوئے، اور ایک تسلی بخش جواب تحریر فرمایا، جس کا حاصل یہ تھا کہ جو شکایتیں آپ کو علماء سے ہیں مجھے بھی اس عمر میں جس میں آپ ہیں، علماء کرام سے تھی، لہٰذا اس میں اپنا وقت ضائع نہ کریں، کام کرتے رہیں، کام سے کام کی راہیں کھلتی چلی جائیں گی، انشاء اللہ۔

سر دست آپ ایسا کریں کہ جب لکھنؤ آنا ہو مسودہ لیتے آئیں اور میرے حوالہ کر دیں، انشاء اللہ میں اپنی وسعت بھر اسے ضرور دیکھونگا۔ حضرت مولانا کے اس خط سے ذہن وفکر کو

توانائی حاصل ہوئی اور میں نے گھر جاتے ہوئے مسودہ لیجا کر مولانا کے حوالہ کر دیا، اور عرض کیا تین ہفتہ کے اندر میری واپسی ہوگی اس وقت یہاں سے لے لوں گا۔

مولانا ندوی مدظلہ کی رہنمائی

وطن سے واپسی پر پھر حضرت مولانا علی میاں کے گھر حاضر ہوا، مولانا نے حالات اور خیریت معلوم کرنے کے بعد وہ مسودہ اندر سے خود لے کر آئے اور فرمایا الحمدللہ میں نے اس کا بڑا حصہ دیکھا ایک ایک حرف پڑھا اور جہاں جیسی ضرورت محسوس ہوئی ردوبدل کیا، اخیر کا حصہ سرسری طور پر دیکھ کر اپنی رائے کسی عنوان پر لکھتا گیا، پھر حوصلہ افزا کلمات فرمائے۔

اخیر میں فرمایا کہ کتاب ہر ایک کے لئے لکھی جاتی ہے، موافق بھی پڑھتے ہیں اور مخالف بھی، اس لئے لب ولہجہ ایسا ہونا چاہئے کہ بڑے سے بڑا مخالف کتاب ہاتھ میں لینے کے بعد بغیر پڑھے رکھ نہ سکے، بلکہ وہ شوق سے پوری کتاب پڑھے، گو کچھ باتیں اس کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں، یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ لب ولہجہ خوشگوار اور شیریں ہو، طرز ادا شگفتہ ودل پذیر ہو، البتہ اپنا مدعا پوری قوت سے ادا کیا جائے، اس میں کمزوری قطعاً نہ ہو۔

میں نے یہ بات آپ کی کتاب میں پائی، آئندہ بھی اس کا پورا پورا خیال رکھیں، اور کبھی اس کو فراموش نہ کریں، مولانا کی باتوں سے میں بڑا خوش ہوا، دل سے مولانا کے لئے دعائیں نکلیں، اور اسی وجہ سے مولانا مدظلہ کو اپنا استاذ لکھتا ہوں اور بلاشبہ آپ میرے مربی اور استاذ ہیں، مولانا ندوی صاحب مدظلہ کی تصحیح کے بعد مسودہ کو آخری شکل دی گئی۔

والد مرحوم کا خط

قیام نگرام کے زمانے میں والد محترم کے انتقال کا حادثہ پیش آیا، والد مرحوم کا دستور یہ تھا کہ میں جہاں پڑھتا تھا وہاں سال میں ایک مرتبہ آکر دیکھ جاتے تھے، نگرام جب آیا اور ایک سال بقرعید میں گھر نہیں جاسکا، تو انہوں نے خط لکھا کہ میں نگرام آنا چاہتا ہوں تاکہ معلوم ہو تم کس طرح رہتے ہو، میں نے جواب میں لکھا کہ لکھنؤ سے نگرام بس کا راستہ ہے سڑک کچی ہے اور بہت ہچکولے کھاتی آتی جاتی ہے، آپ کے لئے لکھنؤ سے نگرام پہونچنے میں سخت تکلیف

ہوگی، اس لئے تشریف نہ لائیں۔

والد صاحبؒ کی بیماری کا تار

اتفاق سے اسی سال کے وسط میں والد صاحب سخت بیمار ہوئے، انہوں نے اپنے تمام رشتہ داروں کو تار دلوایا کہ وہ آ کر مل لیں، ایک تار میرے نام بھی بھیجوایا، میں ان دنوں حضرت مہتمم صاحب مدرسہ کے ساتھ ان کے متوسلین اور مریدین کے حلقہ میں ضلع سلطان پور گیا ہوا تھا، اور نگرام سے وہاں سواری کا کوئی انتظام نہیں تھا، ہم لوگ بیل گاڑی سے وہاں گئے تھے، جب تار نگرام پہونچا تو ایک مزدور کی معرفت وہاں سے تار میرے پاس بھیجوایا گیا، شام میں مشورہ ہوا، مہتمم صاحب نے فرمایا کہ آپ اور مولوی اویس فلاں گاؤں میں آج ہی چلے جائیں، وہ گاؤں روڈ کنارے ہے، وہاں ہو کر بس لکھنؤ جاتی ہے، اس طرح آپ کو سہولت رہے گی، چنانچہ ہم لوگ بیل گاڑی کے ذریعہ اس گاؤں میں مغرب کے وقت پہونچ گئے، مولانا اویس صاحب نے لوگوں کو بتایا کہ مولانا کو صبح لکھنؤ جانا ہے، اس کا انتظام آپ لوگ کردیں اور صبح آٹھ بجے ان کو بس پر بٹھادیں۔

چنانچہ صبح ناشتہ کھا کر دو واقف آدمیوں کے ساتھ اس سڑک پر پہونچ گئے، جہاں سے بس گذرتی تھی، انہوں نے بس پر بٹھادیا اور اس طرح گیارہ بجے دن میں لکھنؤ پہونچ گیا، پھر آج ۲۵ رنومبر ۱۹۴۶ء بروز شنبہ دربھنگہ کا ٹکٹ لیا اور ''برونی اکسپریس'' سے جو ساڑے بارہ بجے دن میں لکھنؤ سے روانہ ہوتی تھی دوسرے دن ۲۶ رمئی کو دس گیارہ بجے دن میں دربھنگہ پہونچا، اور وہاں سے پیدل تین میل چل کر گھر آیا، اس وقت تک بس اور رکشا کی وہ سہولت نہیں تھی جو اَب ہے۔

والد صاحب کی خدمت میں

پہنچتے ہی دوپہر میں والد محترم سے ملاقات کی، ہوش وحواس قائم تھے، فرمایا: آج میں نے غسل کر کے کپڑے بدل لئے ہیں، مگر تھے صاحب فراش، پوچھا کیسے آئے؟ تکلیف تو نہیں ہوئی؟ میں نے بتایا کہ آرام سے آیا، پھر وہ تذکرہ بھی آیا کہ میں نے نگرام جانے کی تیاری کرلی

تھی کہ تمہارا خط ملا، اس لئے سفر ملتوی کر دیا، میں نے نگرام کے حالات بتائے، اس کے بعد دن بھر اچھے رہے، گفتگو کرتے رہے، گھر کے لوگوں نے بتایا کہ معالج برابر کہہ رہے ہیں کہ اب یہ اپنی دعاؤں کے بدولت زندہ ہیں، ورنہ زندہ رہنے کی کوئی علامت باقی نہیں رہ گئی ہے، والد صاحب برابر فرما رہے تھے، سب آگئے، ظفیر ابھی تک نہیں آیا، اس کو دیکھنے کو جی چاہتا ہے، حالانکہ صرف ہفتہ عشرہ بیمار رہے، اللہ تعالیٰ یہ تمنا پوری فرمائے، معالج نے سنا تو کہا بس یہی بات ہے، یہی ہوا، جس دن دوپہر میں پہونچا، اسی دن شام سے کمزوری بڑھنے لگی، مگر مایوسی کی کیفیت قطعاً پیدا نہیں ہوئی، عشاء بعد بھی سبھوں سے ملتے رہے، یہاں تک کہ گھر اور بستی کے سارے لوگ سو گئے۔

والد صاحب کی آخری رات

صرف والدہ ماجدہ ان کی تیمار داری میں لگی ہوئی تھیں، ان سے کہا: ذرا صاف ستھرا بستر یہاں نیچے بچھا دے، بہت سارے لوگ ملنے آرہے ہیں، والدہ کہتی تھی کہ اس کے بعد السلام علیکم بار بار بلند آواز سے کہنے لگے اور بہت خوشی کا اظہار بھی فرماتے رہے، والدہ نے ابا سے کہا کہ آپ کس کو سلام کرتے ہیں؟ میں تو کسی کو نہیں دیکھتی، فرمایا: ہاں تو نہیں دیکھتی ہوگی، لیکن لوگ آرہے ہیں، ایک گھنٹہ تک یہی سلام کا سلسلہ جاری رہا، دوسرے کمرے میں دو بڑے بھائی سوئے ہوئے تھے، ان کے کانوں میں آواز پہونچی تو نکل کر آئے، والدہ سے کہنے لگے کیا آپ کو خوف معلوم ہو رہا ہے؟ کیا ایسی بات نہیں ہے کہ ایک گھنٹے سے سلام کا سلسلہ قائم ہے، کوئی نظر نہیں آتا اور خوب خوش ہو رہے ہیں؟ کیا ماجرا ہے؟ تھوڑی دیر بعد والد نے والدہ سے کہا: ظفیر جو برآمدہ میں سویا ہوا ہے اس کو بلا لے تا کہ وہ قرآن بڑھ کر سنائے والدہ نے جگایا، گھبرا کر اٹھا وضو کیا اور قرآن لے کر بیٹھ گیا ہلکی آواز سے پڑھنے لگا، کہ آواز ان کے کانوں میں پہونچے، میں نے دیکھا کہ ان کا سکون بڑھتا گیا، مگر سانس کے تیز چلنے کی آواز آنے لگی، ہم چار پانچ بھائی اور والدہ سب وہیں ان کے پاس بیٹھ گئے۔ فجر کی اذان ہوئی، تو آواز ان کے کانوں میں بھی پہونچی، ہم سبھوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم سب مسجد جا کر نماز پڑھ آؤ، میں نماز پڑھ کر سوتا ہوں ہم سب مسجد گئے، نماز پڑھی، اور نماز پڑھ کر پرانی حویلی میں

چلا گیا، بعد نماز بقیہ دوسرے سارے نمازی والد کے پاس نئی حویلی میں سلام کرنے حسب دستور سابق آئے، سبھوں نے سلام کیا مگر جواب ندارد، سبھوں کو حیرت ہوئی کیا بات ہے؟ چچا صاحب تو اچھی طرح ملتے تھے، والدہ نے کہوایا کہ ابھی نماز پڑھ کر سو گئے ہیں، نیند میں ہوں گے، خاندان کی دوسری عورتیں آئیں تھیں، پلنگ پر بیٹھنا چاہا تو والدہ نے منع کر دیا اور یہ کہا کہ حکم دیکر سوئے ہیں کہ ریاض الدین کی والدہ کے سوائے کوئی اجنبی عورت نہ بیٹھے۔

والد کی وفات

ایک پرانے آدمی کو کھٹکا ہوا، انہوں نے ناک پر ہاتھ دیا، کہنے لگے سانس بند معلوم ہوتی ہے، دوسرے نے دیکھا، تیسرے نے دیکھا، کہنے لگے چچا اب رہے نہیں، ابدی نیند سو چکے ہیں، اب دوڑ بھاگ شروع ہوئی، سبھوں نے سمجھ لیا کہ روح پرواز کر چکی ہے، والد صاحب نے ایک دن پہلے ہی والدہ کو تاکید کر دی تھی کہ میرے انتقال کے بعد کوئی آواز کے ساتھ ہرگز نہ روئے، سبھوں کو تاکید کر دینا، یہ تمہاری ذمہ داری ہے، چنانچہ میری بہنیں آئیں اور ان کی چیخیں نکلیں والدہ نے سختی کے ساتھ روکا اور ان کا قول سنایا، جس دن میں دوپہر میں پہونچا تھا، اس دن صبح میں غسل کر کے کپڑے بدل چکے تھے اور خوش تھے، سبھوں سے مل رہے تھے، اس کے بعد والد صاحب کے دفن کفن کی تیاری شروع ہوگئی، عصر سے پہلے تجہیز و تدفین عمل میں آئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

گویا ۲۷ر مئی ۱۹۴۶ء مطابق ۲۴ر جمادی الاولی ۱۳۶۵ھ یوم دوشنبہ کی صبح کو آپ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی، اور رفیق اعلی سے جا ملے، والد کے انتقال کے بعد صرف ایک ہفتہ گھر رہ کر نگرام واپس آ گیا۔

حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب مدظلہ کا خط

نگرام پہونچ کر حضرت الاستاذ مولانا عبد الرحمٰن صاحب مدظلہ (۱) چچا زاد بھائی کا خط ملا۔

(۱) حضرت مولانا عبد الرحمٰن پانچویں امیر شریعت بہار واڑیسہ قدیم استاذ اور چچا زاد بھائی ابھی ماشاء بقید حیات ہیں کوئی سو سال عمر ہوگی

"آپ کو شاید دوبارہ تار دیا گیا ہو، گذشتہ جمعہ مورخہ ۱۷ / مئی ۴۶ء کی صبح کو گھر کا تار ملا، جلد آجاؤ، چچا صاحب کی حالت نازک ہے اور اسی مضمون کا تار آپ کو بھی دیا گیا، اسی وقت دوپہر کی گاڑی سے روانہ ہوا، شنبہ ۱۸ / مئی کو گھر پہونچا، چچا صاحب بالکل صاحب فراش تھے، ہوش وحواس ماشاء اللہ ابھی تک باقی ہے، صرف گاہے گاہے ایک غنودگی سی مدہوشی ضرور ہوجاتی ہے، غذا میرے پہونچنے سے تقریباً آٹھ روز قبل بند تھی، اور اب بھی گویا بند ہے، میرے جانے پر نارنگی اور انار کا رس نچوڑ کر دیا گیا —— میں کل مئی ۲۶ / کو مدرسہ (گودنا) واپس آگیا، آپ کا چچا صاحب کو سخت انتظار تھا، یہ کارڈ دیکھتے ہی پہلی ٹرین سے پہونچیں"۔

والسلام

۲۴ / جمادی الاولی ۶۵ھ / ۲۷ / مئی ۴۶ء دوشنبہ، از گودنا — عبدالرحمٰن عفی عنہ

تعزیتی خط

دوسرا خط اس کے بعد تعزیت کا آیا۔

آپ کا کارڈ نوشتہ ۳۰ / مئی ۴۶ء سہ پر میں مدرسہ آیا تو دیگر خطوط کے ساتھ ملا، چچا مرحوم ومغفور کی وفات کی خبر سن کر صدمہ ہوا، مشیت ایزدی اور تقدیر الٰہی سب پر غالب ہے، میں کیا جانتا تھا کہ میرے آنے کے تیسرے ہی دن یہ سانحہ فاجعہ ہونیوالا ہے، گھر پہونچے کے باجود اخیر ساعت کی حاضری نہ ہوسکی، چچا مرحوم کی وفات ہمارے خاندان کے آخری چراغ کا بجھ جانا ہے، اب الطاف بزرگانہ اور عنایات اقارب کا خاتمہ ہوگیا، جو اُن بڑوں میں اپنوں کا درد وکرب تھا اب دوسری نسلوں میں کہاں؟ اب پچھلوں کے پہلوؤں میں وہ قلب کہاں؟ جو اُن کے سینہ میں دردِ اقارب میں تپاں تھا، اللہ تعالیٰ جوار رحمت میں جگہ دے آمین۔

عبدالرحمٰن عفی عنہ
ازمدرسہ حمیدیہ گودنا ۱۴؍جون ۴۶ء ۱۳؍رجب ۶۵ھ

حضرت سید صاحب نے بھوپال سے لکھا :

اخی فی اللہ تعالیٰ ! ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ۹؍جولائی کو ملا، آپ کی پریشانیوں کا علم ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائیں اور آپ کی مشکلوں کو دور کریں ——— آپ کے والد مرحوم کے سانحہ وفات کی اطلاع ہوئی، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور آپ لوگوں کو صبر وتسلی بخشیں۔

والسلام

سید سلیمان

۲۱؍شعبان ۱۳۶۵ھ

اس سال کا ملّی حادثہ اور بہار کا تاریخی فساد

اس سال بہار میں دوسرا زبردست حادثہ یہ پیش آیا کہ غیر مسلموں نے ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء میں مسلمانوں پر حملہ کر دیا، یہ فساد چھپرہ شہر سے شروع ہوا اور پٹنہ مونگیر وغیرہ میں پھیل گیا، اخبار نقیب پھلواری شریف کی رپورٹ کے مطابق چالیس ہزار مسلمان شہید ہوئے، بستی کی بستی ویران ہوگئی، یہ فساد دراصل نواکھالی کے انتقام کے نام پہ شروع کیا گیا تھا۔

اس زمانہ میں حضرت سید صاحب نے بھی لکھا :

بہار کے حالات اخباروں اور خطوط سے معلوم ہوتے رہے، بس یہی دعاء ہے، ربنا لاتجعلنا فتنة للقوم الظالمین، ونجنا من القوم الظالمین وانصرنا علی القوم الکافرین. (مکتوب ۱۳؍نومبر ۴۶ء)

حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمٰن نے گودنا ضلع سارن سے لکھا :

برادر عزیز ظفر الملۃ والدین ! صانکم اللہ من کل غائلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمدہ بخیریت رہ کر خواہاں خیر ہوں، ہم لوگ ۶؍ذی الحجہ مطابق یکم نومبر ۴۶ء کو امن ہوجانے کے بعد تعطیل عیدالاضحیٰ میں مکان چلے گئے اور ۱۹؍

دسمبر ۱۹۴۶ء کو مدرسہ آ گئے ـــــ بہر حال خدا کا ہزار شکر ہے، ریول گنج
تھانہ مسلم، بجز جلال پور کے بالکل محفوظ رہا، بقیہ حالات اخبارات میں
پڑھا ہوگا، نتیجب کی رپورٹ بھی دیکھی ہوگی، اب بفضلہ تعالیٰ امن ہے۔

(۲۴ نومبر از مدرسہ حمیدیہ گودنا)

ہندوستان کی آزادی

یہ آزادی سے ایک سال پہلے کا واقعہ ہے، بہار میں اس وقت کانگریس کی وزارت قائم تھی، اور وزیر اعلیٰ سر کرشن سنہا تھے، حکومت انگریزوں کی تھی، اس وقت میرا قیام نگرام میں ہی تھا کہ ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہوا، مگر تین حصوں میں تقسیم ہو کر، پاکستان، مشرقی پاکستان، اور ہندوستان دونوں پاکستان ایک حکومت کے تحت تھے۔

مسلمانوں کا قتل عام

تقسیم کے معاً بعد پنجاب اور دہلی میں قتل وخوں ریزی عام ہوگئی، سکھوں اور ہندوں نے عام طور پر مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا، پنجاب کے لاکھوں اور دہلی کے ہزاروں بے قصور مسلمان مذہب کے نام پر مارے گئے اور شہید ہوئے، یہ وقت بھی بڑا سخت وقت تھا، نفسی نفسی کا عالم تھا، مسلمانوں پر بدحواسی تھی، اور ہندوؤں پر خون سوار تھا۔

اسی سال گوڈسے نام کے ایک ہندو نے ۳۰ رجنوری ۱۹۴۸ء کو گاندھی جی پر گولی چلا کر ان کو مجمع عام میں مار ڈالا، ان کا قصور یہ تھا کہ وہ قتل وخون ریزی کے خلاف بیان دے رہے تھے۔

اس زمانہ میں سید صاحب کا ایک خط آیا، لکھا تھا:

عزیز حبیب! وفقکم اللہ تعالیٰ

الحمد للہ خیریت ہے، ہندوستان میں مسلمانوں پر جو کچھ گذر رہا ہے اس سے دل خون ہے، دہلی تاراج ہو رہی ہے، یہ سب ہماری بداعمالیوں کی سزا ہے، مگر افسوس کہ مسلمانوں کے قلوب میں اس قہر الٰہی کا کوئی احساس

نہیں، اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعاء کیجئے، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور نصرت فرمائے۔

والسلام

سید سلیمان

۱۶/ستمبر ۱۹۴۷ء

ملک کی آزادی کے ساتھ مسلمانوں کی بربادی کا یہ عجیب دل فگار عالم تھا، ایک دوسرے خط میں تحریر فرمایا :

عزیز مکرم ! نفعکم اللہ بعلومکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

زمانہ حال کے حوادث نے بے شبہ ہر مسلمان کو پریشان دل بنا رکھا ہے، سوائے اللہ کی نصرت وحفاظت کوئی دوسرا ذریعہ نہیں، اسی سے مدد کی درخواست اور حفاظت کی دعاء ہے۔

والسلام

سید سلیمان

۲۵/ذی قعدہ ۶۶ھ

آزادی کے بعد غیر مسلموں کا بغض وکینہ ابھر آیا

مختصر یہ کہ یہ وقت مسلمانوں پر بڑا سخت گذرا، اور تجربہ نے بتایا کہ یہاں کے ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں سے سخت نفرت مرکوز تھی، اقتدار ملتے ہی انہوں نے مسلمانوں کی بربادی کا تہیہ کرلیا اور ان کے بس میں مسلمانوں کی تباہی کے لئے جو کچھ تھا سب کر ڈالا کچھ اٹھا نہیں رکھا، انا للہ وانا الیہ راجعون .

اس وقت میرا قیام نگرام ضلع لکھنؤ میں تھا، ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کے بعد سے مسلمانوں کے لئے سفر کرنا مشکل ہوگیا تھا، نگرام کے اطراف میں بحمد اللہ کوئی ہنگامہ نہیں ہوا، پنجاب اور دہلی کے قصے اخبارات میں آرہے تھے اور اسے پڑھ کر ہر مسلمان سراسیمہ ہو رہا تھا، دسمبر کی اخیر تاریخوں میں گھر جانے کا میں نے پروگرام بنالیا، اس لئے کہ گھر والے سخت پریشان تھے، گو سفر کرنا آسان نہ تھا، ارباب مدرسہ بھی راضی نہیں تھے کہ میں اس زمانہ میں سفر کروں، چنانچہ انہوں نے بقایا کئی ماہ کا مشاہرہ بھی نہیں دیا، دلدہی کرتے رہے۔

حضرت سید صاحب اپنے خطوط کے ذریعہ میری اصلاح فرماتے رہے، اور اگست

۱۹۴۷ء کے زمانہ میں میرے لئے ڈھارس بنے رہے، برابر رجوع الی اللہ کی تلقین فرماتے رہے۔

نگرام سے کنارہ کشی

لیکن جب دسمبر ۴۷ء کے اخیر میں گھر گیا، تو گھر والوں نے راستہ کی بدامنی کی وجہ سے نگرام واپس نہیں آنے دیا، والد کا انتقال ہو چکا تھا، والدہ بقید حیات تھیں، سب سے بڑے بھائی ریلوے میں ملازم تھے، وہ مشرقی پاکستان اپنا تبادلہ کرا چکے تھے، ایک اور بھائی ریلوے میں ملازم تھے، وہ ہندستان میں ہی رہے، منجھلے بھائی ریاض الدین جو گھر کے کارپرداز تھے، وہ کسی قیمت پر میرے نگرام جانے پر حالات کے وجہ سے راضی نہیں ہوئے، اور آزادی کے بعد حالات بھی کچھ ایسے تھے کہ مسلمانوں کی جان محفوظ نہیں رہ گئی تھی۔

سانحہ کی تجویز

اسی زمانہ میں مولانا محمد شافق صاحب (برونی) تشریف لائے، تو میرے بھائی صاحب نے ان سے عرض کیا کہ آپ ان کو (میری طرف اشارہ کر کے) کہیں آس پاس مدرسہ میں سردست رکھوا دیں، یہ نگرام کے لئے ضد کرتا ہے، جو موجودہ حالت میں مناسب نہیں ہے، مولانا نے فرمایا: میں خط لکھتا ہوں، جواب آ گیا تو بھیج دونگا، سانحہ مدرسہ میں جگہ ہے، یہ شریف سادات کی بستی ہے، وہاں مدرسہ کے سکریٹری صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا کہ کوئی اچھا عربی کا مدرس دیا جائے۔

مولانا شافق (۱) اپنے گھر تشریف لے گئے، برونی کے پاس پھلوریہ ان کا مکان تھا، ایک ڈیڑھ ہفتہ کے بعد ان کا بڑا لڑکا ہاشم مولانا مرحوم اور مہتمم مدرسہ سانحہ دونوں کا خط لے کر آیا کہ مولوی ظفیر کو آپ سانحہ بھیج دیں، بھائی ریاض الدین نے کہا جاؤ، وہاں جا کر دیکھو، پسند آئے تو ایک سال کے لئے رہ جاؤ، ہاشم سے میں نے ٹرین کا راستہ معلوم کیا، اس نے بتایا کہ

---

(۱) حضرت مولانا شافق صاحب ہمارے استاذ محترم مولانا عبد الرحمٰن صاحب موجودہ امیر شریعت بہار واڑیسہ کے ساتھی تھے، اور حضرت مولانا ریاض رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد، دیہ برونی جنکشن کے قریب پھلوریہ کے رہنے والے تھے، کئی سال پہلے ان کی وفات ہو چکی۔

نو بجے دن میں سمستی پور سے ایک ٹرین گذرتی ہے جو سیدھے لکھمیا اسٹیشن پہونچتی ہے، وہاں سے اتر کر ٹم ٹم (تانگہ) پر بیٹھ کر باسانی سانحہ پہونچ سکتے ہیں۔

سانحہ کے لئے روانگی

گھر والوں کے اصرار پر میں تیار ہو گیا، اور ۳؍ربیع الاول ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۶؍جنوری ۱۹۴۸ء یوم جمعہ کو علی الصباح گھر سے روانہ ہو کر در بھنگہ، پھر وہاں سے سمستی پور پہونچا، وہاں وہ ٹرین مل گئی جس کی ہاشم نے نشاندہی کی تھی، اس میں بیٹھ کر دوپہر میں کوئی دو ڈھائی بجے دن میں سانحہ سکریٹری صاحب مدرسہ معینہ کے دولت کدہ پر پہونچ گیا، سکریٹری کا نام حاجی فضل الکبیر تھا، انہوں نے خیر مقدم کیا، خوش آمدید کہا اور فوراً تازہ کھانا پکوا کر کھلایا، کیوں کہ وہ لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تھے، پھر میں نے ظہر کی نماز ادا کی، یہ دن جمعہ کا تھا تمام لوگ جمعہ اپنے وقت پر ایک بجے دن میں ادا کر چکے تھے، گویا میں مہمان تھا اور سکریٹری صاحب میزبان۔

حاجی صاحب ایک اچھے خاصے زمیندار اور رئیس تھے اور بڑے پختہ دیندار، پنج وقتہ جماعت کے پابند، صورت و شکل سے پورے مولوی، ان کے دروازہ پر کافی پیادے اور کاشتکاری کے مزدور ہمہ وقت موجود رہتے تھے، اس وقت ان کی عمر پچاس پچپن ہوگی، مجھے انہوں نے اپنے بنگلہ میں ٹھہرایا، اسی میں میرے مستقل قیام کا انتظام کیا، رات میں اس بنگلہ میں تنہا رہتا تھا، البتہ ایک غیر مسلم پیادہ رات میں آکر سوتا تھا۔

مدرسہ معینیہ کی حیثیت

اس وقت اس مدرسہ کا کوئی خاص مکان نہیں تھا، بلکہ فاضل بابو کے زنانہ مکان کی پشت پر ایک لمبا چوڑا چھپر پڑا ہوا تھا، تعلیم اس میں ہوتی تھی، صبح سات بجے مجھے مدرسہ میں لیجایا گیا، پورے چھپر کے نیچے تخت بچھے ہوئے تھے، اور ان پر چھوٹے چھوٹے بچے پڑھ رہے تھے، دو مدرس تھے، جو کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، کچھ حفظ قرآن کے طلبہ بھی تھے، میں ان دونوں اساتذہ سے ملا، خیرت پوچھی، اور بیٹھ گیا، میں نے حافظ عبدالحق عرف جمعہ سے دریافت

کیا کہ عربی پڑھنے والے طلبہ بھی ہیں؟ کہنے لگے شروع سال میں عربی کے مدرس نہیں تھے، اس لئے جو طلبہ تھے وہ چلے گئے، نئے آئے نہیں، اب آپ آئے ہیں، طلبہ آئیں گے، دوسرے حافظ تقی احمد مدرس تھے، جو مقامی تھے یہ حفظ پڑھاتے تھے۔

صبح میں بچوں کے لئے ناشتہ کی چھٹی ہوا کرتی تھی، میں بھی ناشتہ کے لئے بنگلہ پر آ گیا، سکریٹری صاحب نے فرمایا کہ سر دست ان طلبہ کو فارسی کتابیں شروع کرا دیجئے جو لائق ہوں تا کہ ان کا وقت اب برباد نہ ہونے پائے، مقامی بدرالدین نامی ایک دوسرا طالب العلم تھا جو ہدایۃ النحو وغیرہ پڑھتا تھا، پھر کچھ دونوں کے بعد مقامی غیاث الغنی نامی دوسرے طالب العلم ہدایہ پڑھنے والے آ گئے، ورنہ عام طور پر فارسی اور اردو کے طلبہ تھے، ان دونوں عربی پڑھنے والے طالب العلموں میں سے پہلے کا نام بدرالدین اور دوسرے کا نام غیاث الغنی تھا۔

ابتداءً ذہن کو جھٹکا لگا کہ یہاں ان حالات میں رہنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ مشکوۃ، ہدایہ کا معلم گلستاں، بوستان اور فارسی کی پہلی اور تعلیم الاسلام پڑھائے؟ مگر یہاں کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا، ذہن کو اطمینان دلایا کہ یہاں عارضی طور پر قیام ہے، وقت گذار لیا جائے، ملک کے حالات اچھے نہیں ہیں، پھر دیکھا جائے گا۔

صدر مدرسی کے عہدہ پر

یہاں میرا تقرر چالیس روپے ماہانہ مع طعام و قیام ہوا تھا، کھانا و ناشتہ سکریٹری صاحب اپنی طرف سے دے رہے تھے، اور مشاہرہ مدرسہ کے فنڈ سے مل رہا تھا، دو ماہ بعد میری تنخواہ چالیس سے پچاس روپے کر دی گئی، جو خط سکریٹری صاحب کا مولانا شافق کے نام تھا، اس میں تنخواہ کی صراحت تھی کہ سر دست چالیس روپئے دئے جائیں گے، دو ماہ بعد اضافہ ہو سکتا ہے۔

موضع سانحہ گنگا کے کنارے ایک بڑا قصبہ ہے، جو چند محلوں پر تقسیم ہے، جہاں کی آب وہوا خوشگوار اور صحت بخش محسوس ہوئی، وہاں کے اکثر باشندے سادات خاندان کے ہیں، اور بہت سادے اور نیک طبیعت پرانی وضع کے نظر آئے، مجھے بہت جلد ان سے طبعی مناسبت ہو گئی، میں ابھی بالکل نوجوان تھا، صرف دو تین سال مدرسی کر کے آیا تھا، مجھے یاد ہے ایک سن رسیدہ

شخص میرے پاس مدرسہ میں تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ آپ میرے پوتے کی عمر کے ہیں، ہم نے سوچا تھا کہ کوئی بوڑھا ہوگا تو ہم لوگ بھی ان کے ساتھ بیٹھ سکیں گے، میں نے ہنس کر کہا، انشاء اللہ اس کا بھی انتظام ہوگا، چنانچہ دو چار ماہ کے بعد یہ صاحب بھی مانوس ہو گئے۔

مدرسہ سانحہ میں میرا طرز عمل

میں بوڑھوں میں بیٹھ کر بوڑھوں جیسی باتیں کرتا تھا، جوانوں میں جوانوں جیسی، اور بچوں میں بچوں جیسی، یہی وجہ ہے کہ سارے چھوٹے بڑے مجھ سے مانوس تھے، زیادہ مطالعہ کر کے پڑھانے کا سوال نہیں تھا کہ چھوٹی کتابیں تھیں اس لئے اوقات مدرسہ کے علاوہ میں مضامین اور کتب بینی مشغلہ تھا، حالات کے مطابق میں نے لائحہ عمل بنالیا تھا، اس وقت سانحہ میں پڑھے لکھے لوگ بہت کم تھے، اکثر معمولی اردو پڑھے لکھے تھے، اور سادے تھے، اور یہ بھی مقدمات میں الجھے رہا کرتے تھے، جس بنگلہ میں میری رہائش تھی اسی پر مقدمات کے سلسلہ میں کمیٹیاں ہوا کرتی تھیں، مگر میں کبھی ان لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھا، اور نہ ان کی باہمی گفتگو پر دھیان دیا، ان میں بہت سے لوگوں کو تعجب بھی ہوتا تھا، کہ یہ کیسا مولوی ہے؟۔

اس وقت امامت کے فرائض حافظ تقی صاحب انجام دیا کرتے تھے، مگر میرے آجانے کے بعد امامت میری طرف منتقل کر دی گئی، اس طرح یہ مسجد کی امامت میرے ہی ذمہ تھی، صبح میں سویرے سکریٹری صاحب اندر سے آکر بیدار کیا کرتے تھے، جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ اور کبھی قبل پابندی سے تقریریں بھی کیا کرتا تھا، تقریر کی اس زمانہ میں بڑی اچھی مشق تھی جو کہتا تھا اخلاص سے کہا کرتا تھا، اس لئے لوگ کافی متاثر تھے، یہاں کے چھوٹے بڑے سارے لوگ ”مولانا صاحب“ کے ذریعہ خطاب کرتے تھے۔

سانحہ کے قیام کی اطلاع

سانحہ ضلع مونگیر پہونچ کر میں نے حضرت سید صاحب مدظلہ، مولانا عبدالرحمٰن اور حضرت الاستاذ مولانا اعظمی مدظلہ کو خطوط لکھے کہ یہاں کی یہ صورت حال ہے۔

حضرت سید صاحب کا مشورہ

حضرت سید صاحب کا گرامی نامہ آیا۔

عزیز مکرم ! حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فقیر ایک ضرورت سے وطن گیا تھا، اب واپس آیا ہوں، آپ کا خط ملا، میرے خیال میں تو قرب وطن کے سبب یہ جگہ (سانحہ) مناسب ہے، آپ وہاں (نگرام) سے کچھ دنوں کی فرصت لے لیں، باقی مدارس کا سرمایہ تو ہر جگہ توکل علی اللہ ہی ہے، خزانہ شاہی کہاں ہے، اس کا خیال بیکار ہے، یہ دیکھیں کہ لوگ آپ سے متمتع ہونے کے شائق ہیں؟ میرا مشورہ یہی ہے۔

والسلام

۱۳/ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

سید سلیمان

اس کے بعد بھی سید صاحب برابر دلدہی کا خط لکھتے رہے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کا گرامی نامہ

ہمارے قدیم استاذ مولانا عبدالرحمٰن مدظلہ نے لکھا :

جب مدرسہ معینیہ میں قیام اختیار کرلیا، تو اسی میں اللہ تعالیٰ سے خیر کی توقع رکھنا چاہئے انتشار فضول ہے، دنیا مختلف آویزشوں کا نام ہے، دنیا میں سکون چین کہاں؟ (۱۳/مارچ ۴۸ء)

حضرت الاستاذ مولانا اعظمی کا گرامی نامہ

بہر حال سانحہ اگر پسند ہے، تو وہیں قیام کرلو، نگرام سے جی اکتا گیا ہے، تو بے دلی سے وہاں رہنے سے اچھا یہی ہے کہ دوسرا انتظام کرلیا جائے، اس وقت میرے پاس ڈابھیل سے متواتر خطوط اور تار آرہے ہیں کہ کوئی مدرس دیجئے کہ مشکوٰۃ وجلالین بخوبی پڑھا سکے، یہاں کوئی جانے کے لئے آمادہ نہیں ہے، اگر تم آمادہ ہو تو میں وہاں لکھوں، پچھتر روپے دینے

کے لئے وہاں کے مہتمم نے لکھا ہے، مگر میں نوے کے لئے لکھوں گا، اگر

خیال ہو تو فوراً جواب دو۔

حبیب الرحمٰن الاعظمی

۱۲؍ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

ابھی تو سانحہ آیا ہی تھا، ڈابھیل جانے کی رائے نہیں ہوئی، حضرت الاستاذ مدظلہ کو جو عذر تھا وہ لکھ دیا کہ اس زمانہ میں گھر والے دور جانے کو پسند نہیں کرتے ہیں، بلکہ سخت مانع ہیں، کہتے ہیں کہ یہ سال کسی طرح اپنے صوبہ میں قریب رہ کر گذار لو، جب ملک کے حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو پھر دور دراز جانے میں حرج نہیں ہے۔

سانحہ میں مستقل قیام کا ارادہ

دو تین ماہ کے قیام کے بعد میں نے مدرسہ معینیہ سانحہ ''ضلع مونگیر'' میں کچھ دنوں کے لئے مستقل قیام کا ارادہ کرلیا، وہاں کے لوگ محبت سے پیش آتے تھے، سکریٹری صاحب کو خاص انس تھا۔

ابتدائی ایام کی کچھ ضروری باتیں بھی سننے کے لائق ہیں، ملک تقسیم ہو کر ابھی آزاد ہوا تھا، مگر کانگریس اور مسلم لیگ کے نام پر مسلم آبادی میں پارٹی بازی کی لعنت ابھی ذہنوں میں باقی تھی، سانحہ مدرسہ کے ممبران میں بھی دونوں خیال کے لوگ تھے، سکریٹری صاحب مسلم لیگ خیال کے تھے، اور صدر صاحب کانگریسی، مگران حضرات کو عملی سیاست سے قطعاً لگاؤ نہیں تھا۔

میں جب سانحہ پہونچا، اس وقت میری پوشاک سر سے پیر تک کھادی کپڑوں کی تھی، مسلکاً جمیعتی تھا بھی، دیکھ کر چرچے شروع ہوئے کہ سکریٹری صاحب نے جس صدر مدرس کو بلایا ہے، اندازہ ہے کہ وہ لیگی نہیں ہیں، دیکھئے وہ کیا کرتے ہیں؟ حالانکہ خود سکریٹری صاحب بھی کھادی کپڑوں کا پائیجامہ کرتا پہنے ہوئے تھے، لیکن گاؤں والوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ہم دونوں میں خوب اچھا میل ملاپ ہے، خاموشی کے ساتھ لوگ میرے پاس آکر ملتے، اور ٹٹولتے کہ میں کانگریسی ہوں یا مسلم لیگی، میرا مزاج ہمیشہ سے ایسا رہا کہ نہ کبھی خالص کانگریسی بنا اور نہ مسلم لیگی، کوئی پوچھتا تو کہہ دیتا کہ میں کبھی نہ کانگریس کا ممبر بنا، اور نہ مسلم لیگ کا، اور یہی واقعہ تھا۔

بارہ وفات کی آمد

بارہ ربیع الاول کی تاریخ جلد ہی آگئی، وہاں دستور یہ تھا کہ اس تاریخ میں تقریباً ہر خاندان اپنے گھر میں سیرت النبی ﷺ کا جلسہ کیا کرتا تھا، نماز فجر بعد ایک جگہ تقریر ہوئی، پھر ناشتہ بعد دوسرے گھر میں تقریر ہوئی، پھر تیسرے گھر میں، اسی طرح بعد ظہر بھی تقریریں ہوتی رہیں، اس زمانہ میں میری زبان بہت صاف اور شگفتہ تھی اور بہت چلتی تھی، سننے والے ہر جگہ یہی لوگ تھے اس لئے میں سیرت کے مختلف موضوع پر بولا، رات میں صدر مدرسہ کے دوازہ پر ایک بڑا جلسہ ہوا، اس میں بھی تقریر کرنا پڑی، یہ تقریر لمبی ہوئی اور خوب جمی، اس جلسہ میں دوسرے محلوں کے لوگ بھی بڑی تعداد میں شریک تھے۔

تقریر کا جادو

میں نے محسوس کیا میری تقریروں سے پورے محلے کے مرد وعورت کافی محظوظ اور خوش ہوئے، اور مسرت کا اظہار بھی کرتے کہ تکرار مضمون میں نہیں ہوتا ہے، ہر مجلس میں نئی باتیں اور سیرت کا نیا پہلو، اس سے کافی لوگ میرے علم کے معتقد ہو گئے، اور میری کم عمری سے جو دغدغہ تھا، وہ زائل ہو گیا، اور زبان پر یہ بات آنے لگی کہ اب تک آنے والے علماء میں یہ سب سے قابل ہیں، میں نے محسوس کیا کہ طالب العلمی کی تقریر کی مشق آج بہت کام آئی اور اسی نے مجھے اس مدرسہ میں جمایا، نگرام میں بھی ہر جمعہ سکریٹری صاحب تقریر کرواتے تھے، اس لئے اچھی مشق تھی۔

نئے مدرس کو لوگ مختلف طور پر آزماتے ہیں، یہ معاملہ میرے ساتھ بھی ہوا، مگر ہر لمحے میں مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کامیابی حاصل ہوئی، یہ منجانب اللہ میری مدد تھی، کافی دنوں کے بعد بعض کٹھ ملاؤں نے میرے خلاف تحریک بھی چلائی کہ ان کی اس قدر عزت کیوں ہے؟ مگر سبھوں کو شکست فاش ہوئی، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

ایک نئی آزمائش

تیسرے مہینے میں ایک نیا حادثہ پیش آیا کہ سکریٹری صاحب کے ایک مخالف ممبر ایک

دن مدرسہ کی تعلیم کا معائنہ کرنے آئے، اور مجھے بتایا گیا کہ یہ مجلس عاملہ کے رکن ہیں، بچوں کا فارسی کتابوں میں امتحان لیا، جواب سن کر وہ حیران رہ گئے، اور محسوس کیا کہ مدرس ذی علم بھی ہے اور پڑھانے کا سلیقہ بھی جانتا ہے پھر کہنے لگا: میں معائنہ لکھنا چاہتا ہوں، آپ رجسٹر منگوایئے میں نے منگوا کر ان کے سامنے کر دیا، انہوں نے معائنہ لکھا، مدرس اول کی اور تعلیم کی بہت تعریف لکھی، مگر یہ بھی لکھا کہ سکریٹری صاحب ڈکٹیرانہ فیصلے کرتے ہیں اور آمرانہ انداز کے مالک ہیں، پچھلی مجلس میں انہوں نے صدر مدرس کی تنخواہ میں اضافہ کیا، اور بقیہ دو مدرسین کے لئے کچھ نہیں کیا۔

جب دوپہر کے کھانے کے لئے بنگلہ پر آیا، تو سکریٹری صاحب نے پوچھا کہ سنا ہے کہ فلاں ماسٹر صاحب معائنہ کرنے آئے تھے، میں نے کہا جی آئے تھے اور کچھ لکھ کر بھی گئے، فرمایا: معائینہ دیکھیں، پڑھ کر انہیں بہت غصہ آیا، کہنے لگے تنخواہ مجلس نے بڑھائی اور نئے مدرس کے تقرر نامہ میں وعدہ تھا کہ دو ماہ بعد تنخواہ بڑھادی جائیگی، اس میں دوسرے مدرسین کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

ممبر موصوف کی خاکسار کو دھمکی

سکریٹری صاحب تو بس اتنا بول کر خاموش ہو گئے، معائنہ کرنے والے نے محسوس کیا کہ تیر نشانہ سے خالی گیا، اس کے دو تین دنوں بعد میرے نام ان کا خط آیا کہ مدرسہ بعد دوپہر میں آپ مجھ سے میرے گھر پر ملاقات کریں، مدرسہ کے سلسلہ میں کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ یہ سخت گرمی کا زمانہ تھا، چھتری لے کر میں تنہا چلا گیا، ان کا محلہ الگ تھا مگر قریب ہی تھا، دیکھا کہ ان کا موڈ بدلا ہوا ہے، گذشتہ واقعات کا تذکرہ شروع کر دیا کہ سکریٹری صاحب سے میری لڑائی چلتی رہی ہے، اب پھر جھگڑا شروع ہونے والا ہے، میرا مشورہ ہے کہ آپ بستر باندھ کر چلے جایئے تا کہ آپ لپیٹ میں نہ آسکیں، پھر میری طرف سوالیہ نشان کے ساتھ دیکھا، اور جب میں نے جواب نہیں دیا، تو پھر ایک زور دار تقریر کی اور گذشتہ مدرسوں کے واقعات سنائے۔

میرا جواب

میں نے سب سن کر اخیر میں کہا کہ اب جبکہ میں نے اساتذہ کرام کو یہ لکھ دیا ہے کہ مجھے سانحہ میں رہنا ہے اور گھر والوں کو بھی، تو یک بیک کوچ کر کے جانا کیسے مناسب ہوگا، انہوں نے گرم ہو کر کہا کہ اب میری کوئی ذمہ داری نہیں ہے آپ جائیں، میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے، میں جانے کی پوزیشن میں فی الوقت نہیں ہوں، جب تک کمیٹی کا پروانہ میرے ہاتھ میں نہ ہو، ورنہ سننے والے مجھے برا کہیں گے کہ مولوی صاحب میں کوئی بڑا عیب تھا، پھر آپ لوگوں کو کوسیں گے کہ بہت برے لوگ تھے، پہلی جگہ بھی چھوڑا دی، اور اپنے یہاں سے بھی بلا قصور نکال دیا، اور میں ان میں سے کسی صورت کو پسند نہیں کرتا، آپ مجھے میری تقدیر کے حوالہ کر کے چھوڑ دیجئے، وہ پیچ تاب کھاتے رہے، میں وہاں سے اٹھ کر اپنی قیام گاہ پر آ گیا، یہاں اس دن اتفاق سے میرے استاذ مولانا سید محمد علی مدظلہ ضیاء الحق کے یہاں آئے ہوئے تھے، وہ ملنے بنگلہ پر آئے، تو معلوم ہوا کہ میں ماسٹر کے پاس گیا ہوں، بہت فکر مند ہوئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مولوی صاحب کو بے عزت کرنے کی سازش ہو۔

مولانا محمد علی کی پریشانی

میں پہونچا تو دیکھا بنگلہ پر انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں، سلام وعاء کے بعد غصہ میں کہنے لگے، تم نے اس جگہ کو دربھنگہ سمجھ رکھا ہے، یہ تو بڑی خطرناک جگہ ہے، اس دوپہر میں کیوں گئے؟ اگر مار ڈالدیتے تو؟ بولکر جب خاموش ہوئے تو پوچھا کیا بات تھی؟ میں نے اوپر کی تفصیل بتادی، فرمایا: شکر ہے تم باعزت واپس آ گئے، آئندہ ایسا کبھی نہ کرنا۔

استاذ محترم میرے پاس سے اٹھ کر ضیاء الحق صاحب کی بیٹھک میں پہونچے، اور وہاں سارا قصہ سنایا اور کہا کہ ان کو ایک بڑی جگہ سے آپ کے یہاں اسی لئے بھیجا گیا تھا؟ ضیاء الحق صاحب بوڑھے سمجھ دار آدمی تھے، ساری بات سن کر کہنا شروع کیا: مولانا آپ گھبراتے ہیں، یہاں ایسے ہی عالم کی ضرورت تھی مرد آدمی ہیں، اور یہ جو آپ خطرہ کی بات کہتے ہیں کہ ہمارے مولانا صاحب کو کوئی گزند پہونچائیگا، صحیح نہیں ہے، جب تک جیو (ضیاء الحق) اور فاضل

(فضل الکبیر) زندہ ہے، یادرکھیں! جو انگلی دیکھائیگا اس کی انگلی توڑ دی جائیگی، اور جو آنکھیں دیکھائیگا اس کی آنکھیں نکلوالی جائیگی، آپ نے کیا سمجھا ہے، خوب کڑکتی آواز میں یہ سب کیا، وہاں دوسرے لوگ جو بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے بھی تائید کی، یہ سن کر مولانا محمد علی صاحب کو اطمینان خاطر ہوا، مولانا بیگوسرائے کے ایک ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی تھے، جاتے ہوئے کچھ نصیحت فرماگئے، اور کہا: رہو مگر احتیاط سے رہنا، کسی کی باتوں میں نہ آنا، یہ مونگیر ضلع ہے، یہاں کے لوگ خطرناک ہوتے ہیں۔

ہمارے سکریٹری صاحب باا ثر بھی تھے اور بہت نیک بھی، اور مجھ سے بہت محبت رکھتے تھے، فرماتے تھے کہ مولانا آپ مدرسہ بنوادیں میں ہر طرح تعاون کے لئے تیار ہوں، اور جب تک مدرسہ بن نہ جائے اس وقت آپ یہاں ضرور رہیں، میرا تعاون آپ کے ساتھ پورے طور پر رہے گا۔

تفسیری سلسلہ

تھوڑے دنوں کے بعد سکریٹری مدرسہ حاجی فصل الکبیر صاحب کی رائے ہوئی کہ صبح میں بعد نماز فجر تفسیر قرآن کا سلسلہ آپ شروع کردیں، میں نے یہ قبول کرلیا، اور درس قرآن کا سلسلہ شروع کردیا، بحمد للہ اس سے کافی فائدہ ہوا، میں نے بیان کردہ تفسیر لکھ لینے کا بھی اہتمام کیا تھا اور اس طرح اچھا حصہ تیار ہوگیا تھا، مگر میرے غائبانہ میں وہ حصہ کاٹ کر کسی نے رکھ لیا اور تلاش کرنے پر مجھے نہیں مل سکا۔

حضرت سید صاحب کی مسرت

اس سلسلہ کی اطلاع کسی خط میں حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دی، تو آپ نے تحریر فرمایا:

عزیز مکرم! وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمد للہ کہ لوگ خوش ہیں، آپ مولیٰ کی رضامندی میں ساعی رہیں، بندگان خدا آپ کی رضا میں ساعی رہیں گے۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد از حکم تو ہیچ

درس قرآن دیں، سیدھے سادھے طریقے پر بیان کردیں اللہ تعالیٰ فائدہ دیں گے، ترجمہ اور تسہیل مطالب پر اکتفا کریں، حلال وحرام اور احکام بیان کریں اور قناعت اور استغناء عن الخلق پیشہ کریں، ھو الرزاق ذو القوۃ المتین تفسیر ابن کثیر، بیضاوی، تفسیر بیان القرآن مولانا تھانوی کی، اور حدیث میں مشکوۃ لے لیں۔ والسلام

۹ر فروری ۱۹۴۸ء، از بھوپال سید سلیمان

دیکھنے میں خط بہ مختصر مگر معانی ومفہوم کے اعتبار سے وعظ ونصیحت کی پوری کتاب اور نئے معلم کے لئے ہدایت ورہبری کا بھرپور خزانہ۔

حوصلہ افزائی

اس کے بعد ایک دوسرے خط میں لکھا :

عزیزی ! ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خوش ہوجایئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلمانوں کے فائدہ پہونچانے کا موقع دیا ہے، اس موقع سے فائدہ اٹھایئے اور مفید بن کر مستفید بنئے، آپ کی ہر تقریر کا اصل مدعا رضاء الٰہی کے لئے پہلے خود مستفید ہونا ہو، پھر دوسروں کو مستفید کرنا، جس میں طلب شہرت اور طلب جاہ ومال کا شائبہ نہ ہو، آپ درس قرآن شروع کریں، اللہ تعالیٰ برکت دیں گے۔

اچھا ہو گر مستفدین کو حضرت تھانویؒ کے مواعظ پڑھ کر سنایا کریں، اس میں بڑے فائدے ہیں، اب تو ہندوستان میں تعلیم کا مرکز مغرب کے بجائے انشاء اللہ مشرق ہوگا، حالات کا تقاضا یہی ہے، والامر بید اللہ تعالیٰ دعاء کیجئے اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائیں۔ والسلام

سید سلیمان

۳۱ر فروری ۱۹۴۸ء

مدرسہ تعلیمی اعتبار سے سال بسال ترقی کرتا رہا، عربی پڑھنے والوں کی دو تین جماعتیں تیار ہو گئیں، میری ساری توجہ ایک طرف طلبہ پر مرکوز تھی، دوسری طرف یہاں کے مسلمانوں میں علمی ذوق پیدا کرنے کی دلی خواہش، بحمد اللہ میں ان دونوں میں کامیاب تھا۔

حضرت الاستاذ مولانا اعظمیؒ برابر ترغیب فرماتے رہے تھے کہ خود اپنے مطالعہ پر زور دینا اور یہ کہ طالب العلموں کی علمی صلاحیت سے کبھی چشم پوشی نہ ہونے پائے۔

حضرت الاستاذ کا خط

ایک خط میں لکھا:

> میں کیا کہوں، مجھے تو ایسا نظر آرہا ہے کہ علم کی روشنی ہندوستان میں برابر کم ہوتی جارہی ہے، مدرسہ کی تعداد بڑھ رہی ہے، اور علم کم ہوتا جارہا ہے، علماء کو بھی احیاء علم کا خیال نہیں، ایسے افراد ساز و نادر دیکھنے میں آتے ہیں، جن کو علمی ترقی کا خیال ہو، بڑے سے بڑے مدرسہ میں غوغا کے سوا کچھ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ (۲۱؍فروری ۱۹۴۸ء)

طالب العلمی میں جب میری تعلیم ہو رہی تھی، تو مجھے اس کی شکایت تھی کہ کوئی کتاب پوری نہیں ہو سکی، کسی کتاب کا چوتھائی حصہ اور کسی کا اس سے بھی کم، اس لئے میں نے کبھی کوئی کتاب ادھوری نہیں پڑھائی بلکہ ساری کتابیں از اول تا آخر پڑھانے کا اہتمام رکھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس میں کامیابی عطا کی۔

کچھ دنوں کیلئے جدائی

پہلے تذکرہ آچکا ہے کہ سانحہ کا ایک خاندان میرے خلاف تھا اور وہ پروپیگنڈا کر رہا تھا کہ مجھے پچاس روپئے تنخواہ میری حیثیت سے زیادہ دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت الاستاذ نے بار بار لکھا کہ تم ڈابھیل چلے جاؤ، وہاں ایک سو پینتیس روپئے سر دست دینگے، مشکوۃ وغیرہ کتابیں پڑھانی ہیں، چنانچہ ایک خط تحریر فرمایا۔

عزیزم ! سلمہ اللہ

السلام علیکم

خیریت ہے، اپنی خیریت لکھو، مہتمم مدرسہ ڈابھیل کا پرسوں ایک خط ملا ہے، انہوں نے مزید ایک مدرس کی ضرورت ظاہر کی ہے، اگر تم آمادہ ہو تو فوراً مجھے مطلع کرو، مشکوۃ، جلالین، ہدایہ وغیرہ غالباً پڑھانے کو ملیں، ابوداؤد اور نسائی کا بھی امکان ہے، کم از کم ایک سو پچیس کے لئے لکھونگا، جانے کے لئے سفر خرچ علاوہ دیں گے، جواب بہت جلد دو، میں اپنی رائے زبانی ظاہر کر چکا ہوں، وہاں مطالعہ کے علاوہ اہل علم کی صحبت بھی حاصل ہوگی، قاضی اطہر وغیرہ خوش معلوم ہوتے ہیں، وہاں طرز تعلیم یہ ہے کہ عبارت پڑھنے کے بعد استاذ پوری عبارت کا خلاصہ خوب واضح بیان کر جائے، پھر ترجمہ مع تطبیق، اس سے طالب العلم خوب خوش ہوتے ہیں، درمیان میں حاشیہ یا لغت دیکھنے سے طلبہ کو بداعتقادی پیدا ہوتی ہے، یہ وہاں کا حال ہے، مولوی یوسف بنوری (۱) وہاں کے صدر مدرس ہیں، اور اچھی نظر رکھتے ہیں، چند کتابوں کے مصنف ہیں۔

والسلام

حبیب الرحمٰن الاعظمی مؤاعظم گڑھ

۲۴/ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ

ڈابھیل کے دور ہونے کی وجہ سے حتی الوسع ٹال مٹول کرتا رہا، میں تو اب تک مئو سے آگے کہیں گیا ہی نہیں تھا، اتنی دور گجرات میں کیسے جاؤنگا؟ یہ سوچ کر پریشان ہو جایا کرتا تھا۔

حضرت الاستاذ کا حکم

مگر کچھ وقفہ کے بعد حضرت الاستاذ مدظلہ کا دوسرا خط آیا۔

عزیزم ! سلمہ اللہ السلام علیکم

میں نے ڈابھیل جو خط لکھا تھا، اس کے جواب میں ایک تار اور ایک

(۱) حضرت مولانا محمد یوسف بنوری تلمیذ رشید حضرت کشمیریؒ اس وقت ڈابھیل میں صدر مدرس تھے۔

خط آیا ہے، میں نے ایک سو پچاس کے لئے زور دیا تھا، مگر انہوں نے سردست ۱۲۵ منظور کئے ہیں، اور بہت تاکید کی ہے، کہ اگر منظور کرلیں تو بہت جلد بھیج دیجئے، تعجب ہے، میں نے اس سے پہلے تم کو خط لکھا تھا مگر تمہارا جواب اب تک نہیں آیا، اب جو رائے ہو مفصل لکھو، میں اپنی رائے پہلے خط میں مفصل لکھ چکا ہوں، میں نے شاید لکھا تھا کہ دورہ کی بعض کتابیں بھی ممکن ہیں ملیں، ان کے خط سے معلوم ہوا کہ اگر دورہ میں چل سکیں تو ایک سو پچاس ہی دیں گے، اب یہ تمہاری محنت و ہمت پر موقوف ہے، جلد سے جلد جواب دو، بلکہ اگر منظور ہو تو منظوری کی اطلاع تار سے دیکر روانگی کے وقت کی بابت خط لکھو، یا کوئی دریافت طلب بات ہو تو اس کو بھی، میرے خیال میں مناسب ہے، اور ان اطراف کے لوگ بھی اب وہاں پہونچ گئے ہیں۔

والسلام

حبیب الرحمٰن الاعظمی

یکم اکتوبر ۱۹۴۸ء

میرے اشکال کا جواب

میں نے جواب میں لکھا کہ اس مدرسہ کا کیا ہوگا، جہاں میں کام کر رہا ہوں، مولانا مدظلہ کا پھر تیسرا خط ملا۔

عزیزم! سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کل ایک خط لکھ چکا ہوں، اسباق کی طرف سے اطمینان رکھو، ہمت کر کے دورہ کا کوئی ایک سبق از قسم ابوداؤد و نسائی بلکہ مسلم شریف میں بھی مضائقہ نہیں ہے، لے لو ــــــ تمہاری جگہ کے لئے دو تین آدمی میری نگاہ میں ہیں، مولوی حنیف سلطانپوری، دورہ کے سال اندازہ ہوا کہ مناسبت کافی پیدا ہوگئی ہے، مولوی عبدالقیوم ان کو بھی جانتے ہو، وہ بہاری بھی ہیں، مولوی محمد ظہیر بلیاوی، یہ پارسال کے فارغ ہیں، اب

جس کو کہو آمادہ کیا جائے۔

یکم اکتوبر ۴۸ء یوم الجمعہ   حبیب الرحمٰن الاعظمی

میں ابھی آمادہ نہیں ہوا تھا، بہت شش و پنج میں تھا، کہ پھر حضرت الاستاذ کا گرامی نامہ ملا۔

عزیزم !   سلمہ اللہ

السلام علیکم

تمہارے سب خطوط مل گئے، میں نے پرسوں تار دے دیا ہے، کہ مولوی ظفیر الدین صاحب ۱۲۵/ سے کچھ زاید پر راضی ہو گئے ہیں، لہٰذا آج خط لکھ دیتا ہوں کہ سر دست ۱۳۵/ دیجئے، اور اگر دورہ کی کتاب دیجئے اور اس میں وہ آپ کے معیار کے مطابق ہوں تو ۱۵۰/ یہ معاملہ کی گفتگو ہے یاد رکھنا۔

والسلام
۱۸/ اکتوبر ۴۸ء   حبیب الرحمٰن الاعظمی

سانحہ سے ڈابھیل

اس خط کے بعد اب میرے عذر کا کوئی موقع نہیں رہا، یہ حکم تھا، میں نے یہ سارے خطوط سکریٹری کو دیکھائے اور مشورہ کیا، سکریٹری صاحب نے فرمایا کہ میں آپ کو دو ماہ کی چھٹی دیتا ہوں، آپ استاذ محترم کے حکم کے بموجب ضرور جایئے، پھر ضرور واپس آنے کا وعدہ کیجئے، میرے گاؤں کے چند افرا جو مجھے کہتے ہیں پچاس روپئے تنخواہ بہت ہے، ان کو معلوم ہو جائے کہ آپ کس حیثیت کے استاذ ہیں۔

میں نے مولانا کو لکھ دیا کہ مجھ کو ڈابھیل کا راستہ معلوم نہیں ہے، مئو پہونچ رہا ہوں، وہیں سے روانگی مناسب ہوگی، کسی واقف سے پوری معلومات وہاں کی ہو جائیگی، پھر ڈابھیل پہونچنے میں آسانی ہوگی۔

مئو سے ڈابھیل کے لئے روانگی

اللہ کا نام لے کر اور رخصت منظور کرا کے مئو کے لئے روانہ ہو گیا، وہاں ڈابھیل کے جاننے والے بہت تھے، ان سے راستہ معلوم کیا کہ کدھر سے جانا ہے اور کس طرح ؟ یاد ہے،

حضرت الاستاذ مولانا یحییٰ صاحب نے ریل کا ٹکٹ خود اسٹیشن جا کر بنوا دیا، جہاں اترنا تھا مجھے اس نام یاد نہیں رہا، یہ کوئی چھوٹا اسٹیشن ہے، اور ایک صاحب سے کہہ دیا تھا کہ کل ان کو ٹرین پر بٹھانا آپ کی ذمہ داری ہے، حضرت مولانا اعظمیؒ کی دعا لے کر ۲۸ر یا ۲۹ر ذی الحجہ کو مئو سے روانہ ہوا، بتایا گیا کہ یہاں سے بنارس جائیں، بنارس سے الہ آباد، وہاں سے جو ٹرین بمبئی جاتی ہے، اس پر پوچھ کر بیٹھ جائیں اور بھساول جنکشن پر پہونچ کر اس سے اتر جائیں، اور سورت کی ٹرین معلوم کر کے اس پر بیٹھ جائیں، اسی راستہ میں وہ چھوٹا اسٹیشن آئیگا جہاں اترنا ہے، وہاں پہنچ کر اتر جائیں، وہاں سے ڈابھیل جو بس جاتی ہو اس پر بیٹھ کر وہاں پہونچ جائیں، جوانی تھی، تنہا، روانہ ہوا، غالباً آٹھ بجے دن میں مئو سے چلا بنارس پہونچا، وہاں سے الہ آباد، الہ آباد چھوٹی لائن کے اسٹیشن سے اتر کر ٹم ٹم سے بڑی لائن کے اسٹیشن پہونچا، شام ہو چکی تھی، دو مسلمان ساتھی مئو سے بمبئی جانے والے مل گئے تھے، اس لئے پریشانی نہ ہوئی، وہاں سے ٹرین بمبئی کے لئے بعد مغرب ۷/۸ بجے چلتی تھی، ان لڑکوں کے ساتھ اس پر بیٹھ گیا، پوری رات اور پھر پورے دن کے بعد کوئی دس بجے رات میں بھساول جنکشن آیا، جہاں اتر کر ٹرین بدلنا تھا، میں اتر گیا، اب میں تنہا تھا، قلی سے کہا کہ مجھے سورت جانے والی ٹرین پر بٹھا دو، اس نے لے جا کر اس ٹرین پر بیٹھا دیا، وہ پلیٹ فارم پر کھڑی تھی اور وہیں سے بن کر چلتی تھی، گیارہ بجے رات میں وہ روانہ ہوئی اور دس بجے دن میں اس اسٹیشن پر پہونچی، جہاں اترنا تھا، معلوم کر کے وہاں اتر گیا میرے ساتھ ایک بیڈنگ تھی۔

ڈابھیل قریب آگیا

وہاں اسٹیشن پر دیکھا کہ قلی کا کام عورتیں کر رہی ہیں، اور اس کا عجیب سا لباس ہے، وہ اردو قطعاً نہیں سمجھتی تھیں، عجیب بات تھی، وہ صرف گجراتی جانتی تھی، میں اس زبان سے قطعاً ناواقف تھا۔

زبان یار من ترکی، و من ترکی نمی دانم

اشاروں سے کام چلانا تھا، میں نے کہا: ڈابھیل کی بس، اس نے بستر سر پر رکھا اور چل

دیا، کچھ بولی نہیں، میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا، لائن کے اگلے پھاٹک سے نکل کر باہر وہ آئی ایک بس کھڑی تھی، اس نے اشارہ کیا کہ اس پر بیٹھ جائیں، سامان اس نے اوپر قلی کو دیا، اب میں بس والوں سے کہہ رہا ہوں، وہاں بھی اردو سمجھنے والا کوئی نہیں، یا اللہ کہاں آیا اور کہاں جا رہا ہوں، چہرہ فق، سامان اوپر رکھا جا چکا تھا، میں نے پوچھا یہ بس ڈابھیل جائیگی؟ اس نے کہا جائیگی، اب اطمینان ہوا۔

بس جب بھر گئی تو روانہ ہوئی، ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ڈابھیل پہونچی، وہاں ایک برگد کے درخت کے پاس جا کر رکی، مگر گذری مدرسہ کے پاس سے، مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہاں اسے روکنا، اڈے پر بہت سارے مسافر اترے، میں بھی اتر پڑا، سامان اتروالیا، اب یہاں مدرسہ جانے کے لئے کوئی سواری نہیں، وہاں اردو جاننے والے آدمی تھے، انہوں نے مجھ سے معلوم کیا کہ کہاں جانا ہے؟ میں نے بتایا کہ مدرسہ جانا ہے، ایک صاحب نے کہا کہ میں جا کر وہاں بتاتا ہوں، طلبہ آ کر آپ کو لیجائیں گے، میں بستر پر بیٹھ گیا۔

مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل میں

تھوڑی دیر بعد دو طالب علم پہونچے، وہ بھی گجراتی تھے، مگر اردو بولتے اور سمجھتے تھے، وہ مجھ کو مدرسہ کے دارلمدسین میں لے گئے، مجھ سے پہلے وہاں مولانا اسلام الحق اعظمیؒ اور مولانا اطہر مبارکپوری مرحوم دو تین ماہ پہلے سے آگئے تھے، ان سے ملاقات ہوئی، تو جان میں جان آئی، مہتمم مفتی بسم اللہ صاحب کو اطلاع ہوئی، تو انہوں نے فوراً کھانے کا نظم کیا، اور ایک کمرہ میں ٹھہرایا، وہ فوراً آ کر ملے، مولانا کا خط میرے ساتھ تھا، ان کے حوالہ کیا، بڑی محبت سے ملے اور فرمایا کہ اس کمرہ میں آپ کا قیام رہیگا اور آپ کی ساری ضرورتوں کا انتظام ہوگا، اس حلقے میں مدرسین کا مطبخ بھی تھا۔

جس دن پہونچا، تاریخ یکم محرم الحرام ۱۳۶۸ھ تھی، دوسرے دن پیڈ پر مہتمم کے دستخط سے پروگرام آیا کہ آپ کے ذمہ جلالین، ہدایہ، مشکوٰۃ اور ابن ماجہ کا سبق ہے، اور سب کے گھنٹے بھی درج تھے، آپ کے پاس کتابیں بھیج رہا ہوں، کل سے اسباق شروع کرا دیں، اللہ تعالیٰ کا نام لیکر تمام اسباق شروع کر دیئے، مجھے دارالمدسین کے ایک کمرہ میں جگہ دی گئی اور کتابیں اسی

کمرہ میں بھیج دی گئیں، دارالمدسین سے کھانا بھی جاری کرالیا گیا، وہاں سے ایک وقت چپاتی اور گوشت ملتا تھا اور دوسرے وقت چاول اور سالن۔

ڈابھیل میں سید صاحب کے خطوط

ڈابھیل پہونچ کر میں نے حضرت سید صاحب کو لکھا کہ میں حضرت الاستاذؒ کے حکم سے یہاں آگیا ہوں، مگر صحت ساتھ نہیں دے رہی ہے، اور یہاں کے حالات بھی لکھے، خط کا جواب موصول ہوا۔

عزیز مکرم !　　　زاد الله تعالى علماً نافعاً وعملاً صالحاً

السلام علیکم ورحمة الله

الحمدللہ آپ مع الخیر منزل مقصود (ڈابھیل) پہونچ گئے، جی ہاں! آپ کی نوعمری اور سخافت جسم سے لوگوں کو تعجب ہوگا، آپ سعدیؒ کا یہ شعر سنادیا کیجئے۔

اے شخص منت حقیر نمود
تا درشتی ہند نہ پنداری

لوگ غلاف کے دیکھنے کے عادی ہیں، تلوار کے نہیں۔ آپ اپنا کام محنت اور دیانت سے انجام دیجئے، مطالعہ کا اہتمام نہایت ضروری ہے اور اخلاص مدنظر رہے، ریا اور نمائش اور اظہار غلو ومبالغہ سے بچا جائے، طول کلام سے پرہیز کیا جائے، طلبہ کے ساتھ شفقت اور بزرگوں کے ساتھ اکرام اور اطاعت فی المعروف آپ کا دستور ہو، آپ کے لئے دعاء کرتا ہوں۔ مولانا یوسف صاحب بنوری سے ملاقات ہو اور یاد رہے تو سلام پہونچادیں۔

والسلام
فقیر، ہیچمداں سید سلیمان
۹/محرم ۱۳۶۸ھ

ڈابھیل میں بیماری

چنانچہ ایسا ہی ہوا، پچیس دنوں تک میں نے مسلسل اپنے اسباق پڑھائے، لڑکے ماشاء

اللہ دیکھنے میں میری عمر سے کچھ ہی کم عمر ہونگے ، بلکہ دیکھنے میں بڑے معلوم ہوتے تھے، میں اس وقت بہت دبلا لاغر ساتھا، معلوم ہوا لڑ کے مطمئن ہیں، اس کے بعد بخار آنا شروع ہوگیا، ایسا بخار اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا، پھر متلی شروع ہوگئی، یہ زیادہ تکلیف دہ تھی، مولانا بنوریؒ طبیب بھی تھے، وہ جب ملنے آئے تو انہوں نے نسخہ لکھا، دوائیں دوکان سے آئیں، ذرا اچھا ہوا، پھر دو چار دنوں اسباق پڑھائے، مگر شدت کا بخار آیا، میں اس زمانہ میں چائے بالکل نہیں پیتا تھا، طالب العلم سارے کے سارے گجراتی تھے، بہار، یوپی کا کوئی لڑ کا نظر نہیں آیا، مولانا قاضی اطہر مبارکپوری کے ساتھ ان کے ہی یہاں کا صرف ایک طالب العلم تھا، جو ان کے ساتھ رہتا تھا۔

ڈابھیل کے ایک شاگرد

اس زمانہ کے شاگردوں میں مولانا احمد بیات، جو اب ایک مدرسہ ترکیسر گجرات کے شیخ الحدیث ہیں، وہ ایک مرتبہ دیوبند آئے، تو بہت ادب محبت سے ملے، اور بتایا کہ حضرت میں آپ کا شاگرد ہوں، ڈابھیل میں نے آپ سے پڑھا ہے، میں وہاں بیمار ہوا تو غالباً انہوں نے ہی میری خدمت کی تھی، اس لئے انہوں نے یاد رکھا ہوگا، واپس ہوکر انہوں نے اپنی تفصیلات میرے نام بھیجوائیں، جن کی زبان گجراتی تھی، مجھے دلی خوشی ان سے مل کر ہوئی کہ ڈابھیل کے یہ تنہا یادگار ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں صحت وسلامتی کے ساتھ زندہ سلامت رکھے۔

ایک ڈاکٹر کی تجویز

ایک ماہ بعد جب بخار نے پیچھا نہیں چھوڑا، تو بہت گھبرایا، ایک بنگالی ڈاکٹر وہاں اسپتال میں تھا، اس کے یہاں جا کر تشخیص کرائی، اس نے کہا: آپ بہت کمزور ہیں، یہا ں رہیں گے تو ٹی بی ہونے کا اندیشہ ہے، آب وہوا موافق آپ کے نہیں ہے، اس کے بعد میں نے ڈابھیل چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، مفتی بسم اللہ صاحب سے میں نے تذکرہ کیا، انہوں نے فرمایا: آپ ایک ہفتہ کے لئے بمبئی چلے جائیں اور تفریح کر کے آجائیں، طبیعت بحال ہوجائیگی، میں نے کہا حضرت مولانا کی خدمت میں چلا جاتا ہوں، پھر آجاؤنگا، اگر صحت

ہوگئی، وہ راضی ہو گئے۔

سید صاحب کے خطوط کی برکت

حضرت سید صاحب کے خط سے بڑی حوصلہ افزائی ہوئی، اور مطالعہ میں توانائی حاصل ہوئی، مجھے یاد ہے کہ مفتاح العلوم کی مدرسی سے ڈابھیل تک کی مدرسی تک جب بھی موقع آیا، سید صاحب برابر افزائی کے خطوط لکھتے رہے، اس کے اچھے اثرات دل ودماغ پر ہوئے، کوئی شبہ نہیں ڈابھیل میں بھی مدرسین اور طلبہ درس میں شریک ہوکر کافی خوش ہوئے اور اس کا برملا اظہار کیا، ڈابھیل میں مدرسین کو بڑی سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں، اور مطالعہ اور محنت کا بڑا موقع فراہم ہوتا ہے، ڈابھیل قصبہ ہے، مدرسہ اس آبادی سے بالکل باہر ایک باغ میں واقع ہے، وہاں سیاست کا کوئی چرچا نہیں، خالص علمی ماحول تھا، اخبار وغیرہ کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا، جگہ لکھنے پڑھنے اور مطالعہ وکتب بینی کی ہے۔

حضرت سید صاحب کا دوسرا خط موصول ہوا۔

عزیز مکرم ! وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

جی ہاں وہ مقام ساحلی ہونے کی وجہ سے مرطوب ہے۔ اس لئے چائے کی ضرورت پڑتی ہوگی، مطالعہ ضروری ہے، ہمارے اساتذہ اخیر وقت تک مطالعہ کرتے تھے، ہدایہ کے لئے عنایہ اور فتح القدیر کے ساتھ تخریج ہدایہ لزیلعی بھی دیکھا کیجئے، اور فنون کی کتابیں ٹھیک ہیں، ابن ماجہ کا حاشیہ انجاح الحاجہ چھپا ہوا ہے، الحمد اللہ خیریت ہے، اور خیریت کا داعی اور طالب ہوں، خدا کرے مسلمانوں کی حالت قابل اطمینان ہو۔

والسلام

فقیر ہیچمداں، سید سلیمان

۱۸/محرم ۱۳۶۸ھ

ڈابھیل سے واپسی

یہ طے کر چکا کہ اب ڈابھیل اس وقت چھوڑ دینا ہے، ورنہ ڈاکٹر کی تجویز کے مطابق

بیماری جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے، مہتمم مفتی بسم اللہ اجازت دے چکے ہیں، لہٰذا یہاں سے چلنا چاہئے۔ چنانچہ جب آمادہ ہو گیا تو مجھے یاد ہے مجھ سے پڑھنے والا ایک طالب العلم تیار ہو گیا کہ چلیں، میں آپ کو ٹرین تک چھوڑ آؤں، اس نے لاکر کسی چھوٹے اسٹیشن پر کسی ٹرین پر بٹھا دیا کہ یہ بھساول جائیگی، وہاں پہونچ کر ٹرین تبدیل کرلیں گے، مختصر یہ کہ میں کسی طرح مئو پہونچ گیا، کافی کمزور ہو گیا تھا، حضرت الاستاذؒ نے دیکھا تو ان پر بھی اثر پڑا، فرمانے لگے میں نے تو بھیجا تھا کہ تم بھی مولانا عبدالجبار صاحب کی طرح وہاں جا کر صحت مند ہو جاؤ گے مگر الٹا ہوا اَب تم کو کسی دوسرے مدرسہ میں بھیج دونگا بنارس چلے جاؤ، میں نے کہا اب میں گھر جاؤنگا، جب صحت خوب اچھی ہو جائیگی تو نوکری کرونگا، فرمایا ٹھیک ہے، میں وطن چلا آیا، ایک ماہ بعد صحت بالکل ٹھیک ہوگئی، اسی اثنا میں مدرسہ معینیہ سانحہ کے سکریٹری حاجی فضل الکبیر صاحب کا خط آیا کہ آپ بلا تکلف اپنے مدرسہ میں آجائیں، سانحہ سے ایک دوسرے مہربان نے لکھا کہ آپ کا یہاں آنا مناسب نہیں ہے، میں نے اپنے لوگوں سے مشورہ کیا، طے پایا کہ سانحہ جانا چاہئے، آپ مہربان کی بات میں نہ آئیں، یہ آپ کے درپردہ مخالف معلوم ہوتے ہیں اور آپ کے سکریٹری صاحب کے بھی، میں نے کہا آپ بات تو ٹھیک فرمارہے ہیں، اپنی صحت کو سامنے رکھ کر طے کرلیا کہ ابھی باہر جا کر مدرسی کرنے سے بہتر یہ ہے کہ دارالعلوم معینیہ سانحہ کے قیام کو ترجیح دی جائے، وہاں کی آب و ہوا میرے موافق ہے، صحت خوب اچھی ہو جائے تو باہر جانا مناسب ہوگا، بہرحال کافی غور خوص کے بعد میں سانحہ ضلع مونگیر واپس آگیا، یہاں والوں نے خیر مقدم کیا، اور خوش آمدید کہا، سکریٹری صاحب کافی خوش ہوئے، کہ حسب وعدہ دو ماہ بعد آگئے، اتنے ہی دنوں کی انہوں نے رخصت منظور کی تھی۔

دارالعلوم معینیہ سانحہ دو ماہ بعد

جیسا کہ اوپر گذرا، ڈابھیل سے واپسی کے بعد ایک ماہ برائے صحت یابی وطن میں گذرا، اور سکریٹری صاحب اور وہاں کی مجلس عاملہ کی طلب پر دوبارہ معینیہ سانحہ واپس آنا پڑا، اس زمانہ میں میری صحت بہت کمزور تھی اور سانحہ کی آب وہوا بہت موافق تھی، دیہات یوں بھی صحت بخش ہوتا ہے، مگر یہاں کی آب ہوا، میری صحت کے بہت موافق تھی۔

دوبارہ جب سانحہ پہونچا تو بیماری کی کمزوری باقی تھی مگر مرض باقی نہیں تھا، آب وہوا کی تبدیلی سے دور ہونے لگی، تنخواہ یہاں کو کم تھی مگر مجھے اس کی فکر قطعاً نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے گھر میں اتنا دیا تھی کہ آرام سے کھا پی سکتا تھا، پھر والد مرحوم کے انتقال کے بعد بھی ہم سب بھائی ساتھ تھے اور گھر کا سارا بار بھائی ریاض الدین پر تھا، باہمت آدمی تھے، والدہ باحیات تھیں اور سارا انتظام ان کے ہی ہاتھوں میں تھا۔

سید صاحب کی خوشی

یہاں آکر میں سید صاحب کو اس کی اطلاع دی کہ ڈابھیل سے واپس ہوکر گھر آیا، پھر گھر سے سانحہ آگیا، حضرت نے فوراً جواب میں تحریر فرمایا :

برادر عزیز ! زرقکم اللہ تعالی العلم والعرفان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کی صحت اور اس مقام (سانحہ) پر آپ کی واپسی سے خوشی ہوئی، ہمارا صوبہ (بہار) علماء سے خالی ہے، اور آپ سے لوگوں کو فائدہ ہو رہا تھا، اس لئے آپ کی واپسی سے قدرۃً خوشی ہوئی۔ والسلام

۱۱ر جنوری ۱۹۴۹ء سید سلیمان

تعمیر مدرسہ کی تحریک

ڈابھیل سے واپسی کے بعد میں دوستوں اور بزرگوں سے کہنے لگا کہ اب مدرسہ کا مستقل مکان بننا چاہئے، گاؤں کے اکثر لوگوں نے اس کی تائید کی، سکریٹری صاحب سے تو بات پہلے سے طے تھی کہ آپ ڈابھیل سے واپس آجائیں، تو مدرسہ کی تعمیر میں آپ کا ہر طرح ساتھ دونگا۔

تعلیم پر زور تو تھا ہی، مزید محنت بڑھادی گئی، دن رات طلبہ کی نگرانی، دیکھ بھال، پوچھ پاچھ، اور ان کی صرفی ونحوی اور ادب کی استعداد بڑھانے کی فکر، اور سں کی تمرین پر زور، دوپہر، رات ہر وقت طلبہ پر توجہ تھی۔

حضرت مولانا ابوالقاسم صاحب (مخدوم چک) حج کر کے واپس آئے، تو سانحہ بھی ملنے کے لئے تشریف لائے، قیام ہمارے سکریٹری صاحب کے یہاں ہوا کرتا تھا، میرا جی چاہا کہ مولانا کو حج کی واپسی پر مدرسہ کی طرف سے مبارک باد پیش کی جائے اور مدرسہ معینہ میں باضابطہ دعوت دی جائے اور خوش آمدید کہا جائے، میں نے ایک مختصر سا مقالہ بھی مولانا پر لکھ لیا تھا، چنانچہ اپنے مدرسین سے مشورہ کے بعد نو بجے دن میں مدرسہ میں لانا طے پایا، سکریٹری صاحب نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا اور فرمایا کہ مولانا کو مدرسہ میں تشریف لانے کی ضرور زحمت دی جائے۔

استقبالیہ جلسہ

۱۹؍صفر المظفر ۱۳۶۹ھ مطابق گیارہ دسمبر ۱۹۴۹ء کو حسب پروگرام مولانا اور اہل محلہ کو دعوت دی گئی، سارے لوگ جمع ہو گئے، تلاوت قرآن کے بعد میں نے وہ مقالہ پڑھا جو اس دن کے لئے لکھ رکھا تھا اور حضرت مولانا کو خوش آمدید کہا اور اسی میں اہل محلہ کو مدرسہ کی تعمیر پر توجہ دلائی کہ یہ ایک بہت ضروری کام ہے، جواب تک نہیں ہو سکا ہے، مولانا موصوف نے جوابی تقریر میں شکریہ کے بعد تعمیر مدرسہ کی بھر پور تائید کی، اس کے بعد اہل محلہ نے بھی تائیدی کلمات کہے ماسٹر ریاضت حسین صاحب نے کہا کہ مدرسہ کے لئے تو سب سے اچھی جگہ مسجد کے پیچھے کی زمین ہے، جو وقف ہے، متولی صاحب نے کہا اس میں مدرسہ کی تعمیر جائز نہیں، اگر اہل محلہ وعدہ کریں کہ مدرسہ کی تعمیر میں حصہ لیں گے تو میں انشاء اللہ دوسری زمین اپنے پاس سے دینے پر آمادہ ہوں جو میری اپنی ہے لوگوں نے کہا ہم ہر طرح تیار ہیں، زمین دی جائے، سکریٹری صاحب نے فرمایا ماسٹر ریاضت صاحب کے مکان سے اوپر چھ کٹھہ میری زمین ہے، جس میں اس وقت ارہر ہے وہ زمین میں نے مدرسہ کی عمارت کے لئے دی، لوگوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔

تعمیر کیلئے زمین اور سامان

پھر وہیں لوگوں نے امدادی چندہ لکھوانا شروع کیا، ضیاء الحق صاحب نے کہا، میں نے

چار پیڑ شیشم کے دیئے، جو اچھا ہو وہ مدرسہ کاٹ لے، پھر کچھ لوگوں نے بانس لکھوائے، کسی نے پچیس کسی نے پندرہ، حاجی تبارک حسین نے اپنے بیٹے رقیب بابو سے کہا کہ ٹھاٹھ یعنی چھپر بنانے میں جتنے بانس لگیں گے اس کو تم مان لو، انہوں نے بھی اس کا اعلان کردیا، البتہ بتی کے لئے بانس اہل بستی سے لیں، کچھ لوگوں نے نقد روپئے بھی لکھوائے۔

رات میں جلسہ کا اہتمام

پھر رائے یہ ہوئی کہ آج ہی رات میں ایک جلسہ ہو، جس میں محلہ کے سارے مرد وعورت شریک ہوں، میں نے عرض کیا یہ بھی ہوگا، پھر والدہ انعام الحق سے کہوایا کہ وہ اپنی حویلی میں اجتماع کا انتظام کرادیں، برآمدہ پر مرد ہونگے اور اندر کمروں میں عورتیں، ہمارے طلبہ مدرسہ نے اس کا بھی انتظام کرلیا اور پورے محلہ میں اس کا اعلان ہوگیا، یہ جگہ کافی وسیع تھی۔

زمین پر قبضہ دینے کی شرط

سکریٹری نے مجھ سے کہا کہ اس زمین میں فصل کچی لگی ہے، اس وقت اس کی کٹائی کی اجازت دی جائیگی، جب اس کی بھرائی کے لئے پانچ سو روپئے آپ میرے پاس جمع کردیں گے، اس کام کے لئے رات میں جلسہ کرنا اور بھی ضروری ہوگیا، تاکہ سکریٹری صاحب کی شرط پوری کی جاسکے۔

شرط کی تکمیل

چنانچہ رات میں جلسہ ہوا، میں نے ایک جذباتی تقریر کی، اور تاریخ کے حوالہ سے بتایا کہ مدرسہ صوستیہ فلاں خاتون نے بنوایا، اور فلاں مدرسہ فلاں خاتون نے، دو چار مثالیں دیں اور اس کے بعد کہا کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہاں کی خواتین اچھی خاصی جائیداد کی مالک ہیں، ان سے میری درخواست ہے کہ اس سلسلہ میں میرا ہاتھ بٹائیں، میرے بعد مولانا ابوالقاسم صاحب نے بھی اس مسئلہ پر روشنی ڈالی، اب عورتوں کی طرف سے اطلاع آنے لگی کہ میں نے اتنا دیا، کچھ عورتوں نے زیورات بھی دیئے، پھر ضیاء الحق صاحب نے اپنی کسی

عزیزہ کی طرف سے کچھ زیورات بھجوائے، جلسہ کامیاب رہا، صبح کو والدہ مولانا یحییٰ نے کہا جس قدر چھاؤنی میں گھاس کی ضرورت ہو میرے کھیت سے کٹوالیا جائے، چھ سو روپے کی نقد فہرست تیار ہوگئی اور صبح میں روپئے کی وصولی شروع ہوگئی، میں نے دن میں چھ سو روپئے کم وبیش اکٹھا کرکے سکریٹری صاحب کے پاس جمع کردیا، انہوں نے فرمایا: اب میری طرف سے اجازت ہے، فصل کاٹ دی جائے، کچی فصل کاٹ کر زمین کے ایک حصہ میں مٹی جمع کردی گئی۔

مدرسہ کی بنیاد

حضرت مولانا ابوالقاسم صاحب کے ہاتھوں اسی دن اللہ کا نام لے کر مدرسہ کی بنیاد ڈال دی گئی، اور خوب دعائیں کی گئیں، آج ۲۰؍صفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۲؍دسمبر ۱۹۴۹ء کی تاریخ تھی سچ پوچھئے تو آج کی تاریخ بڑی مبارک تاریخ تھی، خوشی کا اظہار کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا گیا۔

تیسرے دن سے مزدور لگا کر زمین کی بھرائی خود سکریٹری صاحب نے شروع کرادی، ایک دو ماہ میں بھرائی مکمل ہوگئی اسی کے ساتھ چھپر وغیرہ کا بھی انتظام ہونے لگا، بانس کاٹے گئے بتیاں چیریں گئیں اور چھپر تیار کیا گیا، جمادی الاولی ۱۳۶۹ھ کے پہلے ہفتے میں کھمبے نصب کرکے چھپر کھڑا کردیا گیا، وہ اس لائق ہوگیا کہ بچے اس کے اندر بیٹھ کر آرام سے پڑھیں لکھیں اور رہیں۔

مدرسہ اپنے مکان میں

اب رائے ہوئی کہ پرانی جگہ سے مدرسہ نئی جگہ اپنے مکان میں لے آیا جائے، مدرسہ آگیا، اور ۷؍جمادی الاولی ۶۹ھ مطابق ۶؍جنوری ۵۰ء کو نئے مکان میں تعلیم کا افتتاح کردیا گیا، سب سے پہلے تلاوت ہوئی، پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا گیا اور اساتذہ اور طلبہ نے مل کر دیر تک دعائیں کیں، یہ وقت ہم مدرسین اور طلبہ مدرسہ کے لئے کس قدر خوش کن تھا، بیان نہیں کیا جاسکتا، دعائیں اشکبار آنکھوں کے ساتھ ہوئیں۔

یہ دن بڑی مسرت کا تھا، اساتذہ، طلبہ، کا کارکنان، مدرسہ سارے خوش تھے کہ مدرسہ کا

اپنا مکان کھڑا ہو گیا، گو ابھی چھپر ہی کا تھا، یہ مکان کافی لمبا چوڑا تھا، تیس چالیس ہاتھ لمبا اور پندرہ ہاتھ چوڑا تھا، چھپر خوب مضبوط اور موٹا تھا، جو کئی سال تک رہا، بہت آرام دہ تھا اخیر میں فروخت ہوا۔

کچے سے پختہ

کچھ دنوں کے بعد اب ذہن میں یہ بات تھی کہ بتدریج چھپر والے مکان کو پختہ مکان سے بدلا جائے، اور اس کے لئے کوئی صورت اور تدبیر ہو، اور اللہ تعالیٰ کامیابی عطا کر دے، اس چھپر والے مکان میں کام بڑے آرام و عافیت سے کئی سالوں تک چلتا رہا، ہر سال طلبہ کی جماعت ترقی ہوتی رہی، سانحہ کے علاوہ کچھ باہری طلبہ بھی آنے لگے، جن کے کھانے کا انتظام محلہ میں کر دیا جاتا تھا، ایسے لڑکے چھوٹے بھی تھے اور بڑے بھی، ٹکمیر اور شاہ پور کمال کے کچھ لڑکے بھی آتے تھے، جو پڑھ کر اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔

نمایاں طلبہ

اس وقت نمایاں طلبہ میں سانحہ کے مولوی بدرالدین، مولانا غیاث الغنی، مولانا محی الدین طالب، مولانا محمد رفیع، مولانا محمد حسن، مولانا محمد حسین، مولانا انعام الحق، ماسٹر انصار، ماسٹر عبدالصمد، مولانا نجم الدین، مولانا نظام الدین، مولانا صلاح الدین (ٹکمیر)، حافظوں میں حافظ محمد نسیم، حافظ صدرالدین، حافظ ابوالفتح، حافظ عبدالوحید وغیرہم، الحمد للہ ان سبھوں نے محنت سے پڑھا، عربی خواں طلبہ شرح وقایہ اور ہدایہ تک مدرسہ معینہ میں خاکسار سے پڑھتے رہے، پھر میرے ہی مشورہ سے کچھ نے مفتاح العلوم مئو جا کر فراغت حاصل کی، کچھ نے دارالعلوم دیوبند آ کر فراغت حاصل کی، چند نے قدوری وغیرہ پڑھ کر مدرسہ چھوڑ دیا اور اسکول میں چلے گئے اور میٹرک کر کے بذریعہ کالج گریجوٹ ہوئے اور جہاں تک میرے علم میں ہے، اس وقت سب اچھی پوزیشن میں ہیں، بہت عزت و آبرو کے ساتھ کھا کما رہے ہیں، اور تقریباً سبھی خوشحال ہیں، اللہ تعالیٰ اس نسل کو پھلتا پھولتا رکھے اور ان کی نسل پھیلتی رہے، یہ سارے کے سارے میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور ہیں، آج بھی میں محسوس کرتا

ہوں کہ میرا دل ان سب کی محبت سے معمور ہے، ان بچوں نے مدرسہ کی تعمیر میں میرے ساتھ بھرپور حصہ لیا دراصل میرے دست وبازو وہی تھے، میری علمی اولاد ہیں اور جہاں تک جانتا ہوں ان کو بھی مجھ سے بے انتہا اخلاص ومحبت ہے۔

ان کے علاوہ جن دوسروں نے مجھ سے ابتدائی اردو فارسی کتابیں پڑھی ہیں اور اسکول کی لائن اختیار کی یا کسی وجہ سے تعلیم پوری نہیں کر سکے، ماشاء اللہ ان کو بھی خاکسار سے دلی تعلق ہے، میری تکریم وتعظیم کرتے ہیں اور خاکسار سبھوں کے لئے دعاء گو ہے، رب العالمین درالعلوم معینیہ سانحہ میں جن بچوں نے پڑھا اور برسرروزگار ہیں ان سب کو دینی اور دنیوی ترقی سے نوازتا رہے، اور اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

بزرگان محلّہ

اہل محلّہ کے بڑے بزرگوں کے بھی خاکسار سے دلی ہمدردی رہی، اور بعض کا بڑا گہرا مجھ سے ربط رہا، جیسے ہمارے سکریٹری حاجی فضل اکبر (عرف فاضل بابو) حاجی تبارک حسین صاحب، ضیاء الحق عرف جیلو صاحب، مطیع الرحمٰن صاحب، نظام صاحب (خازن) صدر مدرسہ سید رقیب الدین صاحب، ان کے دونوں بھائی ظہیر اور عبدالحفیظ، ظہور بھائی اور منظور بھائی، امین صاحب، نیپالی بھائی، صاحب بابو، حافظ تقی صاحب، ڈاکٹر ظفیر صاحب، پھودو بابو، ان کے دونوں صاحبزادے، جلیل احمد صاحب اور ان کے صاحبزادگان، جمعہ بھائی اور ان کے سارے دوسرے بھائی، ماسٹر ریاضت حسین صاب، ماسٹر حفیظ صاحب، ماسٹر مرتضی صاحب اور ان کے بھائی، مجھے افسوس ہے کہ بہت اور مہربان ہیں جن کا نام اس وقت ذہن میں نہیں آرہا ہے، مگر ان کی صورتیں آنکھوں میں ہیں، اور ان کی بزرگانہ شفقت یاد ہے، اب ان میں اکثر لوگ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اور کچھ ماشاء اللہ بقید حیات ہیں۔

اہل سانحہ کا احسان

سانحہ میں کم وبیش آٹھ، سات سال رہا، اور اس طرح کہ مجھے باہر والے وہیں کا باشندہ سمجھتے رہے، اور کچھ آج بھی سمجھتے ہیں، مدرسہ کا جب اپنا مکان تیار ہو گیا، تو میرے رہنے کے

لئے بھی چھپر کا مکان بنا دیا گیا، میں اپنے بال بچوں کو گھر سے یہاں لے آیا اور ایک عرصہ تک میرے بچے، بیوی کا قیام سانحہ میں رہا، میری بچی ریحانہ سانحہ میں پیدا ہوئی، میرا بڑا لڑکا احمد سجاد بھی کہنا چاہئے سانحہ ہی میں پیدا ہوا ہے، پیدائش گھر پر ہوئی مگر پہلے اور بعد میں سانحہ میں رہا، نسیم کے والد عموماً میرے بچوں کو دم کرنے میرے گھر آیا کرتے تھے، اس موقع سے سانحہ کی ساری خواتین نے میری بیوی کو سہارا دیا اور میرے بچوں کو اپنی اولاد سمجھا۔

عزیزم انعام الحق سلمہ کی والدہ ماجدہ نے مجھے اپنا بھائی بنالیا تھا، اسی طرح نسیم کی والدہ، طالب کی والدہ، مولوی یحیٰ کی والدہ اور والدۂ رفیقہ وغیرہم کو میرے گھر سے بڑی محبت تھی، میرے بچوں کی سرپرستی کی، مرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، ماسٹر ریاضت صاحب نے میرے بچوں کو اپنا بچہ سمجھا۔

اہل سانحہ کی محبت سے میں آج بھی اپنے سینہ کو معمور پاتا ہوں، اور ان کے حسن و اخلاق سے بہت متاثر دیکھتا ہوں، کیا لوگ تھے؟ بے مثال اخلاق والے لوگ تھے، کتنے میرے حق میں مخلص تھے، ان سب کی محبت نہ ہوتی تو میں سانحہ میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

سکریٹری صاحب تو میرے سرپرست تھے، میرا رہنا سہنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا سب ان کے ہی ساتھ تھا، اپنی اولاد کی طرح مجھ سے محبت کرتے تھے، میرے بال بچوں سے بڑی محبت تھی، میری راحت کے لئے بہت کچھ کیا، اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کے درجات بہت بلند فرمائے، آج بھی ان کے صاحبزادہ مولانا محمد یحیٰ ندوی بھائی کی طرح ملتے جلتے ہیں، حد ہے کہ مولانا یحیٰ کے بچے بھی محبت کرتے ہیں۔

مولوی یحیٰ کے ساتھ علی گڑھ

غالباً ۱۹۵۰ء میں جب مولوی یحیٰ ندوہ سے عالمیت کر کے آئے تو رائے ہوئی کہ یہ کچھ دنوں مفتی عبداللطیف سابق مدرس دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد و صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی خدمت میں جا کر علی گڑھ میں گذاریں اور ان سے حدیث پڑھیں، سکریٹری صاحب نے فرمایا، آپ جا کر یحیٰ سلمہ کو علی گڑھ پہونچا آئیں، اس سے پہلے ہم دونوں میں سے کوئی علیگڑھ نہیں گیا تھا، ہم دونوں روانہ ہوئے، علی گڑھ میں کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، کانپور میں ٹرین بدلنا تھی، وہاں

علی گڑھ کے ایک طالب علم سے ملاقات ہوئی ان کا نام محمود تھا، یہ ضلع چمپارن کے رہنے والے تھے ان کی وجہ سے بڑی سہولت رہی، وہاں اتر کر مسلم مسافر خانہ میں پہلے ٹھہرے، پھر محمود کے ساتھ ہوسٹل میں گئے، اطمینان سے معلومات کر کے حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ پرانے جید الاستعداد عالم دین تھے، حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کی خانقاہ رحمانی میں عرصہ تک رہ چکے تھے، اس لئے جب معلوم ہوا کہ ہم لوگ ضلع مونگیر سے آئے ہیں، تو بہت خوش ہوئے، پھر مولوی یحیٰ نے بتایا کہ حضرت مولانا غنیمت حسین صاحب سے ہماری رشتہ داری ہے، پھر میں نے عرض کیا کہ یہ ہمارے مولوی یحیٰ ندوہ سے عالمیت کر چکے ہیں، کچھ سال آپ کی خدمت میں رہنا چاہتے ہیں تاکہ علمی استفادہ کرسکیں اور اسی مقصد سے میں ان کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، مفتی صاحب نے مسرت کا اظہار فرمایا، میں تین چار دنوں علی گڑھ رہا ان سے برابر ملتا رہا، سب سے پہلے بدائع الصنائع کاسانی کے مطالعہ کی طرف انہوں نے ہی متوجہ کیا، کہ تم کو فقہ سے مناسبت معلوم ہوتی ہے، اس کا مطالعہ ضرور کرو، اس علاقہ کے مولوی یحیٰ پہلے شخص تھے جو علی گڑھ پہونچے تھے، پھر ان کے بعد تو ایک سلسلہ یونیورسٹی میں داخلہ کا شروع ہو گیا۔

میں نے اپنے خط میں حضرت سید صاحب کے نام علی گڑھ جانے اور مفتی صاحب سے ملنے کا تذکرہ کیا تو حضرت نے اپنے خط میں تحریر فرمایا:

عزیز سعید ! اسعدکم اللہ فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مفتی (عبداللطیف صاحب) مدظلہ سے آپ کی ملاقات ہوئی، موصوف علم دوست اور تحقیقات کے شائق ہیں، مگر ان کی آراء میں شواذ کا تتبع ہوتا ہے، جس سے اس ہیچمداں کا ذوق اباء کرتا ہے، حالانکہ موصوف میرے استاذ ہیں، وہ پہلے ندوہ میں مدرس تھے۔ والسلام

۱۶/ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ سید سلیمان

مدرسہ کی پختہ عمارت

بات دارالعلوم معینیہ سانحہ کی تعمیر چل رہی تھی کہ کچے مکان کو پختہ میں لانے کی کیا

صورت ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت یہ پیدا کی کہ صدر مدرسہ سید رقیب الدین کی چچازاد بہن صالحہ خاتون بیوہ تھیں، ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالدی، اوراس کا ذریعہ بظاہر عزیزم بدرالدین عرف بادوسلمہ بنے، وہ میرے شاگرد تھے اور میرے ساتھ تعاون میں پیش پیش رہتے تھے، ماشاء اللہ یہ بھی زندہ ہیں، اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں برکت دے، ان کو ایک ہی لڑکا ہے شکیل احمد، اس کو اس نے بڑی محنت سے پڑھایا لکھایا، لڑکا ذہین ہے ترقی کریگا، ادھر عرصہ سے میں نے اسے دیکھا نہیں ہے، اب وہ کہیں اچھے پوسٹ پر ملازم ہے، اوراس کی شادی معلوم ہوا ہے کہ ہمارے مولانا یحیٰ ندوی کی صاحبزادی سے ہوگئی ہے۔

صالحہ خاتون کی آمادگی

حاصل یہ ہے کہ صالحہ خاتون کی آمادگی جب معلوم ہوئی، تو میں نے کام شروع کرا دینے کا ارادہ ظاہر کیا، انہوں نے کہوایا کہ اینٹ بنوانا شروع کردیا جائے، جو خرچ ہوگا وہ دیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا نام لیکر میں نے لوگوں سے عرض کیا کہ یہ صورت ہے، اینٹ بنی چاہئے اوراس کے لئے بالو (ریت) آنا چاہئے، اہل محلہ تیار ہو گئے اور ۸/ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ مطابق ۶/جنوری ۱۹۵۲ء کو بیل گاڑی تیار کی گئی اور کافی لوگ اور طلبہ میں جو جوان تھے وہ سب مل کر دریا کنارے سے بالو لانے چلے، اور کافی بالو لاکر جہاں اینٹ بنی تھی جمع کردیا۔

اینٹ کا کام

اینٹ پاتھنے والے کو تلاش کیا گیا، اس کے دوسرے ہی دن نیک خاتون نے ساڑھے سات سو روپئے میرے پاس بھیجوائے، یعنی ۹/ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ مطابق سات جنوری ۱۹۵۲ء کو یہ رقم مجھے مل گئی، میں نے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا، امید بندھی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مدرسہ کی عمارت پختہ بنے گی۔

۵/جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ مطابق ۲/فروری ۵۲ء سے اینٹ بنی شروع ہوگئی، صدر مدرسہ سید رقیب الدین صاحب نے اس میں کافی دلچسپی لی کچی اینٹیں غالباً ساٹھ ہزار تیار ہوگئیں، اس عرصہ میں کوئلہ کی فکر دامن گیر رہی کہ کیسے آئے، کیوں کہ اس پر کنٹرول تھا، مجھے یاد

ہے کہ اس کام کے لئے مجھے دو دفعہ مونگیر کچہری جانا پڑا، چیلو بابو (ضیاء الحق صاحب) میرے ساتھ ہوتے تھے، یہ پرانے آدمی تھے دونوں پیدل مونگیر گئے، کشتی سے دریا پار کر کے اس پار پہونچے، اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی سامان کر دیا، اور کوئلہ آگیا اور اس کے لئے جتنی لکڑیوں کی ضرورت تھی، وہ بھی اہل محلہ کی تعاون سے فراہم ہوگئی۔

اینٹ کا بھٹہ

۹ر شعبان ۷۱ھ مطابق ۴ر مئی ۵۲ء سے بھٹہ لگانا شروع کر دیا گیا، یہ سخت گرمی کا زمانہ تھا، دھوپ میں کافی تمازت ہوتی تھی، میں اوقات مدرسہ کے بعد مستقل طور پر اس کام میں سارا وقت صرف کرتا تھا، الحمد للہ اینٹیں اچھی تیار ہوئیں، میں کچھ دنوں یہاں رمضان گذار کر گھر چلا گیا، پھر ۸ر شوال کو واپس آگیا۔

عمارت کی بنیاد

شوال میں یہاں آکر معلوم ہوا کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ مونگیر تشریف لا رہیں، میں مونگیر حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خود حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مدرسہ کی بنیاد رکھوانی ہے، آپ خود بھی تشریف لائیں اور حضرت شیخ کو بھی لائیں اور بنیاد ڈالوا دیں۔

حضرت امیر شریعت اور شیخ الاسلام کی آمد

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ آمادہ ہو گئے، مولانا محمد یحییٰ ندوی کی شادی حضرت امیر شریعت کی بھتیجی سے ہو چکی تھی، اس سے پہلے بھی حضرت امیر شریعت کو میں سانحہ لا چکا تھا، حضرت امیر شریعتؒ ہی حضرت شیخ کا پروگرام بہار میں بنایا کرتے تھے، سانحہ کی تاریخ مقرر فرما دی، اور ۱۵ر شوال ۱۳۷۱ھ مطابق ۸ر جنوری ۱۹۵۲ء کو حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کو امیر شریعت لے کر سانحہ پہونچ گئے، قیام کا انتظام ہمارے سکریٹری صاحب کے بنگلہ میں کیا گیا اور اسی دن بعد نماز عصر حضرت مدنیؒ اور آپ کے ساتھ آنے والے علماء کرام کی ایک جماعت نے دار العلوم معینیہ سانحہ کی نئی عمارت میں سنگ بنیاد ڈالا، پہلی اینٹ حضرت شیخ

الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ڈالی، پھر امیر شریعت نے، پھر ساتھ میں بہت سارے آئے ہوئے علماء کرام نے، سبھوں سے حضرت اقدس نے اینٹیں بنیاد میں رکھوائیں میں نے اس موقعہ سے ایک چھوٹا سا مقالہ بھی بطور استقبالیہ حضرت مدنیؒ کی خدمت میں پیش کیا اور اس سے میں نے پڑھ کر سنایا بھی، سبھوں نے اسے بہت پسند کیا، کئی سال بعد حضرت مولانا اسعد صاحب بھی ایک دفعہ سانحہ مدرسہ میں خاکسار کی درخواست پر تشریف لائے، اس وقت مدرسہ تیار ہو چکا تھا، انہوں نے دیکھ کر خوشی کا اظہار فرمایا، اور مدرسہ کے لئے دعاء کی۔

خانقاہ سے تعلق

خاکسار کو حضرت مولانا منت اللہ صاحبؒ سے ہمیشہ تعاون حاصل رہا، یہاں یہ بھی بتانا مناسب ہوگا، کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق کیسے قائم ہوا؟ آپ کو سن کر حیرت ہوگی، پہلی دفعہ خانقاہ رحمانی میں چلکوڑہ سے حضرت شیخ الاسلامؒ کے ساتھ گیا تھا، بہت سارے لوگ تھے، ان سبھوں میں ایک میں بھی تھا، میری جان پہچان اس وقت نہ حضرت مدنیؒ سے تھی اور نہ میر شریعتؒ سے، میں وہاں پورے دن بھوکا رہا، اس وقت خانقاہ کے پاس کوئی ہوٹل نہیں تھا، بازار پوچھا تو معلوم ہوا کہ دور ہے، تنہا ہونے کی وجہ سے جانے کی ہمت نہیں ہوئی، میری طبیعت میں حیا غالب تھی، کسی سے تذکرہ بھی نہیں کیا، دوسرے دن صبح میں سانحہ چلا آیا۔

سانحہ کی زندگی میں ایک زمانہ میں تہجد پر کچھ لکھ رہا تھا، قیام اللیل للمروزیؒ کا میرے استاذ مولانا شاہ حلیم عطا صاحبؒ نے نام بتایا تھا، کتاب باوجود تلاش نہیں مل سکی تھی، معلوم ہوا خانقاہ رحمانی مونگیر کے کتب خانہ میں ہے، حضرت سید صاحبؒ سے خط و کتابت تھی، حضرت نے ایک دفعہ لکھا کہ تم خانقاہ رحمانی مونگیر جاؤ، میرا یہ خط لیکر جاؤ اور مولانا منت اللہ رحمانیؒ کو دیکھاؤ، خط یہ تھا:

عزیز مکرم ! دام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمد للہ خیریت ہے، قیام الیل پر مروزی کی کتاب کا پتہ خانقاہ رحمانی مونگیر میں آپ کو ملا ہے، آپ وہاں سے استفادہ کرسکیں گے،

آپ میرا یہ کارڈ مولانا منت اللہ صاحب کی خدمت میں لیتے جائیں،
امید کہ وہ حسن اخلاق سے پیش آئیں گے، میرے ان کے خاندانی
تعلقات ہیں۔

والسلام
فقیر ہیمدان سید سلیمان

۱۸/اگست ۴۸ء

عمارت دارالعلوم معینیہ کی تعمیر

کارڈ لے کر وہاں گیا اور حضرت سید صاحب کا خط دیکھ کر انہوں نے اثر لیا، اور فرمایا: آپ یہاں مطالعہ کر سکتے ہیں، کتاب باہر لیجانے کی اجازت نہیں ہے، پھر اس کے بعد برابر میں خانقاہ جاتا رہا اور یہاں سے حضرت مولانا منت اللہ صاحب سے جان پہچان ہوئی اور ان کے کتب خانہ سے استفادہ کرتا رہا، مگر ابتداء یہیں ہوئی پھر میرے تعلقات بڑھتے گئے اور آج بھی یہ تعلق بحمد اللہ باقی ہے۔

درالعلوم معینیہ سانحہ کی عمارت کا سنگ بنیاد اس وقت کے مشہور و مقبول علماء کرام کے ہاتھوں رکھا گیا تھا، جن کے سالار حضرت شیخ الاسلامؒ مدنی تھے، یہ میرے مرشد بھی تھے، اس لئے اب تو اس کو بننا تھا، بھٹا جب تیار ہو چکا تو اب تعمیر کا کام شروع ہونا تھا، میں نے اعلان کر دیا کہ جب تک مکان تیار نہیں ہوتا خواہ کچھ ہو جائے، میں سانحہ سے نہیں جاؤنگا۔

عمارت کی تعمیر کا کام

۲۵/صفر ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۵/نومبر ۱۹۵۲ء کو باضابطہ بنیاد کی کھدائی میں ہاتھ لگوادیا گیا، بنیاد جب کھود کر تیار ہوگئی، تو ۲/ربیع الاول ۱۳۷۲ھ ۲۱/نومبر ۵۲ء سے اینٹ کی جوڑائی شروع کروادی گئی، صدر مدرسہ بسا اوقات اس کی دیکھ بھال کرتے، خاکسار بھی خارج اوقات میں اس سے دلچسپی لیتا تھا، اور یہ کام ہمارا ہی سمجھا جا رہا تھا، چوکٹ کے لئے ساجھی کا ایک مہوا کا درخت تھا، رائے ہوئی کہ اسے کٹوا کر لے آیا جائے، اہل محلہ تیار ہوئے اور اسے ۲۴/ربیع الاول ۱۳۷۲ھ کو کٹوا کر لے آئے، میں ہر کام میں شریک رہا اور میرے طلبہ مدرسہ بھی اور الحمد للہ اہل محلہ میں بھی سرگرمی تھی۔

دیوار جب بلند ہو چکی، تو ضرورت ہوئی کہ اس چھپر کو یہاں سے ہٹا دیا جائے، تاکہ

دیوار او پر تک جا سکے، ۷؍ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ مطابق ۲۵؍دسمبر ۱۹۵۲ء کو اہل محلہ کی مدد سے چھپر اتارا گیا اور دوسرے دن مدرسہ سے ذرا فاصلہ پر دو ہیں کمبھا نصب کر کے اس پر چڑھایا گیا کہ تعلیم اپنی جگہ برابر ہوتی رہے، مگر اب اینٹ کی مزید ضرورت ہوئی تو اس کیلئے دوسرا بٹھا ساٹھ ہزار کا لگوایا گیا۔

چنانچہ بتدریج تعمیر کا کام چلتا رہا، اللہ تعالیٰ نے اس کی تکمیل کرادی، اور چھت پڑگئی، ۱۳۷۵ھ میں یہ عمارت مکمل ہوگئی اور اس میں تعلیم بھی شروع کردی گئی اتر دو کمرے تھے پھر ایک بڑا ہال تھا، پھر ایک کمرہ دکھن میں تھا، اس میں آفس کا کام رکھا گیا، اور رات میں میرے مصرف میں رہا کرتا تھا، اس طرح کل چار وسیع وعریض کمرے بنے، اور ان کمروں کا لمبا چوڑا برآمدہ بھی تیار ہوا، اس سے عوام وخواص میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی، باہر سے آنے والے کہا کرتے تھے کہ یہ مولوی ظفیر کی کرامت ہے، ورنہ سانحہ میں اتنا کشادہ مدرسہ کا مکان کوئی سوچ نہیں سکتا تھا، ابھی نہ مونگیر میں جامعہ رحمانی کا نیا مکان بنا تھا اور نہ بیگو سرائے میں مدرسہ بدر الاسلام کا، بلکہ یہ مدرسہ بند پڑا تھا، تعمیر کے سلسلہ میں میری فرمائش پر بعد میں مولانا مفتی جمیل الرحمٰن صاحب نائب مفتی دار العلوم دیوبند نے یہ قطعہ تاریخ لکھ کر عنایت فرمایا:

چوں بنا شد بہر درمیں دینات　　ایں مکان از فضل رب کائنات
بذل ہمت کرد دروے صالحہ　　تابکارش آید ایں بعد ازممات
گفت ہاتف سال تعمیرش بگو　　مرکز دیں ، باقیات صالحات

۱۳۷۵ء

زمین وقف کرائی گئی

ملک کی آزادی کے بعد خاتمہ زمین داری بل جب ہندوستان میں آیا، اور بہار میں نافذ ہوا، تو میں نے سعی کی کہ اہل محلہ جو سب زمیندار تھے، کچھ کچھ زمین دیکر مدرسہ کو وقف کردیں، میں نے اس کے لئے حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ کو دعوت دی انہوں نے میری حقیر دعوت کو قبول فرمایا اور تشریف لے آئے، دوسرے دن یکم مارچ ۱۳۷۴ھ مطابق ۷؍مارچ ۱۹۵۵ء کو اہل محلہ کا چھپر والے مکان میں اجتماع بلایا گیا،

محلہ کے سب حضرات تشریف لے آئے، یہ اجتماع صبح آٹھ بجے دن میں ہوا، حسبِ سابق خاکسار نے مدرسہ کے لئے زمین عطا کرنے کی سبھوں سے درخواست کی، حضرت نائب صاحبؒ نے بھی چند جملوں میں اس کی تائید فرمائی اور اس کے فوائد بیان فرمائے۔

تمام لوگوں نے حسب حیثیت مدرسہ کے لئے اپنی اپنی طرف سے زمین لکھوائی، اس طرح تقریباً کم وبیش تیس بیگھہ زمین قابل کاشت مدرسہ کو حاصل ہوئی، میں نے اپنی طرف سے فیض الباری، تقریر بخاری کی چار جلدیں اور حجۃ اللہ البالغہ کی دو جلدیں مدرسہ کو دیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

میرے مدرسہ کے سلسلہ میں ایک زمانہ ایسا آیا کہ مجھے کچھ تکلیف بھی ہوئی، میں نے اعلان کردیا تھا کہ جب تک مدرسہ کا مکان تیار نہیں ہوجاتا سانحہ نہیں چھوڑونگا، خواہ کچھ ہو، خطوط ادھر ادھر مدارس سے آئے، جس میں میری طلبی تھی، مگر میں نے توجہ نہیں دی، دارالعلوم معینیہ کی ترقی پر لگا رہا میرے پیش نظر سادات سانحہ کی خدمت بھی تھی اور مکان مدرسہ کی تکمیل بھی، البتہ جب مکان تیار ہوگیا تو اب میں نے دعائیں کیں کہ رب العالمین میرا انتظام کسی اور جگہ فرمادے، تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ سب میں نے اپنی راحت کے لئے کیا ہے۔

مدرسہ شمس الہدیٰ کیلئے درخواست اور امیر شریعت کی مخالفت

سانحہ کے قیام میں ایک مرتبہ بعض احباب نے مشورہ دیا کہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں جگہ کا اعلان ہوا ہے تم بھی درخواست دو، میں مونگیر گیا اور ایک درخواست لکھی امیر شریعت مدظلہ سے تذکرہ آیا تو انہوں نے میری اس رائے کی مخالفت کی، اور سخت مخالفت کی، فرمایا: درخواست بھیج دیں، مگر میری رائے نہیں ہے کہ آپ جیسا آدمی بھی آزاد مدارس چھوڑ کر سرکاری مدرسہ میں جائے، درخواست میں نے پٹنہ بھیج دی، انٹرویو کی تاریخ پر بلایا گیا تو زندگی میں پہلی مرتبہ انٹرویو دینے کے ارادہ سے پٹنہ پہونچا، مولانا ریاست علی ندوی پرنسپل تھے، ان سے ملاقات ہوئی، میرا انٹرویو بہت اچھا رہا، تنہائی میں مولانا ندوی نے بتایا کہ اس انٹرویو میں میرے دو ساتھی بھی شریک ہیں اور وہ عمر میں آپ سے بہت بڑے ہیں، میری خواہش یہ ہے کہ اس وقت ان لوگوں کو لے لیا جائے تو آپ کو ایک ماہ بعد جونیر میں جگہ خالی ہے، وہاں لے لیا جائیگا، ان

دو میں ایک ان کے ساتھی شاہ عزالدین ندوی پھلواری تھے اور دوسرے مولانا طلحہ گیاوی۔

سرکاری مدرسہ سے بے اعتنائی

میں پٹنہ سے واپسی میں مظفر پور اتر کر جامعہ العلوم مدرسہ چلا گیا، وہاں میرے ایک شاگرد عزیز مولوی انعام الحق پڑھ رہے تھے اور میں نے ہی ان کا وہاں داخلہ کرایا تھا، حضرت مولانا جمیل احمد اس وقت مدرسہ کے صدر مدرس تھے، ان سے ملاقات ہوئی، یہ خیرآبادی سلسلہ کے ایک جید عالم تھے، ان سے پٹنہ شمس الہدیٰ کے انٹرویوں کا بھی تذکرہ آیا، مولانا نے سرکاری نوکری کی سخت مخالفت کی، اور کھل کر کی، فرمایا: سرکاری مدارس کی نوکری ہرگز آپ کے لئے جائز نہیں ہے، ان کی تقریر کا مجھ پر خاصا اثر ہوا، امیر شریعت کی بات ذہن میں پہلے سے تھی، مولانا تو بہت پرانے تھے، ان کی باتوں میں اس کو مضبوط کر دیا، بس اس کے بعد میرا ارادہ بدل گیا اور ذہن میں طے کر لیا کہ مجھے مدرسہ شمس الہدیٰ اب جانا نہیں ہے، لہٰذا اور دوسرے انٹرویو میں نہیں گیا اور وہ بات ذہن سے نکال دی طے کر لیا کہ سرکاری ملازمت نہیں کرنی ہے، خواہ کچھ ہو۔

کتب خانہ رحمانی کا افتتاح

اس نازک دور سے گذر ہی رہا تھا کہ مونگیر جانا ہوا، حضرت امیر شریعت نے فرمایا کہ فلاں تاریخ میں آپ کے مرشد حضرت شیخ مدظلہ تشریف لا رہے ہیں، یہ لائبریری نئی تیار ہوئی ہے اس کا افتتاح ہوگا آپ کے لئے دعوت نامہ بھیجنے کی ضرورت تو نہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں، ہاں! آپ کو تو آنا ہی ہے، بھولیں گے نہیں! میں نے عرض کیا ضرور حاضری ہوگی! چلتے ہوئے میں نے پوچھا اگر میں کتب خانہ کی ضرورت واہمیت پر مقالہ لکھ کر لاؤں تو کیا اس کے پڑھنے کا موقع ملے گا؟ فرمایا ضرور موقع دیا جائیگا، مگر شرط یہ ہے کہ آپ پہلے وہ مقالہ مجھے دیکھا دیں، میں نے کہا منظور ہے۔

مقالہ کی تیاری

ایک ہفتہ باقی تھا میں نے سانحہ پہونچ کر مقالہ کی تیاری میں لگ گیا اور اللہ کے فضل

وکرم سے اچھا خاصہ ایک تاریخی مقالہ تیار ہو گیا، اس مقررہ تاریخ میں مونگیر اس وقت پہونچا، جب سارے معزز مہمان آچکے تھے اور مولانا منت اللہ صاحبؒ بہت مشغول ہو چکے تھے، میں نے حاضر ہو کر حضرت کو سلام کیا اور عرض کیا یہ مقالہ ہے، میں نے تیار کر لیا ہے، فرمایا اب میرے لئے دیکھنے کا موقع کہاں رہا؟ بہر حال مقالہ جیب میں رکھیں، پڑھنے کے سلسلے میں اثباتاً نفیاً کچھ نہیں فرمایا، مجھے اطمینان ہو گیا کہ مقالہ پڑھا نہیں جائیگا، مگر جلسہ میں شریک بہر حال ہونا تھا، بعد نماز ظہر اجلاس نئے کتب خانہ کے ہال میں شروع ہوا، میں بالکل کنارے قدیم مسجد کی چھت پر آکر بیٹھ گیا، آواز وہاں آرہی تھی بعد ظہر پروگرام شروع ہو گیا، بعد نماز عصر تھوڑی دیر کے بعد حضرت نائب امیر شریعت کی آواز کانوں سے ٹکرائی کہ اب آپ کے سامنے ہمارے مولانا محمد ظفیر الدین صاحب تشریف لا کر مقالہ سنائیں گے اور میرے تعارف میں حوصلہ افزا کلمات بھی فرمائے۔

مقالہ پڑھا گیا

میرے ساتھ ہمارے یہاں کے پوسٹ ماسٹر مرتضٰی بابو بیٹھے ہوئے تھے، کہنے لگے حضرت چلئے، میں نے کہا، اس بھیڑ میں اتنے لوگوں کے مجمع سے ہو کر پہونچنے کی کیا صورت ہوگی؟ انہوں نے کہا میں آگے آگے چلتا ہوں، آپ میرے پیچھے آئیں، انہوں نے بڑی محنت کر کے مجھے اسٹیج تک پہونچایا، میری جان پہچان تو تھی ہی، فرمایا: آیئے مقالہ پیش کیجئے۔

میں اسٹیج پر چڑھا اور مقالہ پڑھنا شروع کیا، میں نے تھوڑی دیر بعد محسوس کیا کہ یہ مقالہ علماء کرام اور عوام دونوں کافی پسند کر رہے ہیں اور لوگوں پر ایک سکتہ کا عالم چھایا ہوا ہے، مقالہ طویل تھا تا آنکہ مغرب کی اذان ہوگئی، جلسہ کی کاروائی روک دی گئی، اور علان کر دیا گیا کہ بعد نماز مغرب کاروائی شروع ہوگی، نماز مغرب کے بعد حضرت نائب صاحب نے پھر یاد فرمایا، اور حکم دیا کہ مقالہ پورا کریں، میں نے عرض کیا کافی ہو چکا، فرمایا علماء کا اصرار ہے کہ پورا پڑھا جائے، میں نے بعد مغرب اسے پورا کیا یہ واقعہ ۱۳۷۵ھ کے رمضان سے پہلے کا ہے اس کی تاریخی کتاب امیر شریعت رابع میں ملے گی۔

دیوبند کی طلبی کا پیش خیمہ

میرا یہی مقالہ دارالعلوم دیوبند میں اپنی طلبی کا ذریعہ بنا، اس اجلاس میں صدرالمدرسین شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور مہتمم دارالعلوم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ دونوں موجود تھے اور مقالہ یہ حضرات بغور سن رہے تھے۔

خاکسار کی تالیفات

دارالعلوم معینہ سانحہ ضلع مونگیر کی مدرسی کے زمانہ میں میری تین کتابیں شائع ہو چکی تھیں "اسلام کا نظام مساجد" جو مرتب تو نگرام میں ہوئی مگر چھپی سانحہ آنے کے بعد، اور ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی، طباعت سے پہلے اس کتاب کے بعض ابواب رسالہ برہان دہلی میں متعدد قسطوں میں شائع ہوئے تھے۔

دوسری کتاب "اسلام کا نظام عفت وعصمت" طبع ہوئی یہ سانحہ ہی میں مرتب ہوئی اور دہلی ندوۃ المصنفین سے شائع ہوئی اور تیسری کتاب مصائب سرور کونین ﷺ "اُسوۂ حسنہ" کے نام سے چھپی، یہ بھی قیام سانحہ میں مرتب ہوئی مگر اس کی طباعت واشاعت اس وقت ہوئی جب میں دیوبند آ گیا تھا، پہلی کتاب پر اچھی آراء سامنے آئیں اس سے زیادہ دلچسپی حضرت مولانا گیلانیؒ نے لی اور آپ کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوئی، اس کتاب کے سلسلہ میں حضرت سید صاحبؒ نے اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا:

حضرت سید صاحب کی رائے

عزیز مکرم!

زادکم اللہ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا کارڈ ملا، آپ کی کتاب "نظام مساجد" دہلی سے پہونچی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور آپ کی اس پہلی تصنیف کو آئندہ کے مدارج و مراتب کی ترقی کا زینہ بنائے، اس زمانہ میں دین کی خدمت کا ذریعہ سنجیدہ قلم ہے، اس نعمت کا شکریہ ادا کیجئے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی

منت شناس اموکہ بخدمت بداشتت

مضامین کا اسلوب معلومات کی فراہمی، بیان کی شستگی اور طریق تعبیر کی درستی، ہر چیز پسند آئی، آپ کے استاذ (۱) محترم کی خیریت سننے کو دل چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو صحیح وسالم رکھیں، خط انہیں لکھیں تو میری یاد دلادیں، یہ ایسا عالم آشوب وقت ہے کہ بھائی بھائی سے دوست دوست سے جدا ہے، نہ کسے می رود آنجانہ کسے می آید۔

بحمدہ تعالیٰ یہاں بھی عربی مدارس جگہ جگہ کھل رہے ہیں، اور طلبہ مجتمع ہو رہے ہیں، کتابوں اور کتب خانوں کی کمی ہے اور اس کی تدبیر بھی کی جارہی ہے۔

والسلام

۲۷/اگست ۵۱ء از کراچی　　　سید سلیمان

اس کے بعد علاوہ صدق جدید لکھنؤ، معارف اعظم گڑھ، دار العلوم دیوبند، نقیب پھلواری شریف اور دوسرے علمی رسالوں میں بہت اچھی رائیں آئیں، مولانا دریا آبادیؒ نے اپنے تبصرہ میں اور باتوں کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ ”کتاب ٹھیٹھ مذہبی ہونے کے باوجو مولویانہ خشک نگاری سے پاک ہے“

نظام عفت وعصمت کا انگریزی ترجمہ

اساتذہ اور دوسرے اہل علم نے ان کتابوں کو بہت پسند کیا، اور کوئی شبہ نہیں کہ میں نے ان کتابوں کے لکھنے میں کافی محنت کی تھی، نظام عصمت کا انگریزی ترجمہ کویت کے ایک تاجر نے شائع کیا اور ترجمہ بہت عمدہ کرایا اس کا ایک نسخہ میں نے حاصل کرلیا جو میرے پاس موجود ہے، بس اتنی تبدیلی نام کی گئی ہے کہ مفتاحی کے بجائے ندوی لکھا گیا ہے۔

یہ کتاب عرصہ تک رکھی رہی، دہلی جانا ہوا تو میں یہ انگریزی ترجمہ لیتا گیا اور ڈاکٹر منظور عالم کو دکھایا ان کو یہ ترجمہ پسند آیا، انہوں نے فرمایا آپ اجازت دیں تو یہاں سے بھی

---

(۱) یعنی محدث جلیل حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ المتوفی ۱۴۱۲ھ

شائع کرادوں، میں نے بصد شوق اجازت دے دی، چنانچہ انہوں نے قاضی پبلیشر سے چھپوا کر شائع کردی جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

مقالات وخدمات

ان تین کتابوں کے علاوہ پچاسوں مقالات مختلف عنوانات پر لکھے گئے، جو برہان، دہلی دارالعلوم دیوبند، تبیان پاکستان، الفرقان لکھنؤ اور نئی زندگی الہ آباد میں شائع ہوئے، ان مقالات کی تفصیل انشاء اللہ الگ سے دی جائیگی۔

سانحہ کی زندگی میں ایک مرتبہ جمعیۃ علماء کا ایک وفد پہونچا، تو خیر مقدمی مقالہ پیش کیا گیا، یہ گرانقدر مقالہ لکھ کر میں نے خود سنایا، جو الجمعیۃ دہلی ۲۴ر ستمبر ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا اور پسند کیا گیا، اس کا عنوان تھا: ''خیر مقدم بخدمت اراکین وفد جمعیۃ علماء ہند''

ایک سال خیال ہوا کہ جمعیۃ علماء کانفرس ضلع مونگیر کے نام سے کی جائے، تو اس کا انتظام ہوا، اس میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن جنرل سکریٹری تشریف لائے اور دوسرے علماء نے بھی شرکت فرمائی، اس میں خطبہ استقبالیہ خاکسار نے لکھ کر چھپوائے اور محمد خالد صاحب نے بحیثیت صدر استقبالیہ پڑھ کر سنایا، یہ خطبہ کافی دلچسپ اور تاریخی تھا، لوگوں میں مقبول ہوا، اتفاق سے اب اس وقت اس کی کوئی کاپی میرے پاس موجود نہیں ہے، اس اجلاس میں حضرت مولانا عبدالرشید رانی ساگریؒ حضرت مولانا عبدالصمدؒ رحمانی اور امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی اور مولانا عبدالقاسمؒ مخدوم چک خصوصی طور پر شریک ہوئے، یہ جلسہ لکھمینیا میں مڈل اسکول کے پیچھے والے میدان میں ہوا۔

سانحہ کے قیام میں کچھ دیہاتوں میں بھی جانا ہوا اور وہاں میری تقریریں ہوئیں، بیگوسرائے شہر میں بھی تقریر ہوئی، اگر چہ باہری سفر بہت محدود تھا اور بہت اصرار کے بعد جاتا تھا، بیگوسرائے میں میری پہلی تقریر سے کافی حضرات متاثر ہوئے۔

سانحہ کے محلے

سانحہ میں مسلمانوں کے متعدد محلے ہیں، جہاں مدرسہ ہے، اسے تو محلہ بہاءالدین کہا

جاتا ہے، دوسرا احمد گنج بکھڑا ہے، اور تیسرا متوں نرئی محمود گنج، پھر دھنیا ٹولی ہے، اور ایک کنجرا ٹولی، ان تمام محلوں میں کبھی کبھی جانا ہوا اور تقریریں ہوئیں، محلہ بکھڑا سانحہ میں مولوی ابو محمد عبدالقدوس صاحبؒ، فصیح احمد، مولانا ابولبشر، مولانا عبدالعلیم، حکیم احمد علی، ان سبھوں سے اچھی ملاقات تھی، اور اس محلہ میں ہمارے علی امام بھائی جو میرے دوست تھے اور ان کے بھائی پرفیسر حسین امام اور حسن امام سے بہت ربط وضبط تھا، امام بھائی کے یہاں کبھی کبھی رات میں رہ جاتا تھا اور ان کے واسطے سے دوسرے نوجوانوں سے دید شنید تھی، جن کے نام اب یاد نہیں رہے۔

کچھ اور جگہیں جہاں جانا ہوا

محل متوں نرئی میں ماسٹر تفضل صاحب جو سانحہ مڈل اسکول میں ٹیچر تھے، ان سے بھی اچھی جان پہچان تھی، بیگوسرائے میں ڈاکٹر اختر صاحب اور قدوس بابو کے یہاں بھی بوقت علاج جانا ہوتا تھا، قیام عبدالقدوس بابو کے ڈیرے میں ہوتا تھا، کھانا ہوٹل میں کھایا جاتا تھا، میرے ایک استاذ مولانا محمد علی صاحب بھی بیگوسرائے ہائی اسکول میں رہتے تھے، ان سے بھی ضرور ملا کرتا تھا، حضرت مولانا عبدالرشید صاحب، رانی ساگری کا قیام ڈاکٹر صاحب کے یہاں رہتا تھا، یاد ہے ایک آدھ دفعہ وہاں بھی چائے پینے کی نوبت آئی ہے، سانحہ سے دو ایک دفعہ مانڈر بھی جانا ہوا، قیام حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی یا سیٹھ صاحب کے یہاں ہوتا تھا، شہر مونگیر جب بھی جانا ہوا، تو قیام خانقاہ رحمانی کے کتب خانہ میں ہوا، حضرت مولانا منت اللہ صاحبؒ کے خادم اس کی چابی مجھے دیدیا کرتے تھے کھانا مولانا کے خادم کتب خانہ ہی میں بھجوادیا کرتے تھے اور ناشتہ بھی، ان کا نام مولوی منظور تھا، یہ میری دیکھ بھال رکھتے تھے۔

کتب خانہ خانقاہ رحمانی سے میں نے زمانہ قیام دارالعلوم معینیہ سانحہ میں برابر استفادہ کیا، اور بالآخر اسی کتب خانہ کی نئی عمارت کا افتتاح میرے لئے دارالعلوم دیوبند کا ذریعہ بنا۔

سفیر دارالعلوم دیوبند کی آمد سانحہ میں

اس کی صورت یہ ہوئی کہ میں نے اس جلاس میں کتب خانہ کی تاریخ اور اس کی افادیت پر ایک مقالہ پڑھا تھا میرا یہ علمی مقالہ غالباً حضرت شیخ الاسلامؒ اور حکیم الاسلامؒ کو پسند

آ گیا، رمضان ۵۷ھ کی چھٹی گذار کر مدرسہ معینیہ سانحہ پہونچا، تو اہل محلہ نے بتایا کہ اس سال دارالعلوم دیوبند کے سفیر صاحب آئے تھے، جبکہ اس سے پہلے کبھی نہیں آئے، اور تمام لوگوں سے تمہارے متعلق مختلف سوالات کرتے تھے، لوگ اپنی صواب دید اور معلومات کے مطابق جواب دیا کرتے تھے، کیا آپ ان کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا سفیر صاحب سے میری کبھی کی ملاقات نہیں ہے، مدرسہ دیکھا ہوگا، اور معلوم ہوا ہوگا، کہ میں اس مدرسہ کا صدر مدرس ہوں، اس لئے سوالات کئے ہوں گے کہ میں کیسا ہوں؟ کیا پڑھاتا ہوں، اور کتنی تنخواہ ہے؟۔

یہ وقتی بات تھی، سن کر سب بھول بھلا گیا اور اپنے کام میں حسب سابق بدستور مشغول ہو گیا، مطالعہ، تدریسی خدمت اور مدرسہ کی دیکھ ریکھ، میں دنیا و مافیہا سے غافل، ہمہ تن اپنی تعلیمی کام اور قلمی مشغلہ میں منہمک تھا کہ شوال کے بعد ذی قعدہ کے دوسرے ہفتہ میں ڈاک سے دارالعلوم دیوبند کا ایک لفافہ موصول ہوا، لفافہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ میری تو وہاں کسی سے جان پہچان نہیں اور نہ کسی سے کوئی رابطہ، مگر خط پر میرا پتہ صاف طور پر لکھا ہوا تھا، حسب عادت اسے کھولا تو اس میں سے دارالعلوم دیوبند کے لیٹر پیڈ پر میرے نام ٹائپ شدہ ایک لمبا خط تھا، یہاں اس کو نقل کر دینا مناسب ہے۔

مکتوب گرامی حضرت مہتمم صاحب (دارالعلوم دیوبند)

حضرت المحترم ! زید مجدکم السامی

سلام مسنون، نیاز مقرون، صحت وری مزاج کا خواہاں ہوں، اس وقت ایک ضرورت سے عریضہ لکھ رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس وقت دارالعلوم کے شعبۂ تبلیغ اور یہاں کے نشر و اشاعت کو ایک ایسے فاضل کی ضرورت ہے جو صاحب قلم، خوش تحریر ہو اور شرعی مسائل وحقائق کو دلنشین پیرایہ میں، اچھے اسلوب کے ساتھ، موجودہ دور کے تقاضے کے مطابق بیان کرنے پر قادر ہو، بالخصوص مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے ان نظریات کا جو اہل سنت والجماعت کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں اصول و دلائل کی روشنی میں تجزیہ کر کے ان کا کھرا اور کھوٹا

واضح کر سکتا ہو، نیز مخالف تحریرات سے انصاف واعتدال کے ساتھ اخذ کرنے اور اس پر سنجیدہ گرفت کرنے کا سلیقہ رکھتا ہو، اور معاندین کے شبہات واعتراضات کا شرعی مواد کی روشنی میں متانت کے ساتھ جواب دینے کی اہلیت رکھتا ہو، ساتھ ہی اکابر دارالعلوم کے بتلائے ہوئے اسالیب بیان وعنوانات کلام پر ان کے ذوق وفکر کی روح کو محفوظ رکھتے ہوئے اچھے ڈھنگ سے ان کے مقصود کی ترجمانی کر سکتا ہو، اور اسی کے ساتھ احیاناً دارالعلوم کی ضروریات یا بیرونی دعوت پر حسب موقع تقریر وبیان پر بھی قادر ہو۔

اس سلسلہ میں مختلف شخصیتوں کے نام کے ساتھ جناب کا اسم گرامی بھی سامنے آیا، بندہ کا حسن ظن تو ذات سامی کی نسبت جو ہے وہ ہے اور وہی اس کا باعث ہوا ہے، لیکن درخواست یہ ہے کہ معیار بالا کی رو سے اپنے بارے میں خود جناب بے تکلف اظہار خیال فرماویں، کہ ان خدمات مطلوبہ کو جذبات مذکورہ کے ساتھ انجام دے سکیں گے یا نہیں؟ اگر دے سکیں گے تو مطلع فرمادیں، تاکہ مجلس انتخاب میں اسم گرامی اپنی سفارش کے ساتھ پیش کر سکوں، ساتھ میں اگر کوئی مقالہ یا رسالہ یا مضمون یا تالیفات میں سے ہو تو اسے بھی ارسال فرماویں، خواہ مطبوعہ ہو یا مخطوطہ۔

والسلام

محمد طیب

مہتمم دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۷۵ھ

حضرت اقدس کے اس گرامی نامہ کو بار بار پڑھیں، یہ کس قدر جامع ہے اور اس میں کتنی شرطیں ہیں؟ اور وہ کیسی ہیں؟ خاکسار اس تحریر کی جامعیت سے بہت متاثر ہوا ان شرطوں پر ایک گہری نظر ڈالی جائے۔

مکتوب گرامی میں شرائط

آپ حضرات مہتمم صاحب کے اس مکتوب گرامی کو بغور پڑھیں کہ اس میں کتنی شرطیں

لگائی گئی ہیں:

(۱) صاحب قلم خوش تحریر ہو۔ (۲) مسائل شرعی کو دل نشیں انداز میں بیان کرسکتا ہو۔ (۳) زمانہ کے تقاضے کا پاس ولحاظ ہو۔ (۴) اسلوب بیان اچھا ہو، اور اس پر قادر ہو۔ (۵) مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے نظریات سے باخبر ہو۔ (۶) جو نظریہ اہل سنت والجماعت سے میل نہ کھاتا ہو، دلائل اور اصول کی روشنی میں تجزیہ کرسکتا ہو۔ (۷) اور اس کا کھرا کھوٹا واضح کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ (۸) مخالف تحریرات سے انصاف واعتدال کے ساتھ غلطی اخذ کرکے اس پر سنجیدہ گرفت کرسکتا ہو۔ (۹) معاندین کے مشکوک وشبہات اور اعتراضات کا شرعی مواد کی روشنی میں جواب دینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ (۱۰) اکابر واسلاف کے ذوق وفکر سے واقف ہو اور اس کی رعایت کرسکتا ہو۔ (۱۱) اور اسی طرح وہ تقریر و بیان پر قادر ہو۔

اس دور میں ایسا عالم عنقا ہے، جس میں اتنی خوبیاں جمع ہوں، میں اس مکتوب گرامی کو پڑھ کر حیرت میں ڈوب گیا کہ یا اللہ مجھ میں تو ان خوبیوں میں کوئی بھی خوبی نہیں پائی جاتی ہے، پھر حضرت والا کے سامنے مجھ حقیر کا نام کیسے آیا، میں ایک طالب العلم اور بہت چھوٹے مدرسہ کا مدرس ہدایہ تک زیادہ سے زیادہ درس دینے والا، میں نے اپنے قریب کے لوگوں سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ انہوں نے کہا: کچھ نہ کچھ جواب ضرور دیا جائے۔

مکتوب گرامی کا جواب

میں سوچتا رہا، ۲۴/ ذی قعدہ ۵۷ء کو میں نے تین سطر کا جواب لکھ کر حوالہ ڈاک کیا، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ شرائط کو جو مکتوب گرامی میں مذکور ہیں شاید کبھی بھی پوری نہیں کرسکتا، البتہ مجھے طبعی طور پر لکھنے پڑھنے اور مطالعہ کا ذوق ہے اور بس میری دو کتابیں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوچکی ہیں، نظام المساجد، اور نظام عفت وعصمت، ادارہ کو لکھ رہا ہوں، حضرت اقدس کی خدمت میں بذریعہ ڈاک روانہ کردی جائیں، چنانچہ وہاں سے اطلاع آئی کہ آپ کے لکھنے کے مطابق دونوں کتابوں کا ایک ایک نسخہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کو بھیج دیا گیا۔

اب میں نے اپنے بعض مخلصوں اور بزرگوں کو اس سلسلہ میں خط لکھا کہ ایسا خط موصول

ہوا ہے، کیا کیا جائے؟ یاد آتا ہے حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی نے لکھا کہ علمی اعتبار سے تو جہاں آپ ہیں وہی بہتر ہے، لیکن چونکہ وہاں وقت پر تنخواہ نہیں ملتی ہے، اس اعتبار سے دیوبند اچھا رہے گا۔

حضرت مولانا منت اللہ نے فرمایا میں اس جگہ کے لئے ایک دوسرے صاحب سے وعدہ کر چکا ہوں اور چونکہ یہ تدریس کی جگہ نہیں ہے اس لئے آپ کے واسطے مناسب بھی نہیں، تقریباً یہی رائے مولانا عبدالصمد رحمانی نے ظاہر فرمائی، میں اس کے بعد خاموش ہو کر بیٹھ گیا اور دیوبند کا نام بھی ذہن میں باقی نہیں رہا، نہ اس کے بعد کوئی خط آیا، میں نے سمجھ لیا کہ چونکہ ان شرطوں پر پورا اترتا نہیں تھا اور اس کا میں نے جواب میں اظہار بھی کر دیا تھا لہٰذا وہ مسئلہ زیر بحث بھی نہیں آیا، چنانچہ ایک ہفتہ کے بعد دوبارہ کبھی چرچا نہیں ہوا، اسی زمانہ میں مولانا ازہر شاہ قیصر کا خط آیا کہ اگر تمہارا تقرر ہو جاتا ہے تو تم کو آنا چاہئے انکار کرنا مناسب نہ ہوگا۔

دوسرا مکتوب

میں اپنے کام میں سابق بدستور منہمک ہو گیا، غالباً محرم کا اخیر عشرہ تھا اور اس وقت سانحہ میں سیلاب آیا ہوا تھا، اس لئے پڑھائی مسجد میں ہو رہی تھی، مدرسہ کا راستہ پانی سے بھرا ہوا تھا، کہ ڈاکیہ نے ایک لفافہ دارالعلوم دیوبند کا لا کر دیا، میں چونکا کہ کئی ماہ بعد یہ کیا ہے کھول کر پڑھا تو یہ مضمون تھا۔

مکرمی محترمی ! زید مجدکم

سلام مسنون گرامی نامہ مل گیا تھا، متعلقہ سب کمیٹی کے اجلاس کے انتظار میں اس پر کوئی کاروائی نہ ہو سکی، اب اجلاس سے فراغت ہو گئی ہے۔

آپ کا تقرر شعبہ تبلیغ میں فرائض مذکورہ سابقہ پر بہ مشاہرہ ماہوار پچھتر روپئے منظور کیا گیا ہے، پچاس فیصدی آلاؤنس ملے گا، اس لئے مجموعی یافت سردست ایک سو بارہ روپیہ آٹھ آنے ہوگی، جس دن سے آپ تشریف لا کر کام شروع کر دیں گے اس دن سے مشاہرہ کا اجراء

کردیا جائے گا، امید کہ آنے میں تاخیر نہ فرمائیں گے۔ فرائض متعلقہ بغیر ذمہ دار کے تشنۂ عمل ہے، امید یہ مزاج سامی بعافیت ہوگا اور آمد کی اطلاع سے مسرور فرمادینگے۔ والسلام

از دیو بند ۱۴/۱/۷۶ھ محمد طیب

یہ خط خود حضرت مہتمم صاحب نے اپنے قلم سے لکھا تھا، پڑھ کر خوشی ہوئی کہ انتخاب میں نام آیا، یہ خط مجھے یکم ستمبر ۵۶ء کو ملا، مگر فکر یہ کہ مدرسہ کس پر چھوڑا جائے، جس کے لئے اتنی مشقت جھیلنا پڑی ہے، یہ خط میں نے حفظ خانہ کے اپنے مدرس حافظ عبدالرشید صاحب کو دکھایا، وہ کہنے لگے میری رائے ہے کہ آپ چھٹی لے کر اس بہانہ سے دارالعلوم دیو بند دیکھ آئیں، رہنے کے ارادہ سے ہرگز نہ جائیں، زیارت کے خیال سے جائیں، حضرت مہتمم صاحب کو جواب لکھدیا کہ سعی ہوگی تا کہ جلد حاضر ہوسکوں۔

اس سلسلہ میں کتنے دنوں شش وپنج میں رہا، پھر طے کیا کہ چھٹی اگر مل گئی تو چلونگا ورنہ نہیں، اس زمانہ میں چھٹی دینے کے ذمہ دار صدر مجلس رقیب بابو تھے، ان سے گفتگو کی وہ بہت مشکل سے اس شرط پر تیار ہوئے کہ آپ ایک ماہ میں دیکھ سن کر واپس آجائیں، محرم ۷۶ھ کا پورا مہینہ اسی حیص بیص میں گذر گیا۔

محرم کی اخیر تاریخ میں سفر کا عزم کرلیا اور کسی پر ظاہر کئے بغیر ۵ر ستمبر ۵۶ء کو ایک طالب العلم کو ساتھ لے کر خاموشی سے لکھمینیا اسٹیشن آگیا، چھپرہ کا ٹکٹ بھی منگوالیا، ابھی ٹرین میں تاخیر تھی کہ اتنے میں شعیب صاحب وکیل پہونچے، وہ بیگوسرائے اسی ٹرین سے جارہے تھے، جس سے میں جانے والا تھا، پوچھا مولانا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے ان سے یہ راز کھول دیا کہ یہ صورت ہے، بہت خوش ہوئے، فرمایا ضرور جایئے بڑے ادارے کی بات ہی الگ ہے اور پھر بے ساختہ ان کی زبان پر وہ مصرعہ آگیا جسے وہ مجھے دیکھ کر بے ساختہ پڑھا کرتے تھے۔

"ان سنگ ریزوں میں گہر تھا مجھے معلوم نہ تھا"

پھر حکیم نظیر صاحب (بلیا) تشریف لائے، ان سے وکیل صاحب نے کہا کہ مولانا کو دیو بند نے یاد کیا ہے، وہاں جارہے ہیں، حکیم صاحب نے جانے کی سخت مخالفت کی اور فرمایا

آپ ٹکٹ واپس کردیں، اپنا مدرسہ ہرگز نہ چھوڑیں، وکیل صاحب نے کہا، مولانا ان کی باتوں میں ہرگز نہ آئیں، یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ٹرین آگئی، ہم تینوں بیٹھ گئے، یہ دونوں بیگوسرائے اتر گئے، میں آگے چلا، پانچ بجے شام میں چھپرہ جنکشن ٹرین پہونچی، میں اتر گیا کہ مجھے ریول گنج دوسری ٹرین سے جانا تھا، پلیٹ فارم پر ایک مولانا صاحب ملے پوچھا کہاں سے آرہے ہیں؟ میں نے بتایا کہ لکھمینیا سے اور ریول گنج جانا ہے، اچھا آپ فلاں صاحب ہیں، میں نے کہا جی ہاں! کہنے لگے میں تو آپ کو ہی لینے آیا ہوں، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے بھیجا ہے، میں خوش ہوا اور ان کے ساتھ دوسری ٹرین میں بیٹھ کر مدرسہ حمیدیہ گودنا پہونچ گیا، حضرت مولانا سے ملاقات ہوئی، فرمایا: دیوبند جاؤ حرج نہیں، جی لگ جائے رہ جانا، ورنہ واپس آجانا، چھٹی تو لے لی ہوگی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! یہ مخدومی دیوبند میں پڑھ کر آیا ہے اس سے راستہ معلوم کرلو۔

مخدومی صاحب کی رہبری

مخدومی صاحب ابھی ایک سال پہلے دیوبند سے پڑھ کر آئے تھے، بہت خوش ہوئے اور کہا کہ میں ساتھ چھپرہ چلونگا دیوبند تک کا ٹکٹ بنوادونگا اور اکسپریس پر بٹھادونگا، وہ ایک بجے دن میں لکھنؤ پہونچے گی اس سے اتر کر بڑی لائن والی اسٹیشن پوچھ کر پہونچ جائیں، وہاں تین بجے دن میں پنجاب میل ملے گی کسی طرح اس پر چڑھ جائیں، وہ آپ کو سیدھے سہارنپور لے جائیگی، ڈھائی تین بجے اخیر شب میں وہاں سے اتر جائیں، اور قلی سے معلوم کر کے دیوبند جانے والی ٹرین پر بیٹھ جائیں، جو وہاں کھڑی رہتی ہے، ساڑھے چار بجے صبح میں وہاں سے چلے گی اور ساڑھے پانچ بجے صبح میں آپ کو دیوبند پہونچادیگی، دیوبند چوتھا اسٹیشن ہے، وہاں معلوم کر کے اتر جائیں، انشاء اللہ کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ میرے پاس کوئی سامان نہ تھا ایک چھوٹا تھیلا تھا، جس میں دو چادریں دو جوڑا کرتا پائجامہ اور دو لنگی، قلی کی بھی کوئی ضرورت نہیں، پیسے کافی لئے تھے، کہ ساتھی سب سے عمدہ وہی سفر میں ہوتا ہے۔

چھپرہ سے روانگی

دوسرے دن ۷ رستمبر ۵۶ء کو مخدومی صاحب مجھے لے کر چھپرہ آئے ٹکٹ بنوادیا، اس

زمانہ میں ریزرویشن ڈبے نہیں ہوتے تھے، سب جنرل ڈبے ہوتے تھے، بارہ بجے رات میں کسی ڈبہ میں بٹھادیا، آرام سے بیٹھنے کی جگہ مل گئی، اس نے ایک ڈیڑھ بجے دن میں لکھنؤ پہونچایا، چھوٹی لائن والے اسٹیشن سے بڑی لائن کے اسٹیشن پر آکر پنجاب میل کے انتظار میں بیٹھ گیا، ٹرین آئی اس پر چڑھ گیا، آگے چل کر بیٹھنے کی جگہ مل گئی، ڈھائی تین بجے رات میں سہارنپور پنجاب میل پہونچا، معلوم کر کے وہاں اتر گیا اور پوچھ کر دہلی جانے والی پسنجر ٹرین پر آکر لیٹ گیا، میں نے مسافروں سے کہدیا کہ مجھے دیوبند جانا ہے، آنکھ لگ جائے تو جگادیں گے۔

دیوبند آگیا

اس ٹرین نے ساڑھے پانچ بجے صبح میں دیوبند پہونچایا، آج ۹ رستمبر ۵۶ء تاریخ تھی، اللہ کا نام لے کر اتر گیا، ٹرین روانہ ہوگئی، پلیٹ فارم پر کچھ جانے پہچانے چہرے نظر آئے، دوڑ کر سب آئے اور گلے ملے، اب میری خوشی کیا کہنا، یہ تھے مولوی شاہد روح اللہ، مولوی حسن سانحہ، مولوی نظام الدین اور دس طلبہ اور بھی تھے، اس زمانہ میں سواری کی بہت کمی تھی، صرف دو تانگے دیوبند میں چلتے تھے، رکشا کا نام ونشان تک نہ تھا، مولانا روح اللہ ایک تانگا کو ریزرو کرا چکے تھے، اس پر لاکر بٹھادیا اور چار پانچ لڑکوں کو میرے ساتھ بٹھایا، اور کہا مولانا کو لے کر چلو، بقیہ ہم لوگ تفریح کرتے پیدل آرہے ہیں۔

الحمد للہ بڑے اطمینان سے دارالعلوم پہونچا، ان طلبہ نے رحمانی منزل میں ٹھہرایا جو مولوی روح اللہ کا کمرہ تھا، یہ حضرت امیر شریعت کے بھتیجے ہیں، یہ کمرہ دار جدید کے اوپر مغرب وجنوب گوشہ میں واقع ہے، مولوی صاحب دارالعلوم دیوبند میں باضابطہ داخلہ لے کر پڑھ رہے تھے، اس زمانہ میں دار جدید کے اوپری کمرے نہیں بنے تھے، صرف چاروں گوشوں میں چار کمرے تھے۔

حضرت مولانا گیلانی کی یاد

یہاں پہونچ کر بے ساختہ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ یاد آئے اور ان کی دعائیں اور ان کا یہ مکتوب گرامی، جو انہوں نے تین سال پہلے میرے نام لکھا تھا، جب میں

نے قیام سانحہ کی کسی تکلیف کا اپنے خط میں تذکرہ کردیا تھا، جواذیت اس وقت پہونچی ہوگی۔

گرامی قدر محترم ومخدوم مولانا ظفیر الدین صاحب! ایدکم الله بروح منه

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

مدت کے بعد آپ کا نوازش نامہ موجب عزت افزائی ہوا، حالات سے آگاہی ہوئی، جو صورت پیش آئی، میرے خیال میں شاید یہی مناسب تھی، حالی کی زبان مدت سے چلا رہی تھی کہ ۔

میں ترے قابل نہیں ہوں، تو میرے قابل نہیں

انشاء اللہ والآخرۃ خیر لک من الاولی کی صورت غیب سے آپ کے سامنے آئیگی، واللہ علی مایشاء قدیر اس فقیر کو ایسے زمانہ میں آپ نے نیاز کا شرف بخشا، جب وہ اپنی افادیت کھو چکا تھا تاہم ممکنہ حد تک باز نہ آئیگا، مولانا طیب صاحب کو بھی انشاء اللہ توجہ دلاؤنگا اور بھی جو احباب ہیں، آپ ضرور حسب وعدہ تشریف لائیں۔

فقط الداعی لفلاحکم

مناظر احسن گیلانی

۱۳/ جون ۱۹۵۳ء

دعائے گیلانی کا اثر

نہ معلوم مولانا محترم ومکرم نے یہ خط کس عالم میں اپنے ایک معتقد کو لکھا تھا، آج تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، جذب کا عالم رہا ہوگا، میرا خط پڑھ کر انہیں میری پریشانی پر رحم اور ترس آیا ہوگا، مولانا بلاشبہ صاحب نسبت بزرگ تھے، خاکسار سے یہ واقعہ ہے مولانا کو بہت محبت تھی، اور میری علمی ترقی کے دل سے خواہش مند تھے، کچھ سالوں کے بعد ہی ان کی پیشگوئی سامنے آئی ایسے اللہ والے اب کہاں ملیں گے؟ ریٹائر ہونے سے پہلے کوئی جان پہچان اور ملاقات نہیں تھی، حضرت العلامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ سے البتہ بڑی عقیدت تھی جیسا کہ پہلے گذرا، انہوں ایک دفعہ لکھا کہ میں اپنے وطن دیسنہ آنے والا ہوں، جملہ یہ تھا:

”میرا ارادہ وسط مئی میں وطن کا ہے، اللہ تعالیٰ پورا فرمائیں“ والسلام

سید سلیمان

۲۲/ اپریل ۱۹۴۹ء از بھوپال

مولانا گیلانی کی خدمت میں

سید صاحب سے کئی سال سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، میں نے لکھا انشاء اللہ دیسنہ حاضر خدمت ہونگا، بس آپ کی ملاقات کا ولولہ ہی ذریعہ بنا مولانا گیلانی سے ملاقات کا، اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت سید صاحب کا خط آیا۔

عزیز محترم ! شفاکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمدللہ بخیریت ہوں، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو اکثر شکایات سے شفا بخشی، آج وطن کے قصد سے روانہ ہو رہا ہوں، انشاء اللہ ۱۶/ ۱۷/ مئی تک وطن یعنی دیسنہ پہونچونگا اور اواخر جون تک قیام کا ارادہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے سایہ عاطفت میں رکھیں اور آپ سے دین وملت کی مفید خدمت لیں، نظام مساجد کی تکمیل سے خوشی ہوئی صاحب مساجد تعالیٰ قبول فرمائیں، اشعۃ اللمعات مفید ہوگی۔ والسلام

۷/مئی ۱۹۴۹ء سید سلیمان

میں نے لکھا کہ دیسنہ حاضری کا ارادہ ہے، راستہ کیا ہوگا تو دوسرا خط آیا، اور یہ حضرت سید نے دیسنہ پہونچ کر تحریر فرمایا:

دیسنہ ضلع پٹنہ۔

عزیز مکرم ! زادکم اللہ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مونگیر کی طرف سے راستہ یہ ہے کہ شیخ پورہ اتر کر لاری سے استھاواں آئیں، وہاں سے دیسنہ ایک میل ہے، اور دربھنگہ کی طرف سے راہ یہ ہے کہ پٹنہ سے بختیار پور آئیں اور وہاں سے بہار شریف، یہاں تک ریل ہے، بہار سے یکہ کی سڑک ہے آٹھ میل یکہ پر آیئے، الحمدللہ خیریت ہے وسط جون تک یہاں قیام رہے گا۔ والسلام

۳/شعبان ۱۳۶۸ھ سید سلیمان

دیسنہ کے لئے روانگی

اس خط کے ملتے ہی میں نے دیسنہ جانے کی تیاری شروع کر دی، خدا بھلا کرے ہمارے سکریٹری صاحب کا انہوں نے کہا کہ شعبان کا مہینہ ہے، مدرسہ جب بند ہو جائے تب جایئے، اس سے پہلے میں آپ کو چھٹی نہیں دے سکتا، ملازمت بھی غلامی ہوتی ہے، بار بار کہا کہ حضرت سید صاحب کی واپسی ہو جائیگی، تو پھر جانا کس کام کا ہوگا! مگر ان کی طبیعت میں ضد تھی، وسط جون آگیا، مدرسہ بسلسلہ تعطیل رمضان بند ہوا، تو میں دیسنہ کے لئے سانحہ سے رانہ ہوا، میرے ساتھ مولوی محمد یحی ندوی اور مولوی غیاث بھی ہو گئے، ۱۵ جون ۱۹۴۹ء گذر چکا تھا، ۱۷ ریا ۱۸ رجون ۱۹۴۹ء کو روانہ ہوا پہلے مونگیر خانقاہ میں حاضری ہوئی، وہاں لوگوں نے بتایا کہ گیلان بھی راستہ میں آئیگا، وہاں مولانا مناظر احسن تشریف رکھتے ہیں، ان سے بھی ضرور ملنے کی سعی کریں گے، یہ رہبری مولانا شاہد روح اللہ نے کی۔

شیخ پورہ سے گیلانی

جمال پور ٹرین میں بیٹھ کر شیخ پورہ اسٹیشن پہونچے، وہاں اسٹیشن ماسٹر ہمارے سانحہ کے بسمل صاحب تھے، راستہ میں ان کے یہاں ہم لوگوں کا قیام رہا، صبح کو بس سے بربیگھا پہونچے وہاں سے رکشا سے یا پیدل گیلان حاضر ہوئے، کوئی سات آٹھ بجے دن میں وہاں پہونچے تھے، رائے ہوئی کہ مولانا سے مل لیا جائے، یہیں سے معلوم ہو جائیگا کہ سید صاحب ہیں یا پروگرام کے مطابق بھوپال روانہ ہو گئے، ۲۶ رجون ۴۹ء ۲۸ رشعبان ۶۹ھ یوم یکشنبہ کو ہم لوگ صبح کوئی آٹھ بجے دن میں مولانا کی بیٹھک ''کہف الایمان'' میں داخل ہوئے، ملاقات ہوئی، پوچھا کہاں سے یہ آنا ہوا؟ عرض کیا کہ سانحہ گنگا کے اُس پار ایک قصبہ ہے وہاں سے حاضری ہوئی ہے، فرمایا کہ سانحہ میں میرے حاجے جی خاندان کے کچھ لوگ آباد ہیں۔

مولانا گیلانی سے تعارف

مولانا یحی ندوی نے بتایا کہ یہ حضرت اسی خاندان سے ہم لوگوں کا تعلق ہے، پوچھا آپ سب حضرات کہاں پڑھتے ہیں؟ اب ترجمانی مولوی یحیٰ کر رہے تھے، انہوں نے میری

طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ ہمارے صدر مدرس ہیں مولانا غیاث کے متعلق بتایا کہ یہ الہ آباد مدرسہ میں پڑھتے ہیں، اور مولانا کے شاگرد ہیں، اور اپنے متعلق بتایا کہ میں ندوہ میں زیر تعلیم ہوں۔

مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: معاف کیجئے! میں نے آپ کو طالب العلم سمجھا تھا، تشریف رکھیں، کدھر آئے؟ جواب میں عرض کیا: حضرت سید صاحب دیسنہ آئے ہوئے ہیں، ان سے ملنے کے لئے جانا ہے، فرمایا تو پرسوں بھوپال تشریف لے گئے، مجھے بڑا جھٹکا سا لگا، فرمایا: ناشتہ آرہا ہے، کھا کر جائیں، ناشتہ آیا، مولانا کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی کھایا، میں نظام مساجد کا مسودہ ساتھ لے گیا تھا کہ سید صاحب کو دیکھاؤنگا، سوچا کہ اب مولانا ہی کو دیکھادوں، ناشتہ کے بعد وہ مسود نکال کر پیش کیا، کہ حضرت میں نے یہ پہلی کتاب لکھی ہے، اسے ملاحظہ فرمایا جائے، مولانا اسے پڑھنے لگے، مسلسل پڑھتے رہے اور بولتے بھی رہے کہ آپ نے بہت اچھا لکھا ہے، اس مسئلہ پر فلاں مصنف نے یہ لکھا ہے، اور حوالے نکال کر دیکھاتے چلے گئے، مولانا کا علم حاضر تھا اور حافظہ بہت قوی تھا حوالہ نکالنے میں دیکھا کہ ذرا بھی تاخیر نہیں ہوتی تھی، دن ساڑھے بارہ بج گئے، ظہر کی اذان ہوگئی، فرمایا: ہمارے یہاں ظہر کی نماز اول وقت میں ہوجاتی ہے، نماز پڑھ کر جن کو سونا ہوتا ہے، وہ سو جاتے ہیں، چلئے مسجد چلیں، مسجد پہونچ کر وضو کیا، سنتیں پڑھیں، پھر حضرت مولانا کی اقتداء میں فرض ادا کی گئی، وہاں سے آکر مولانا پھر مسودہ پڑھنے لگے، ہم لوگوں نے کھانا کھایا، مولانا نے فرمایا میں دن میں ناشتہ بعد نہیں کھاتا ہوں، مولانا برابر پڑھ رہے تھے، تین ساڑھے تین بجے دن مسودہ ختم ہوا، پورا مسودہ کا ایک ایک حرف پڑھ گئے اور جہاں جہاں بحث واظہار رائے کی ضرورت محسوس ہوئی، مولانا بحث فرماتے گئے، ختم کرنے کے بعد فرمایا: اگر آپ اجازت دیں تو کچھ لکھدوں، عرض کیا گیا، حضرت مقصد تو یہی ہے۔

مولانا کی تحریر

قلم اٹھایا اور اپنی رائے دو صفحات میں لکھدی، مصنف کے لئے بہت حوصلہ افزا کلمات لکھے اور کتاب کو بہت قیمتی بتایا، اس تحریر کا کچھ حصہ یہاں ملاحظہ فرمائیں: مولانا کی یہ تحریر

الحمدللہ محفوظ ہے۔

''امابعد! فقیر مناظر احسن گیلانی نے دلچسپی کے ساتھ مولانا ظفیر الدین البہاری الترھتی کی کتاب نظام مساجد کا مطالعہ کیا، جس حد تک اس کتاب کے اہم مضامین کو دیکھ سکتا تھا ان کے معائنہ میں کمی نہیں کی گئی، اپنی محدود معلومات کی بنیاد پر یہ کہ سکتا ہوں کہ مساجد کے متعلق اتنی جامعیت کے ساتھ تمام پہلوؤں پر اتنی حاوی کتاب نہ صرف اردو بلکہ فارسی اور عربی میں بھی میری نظر سے نہیں گذری ــــــ وقت کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل میں مولانا موصوف نے اپنا وقت صرف کیا ہے، اگر چہ تصنیف وتالیف کے میدان کے تازہ واردوں میں ہیں، لیکن خالص نیت ان کی محنت کے بارآور کرنے میں ممد ومعین ثابت ہوئی ہے، بہ ظاہر موضوع سے متعلق کوئی قابل ذکر مسئلہ غالباً باقی نہیں رہا ہے، جس کا تذکرہ کسی نہ کسی حیثیت سے اس کتاب میں نہ آگیا ہو۔ ماشاء اللہ عبارت والفاظ، ترتیب سب میں سنجیدگی، متانت اور صفائی ودرستی پائی جاتی ہے اختلافی مسائل میں مولوی صاحب نے رفیق وملائمت کا پہلو اختیار کر کے علماء کے طبقہ متصلبہ ومتقشفہ کیلئے اچھا نمونہ پیش کیا ہے۔

۲۸ر شعبان ۱۳۶۸ھ / ۲۶ر جنون ۱۹۴۹ء مناظر احسن گیلانی

کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں بھی چند سطریں لکھیں، پھر زبانی بھی فرمایا کہ اس کو ضرور چھپوایئے، اپنے موضوع پر یہ اردو میں پہلی کتاب ہوگی، پانچ بجے نماز عصر پڑھ کر شیخ پورہ کے لئے ہم لوگ روانہ ہوگئے، مولانا نے روکا کہ کل جایئے گا، رات میں تکلیف ہوگی، ہم نے بتایا کہ شیخ پورہ کے اسٹیشن ماسٹر ہمارے یہاں کے رہنے والے ہیں اور خاندان کے آدمی ہیں۔

وہاں سے سانحہ واپس آیا تو سید صاحب کا یہ گرامی نامہ ڈاک سے موصول ہوا، جو آپ نے اپنے وطن دیسنہ سے لکھا تھا۔

مکتوب گرامی حضرت سید صاحبؒ

عزیز مکرم ! دعاہائے خیر

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

آپ کے خط کا جواب کوئی نہیں رہا، میری رخصت کے ایام ختم ہو رہے ہیں، کل صبح میں واپس بھوپال جا رہا ہوں، بھوپال کی ریاست ختم ہو گئی، مگر بعض شرائط کی بنا پر مذہبی عہدے شاید قائم رہیں، پوری کیفیت واپسی کے بعد معلوم ہو گی۔

والسلام

۱۸/ جون ۱۹۴۹ء سید سلیمان

دوسرا مکتوب

میں نے خط کے جواب میں لکھا کہ دیسنہ کے لئے روانہ ہوا تھا، ملازمت کی وجہ سے دیر ہو گئی، گیلانی پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت بھوپال جا چکے، بصد حسرت واپس ہوا، حضرت سید صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا :

عزیز مکرم !

وفقکم الله تعالیٰ

السلام علیکم ورحمة الله

آپ کا ایک کارڈ پہلے بھی آیا تھا، جس سے آپ کے سفر کا حال معلوم ہوا تھا، جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء، آپ کو اپنی نیت کا ثواب حاصل ہو گیا اور مجھ پر آپ کی منت بھی واجب ہوئی، پھر اس تقریب سے مولانا گیلانی سے ملاقات مفت ہاتھ آئی، اور یہ بڑی نعمت حاصل ہوئی۔ والسلام

۵/ شوال ۱۳۶۸ھ سید سلیمان

حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ پر جب تک زندہ رہے، اپنی توجہ خاص رکھی، اور مولانا گیلانی سے ملاقات ان کے صدقہ میں ہاتھ آئی، اور پھر مولانا گیلانی نے علمی میدان میں برابر سرپرستی فرمائی، قریب جگہ تھی اس لئے وقفہ وقفہ سے گیلان آمد و رفت بھی مولانا کی زندگی بھر ہوتی رہی۔

بہر حال دیوبند حاضر ہونے کے بعد حضرت مولانا گیلانی کی دعاء یاد آئی اور غالبًا ان کی ہی توجہ خاص سے یہ راستہ کھلا، ورنہ میرا کوئی تعلیمی تعلق براہ راست دیوبند نہیں تھا، البتہ میرے بیشتر اساتذہ فاضل دیوبند تھے، مولانا بعض ملاقات میں فرماتے تھے کہ آپ دیوبند میں ہوتے تو بہت اچھا ہوتا، میرے تو وہم اور خواب میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی۔

مولانا گیلانی کی کرامت

درمیان میں یہ دوسری باتوں کا تذکرہ آگیا تھا، میں عرض کررہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دیوبند پہونچایا، یہ غالبًا حضرت گیلانی کی دعاؤں کا صدقہ تھا، گو آپ اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، لیکن ان کی روح اس سے ضرور خوش ہوئی ہوگی، اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ حضرت کی وفات ۲۵/ شوال ۱۳۷۵ھ مطابق ۵/ جون ۵۶ء کی صبح میں ہوئی، اور ۱۵/ ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ کو دیوبند کا خط موصول ہوا، کل بیس دنوں کے بعد۔

رحمانی منزل میں قیام

دیوبند پہونچنے کے بعد رحمانی منزل میں دو ہفتہ قیام رہا، جس دن پہونچا اسی دن حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کی، حضرت نے خوشی کا اظہار فرمایا اور حکم دیا کہ آپ آج ہی اس کی رپورٹ لکھ کر مولوی عبدالحق پیش کار کے حوالہ کردیں، آج ۳/ صفر ۱۳۷۶ھ ۹/ ستمبر ۱۹۵۶ء تاریخ تھی اور کوئی آٹھ نو بجے دن کا وقت تھا۔

ضابطہ کی کاروائی

حضرت مہتمم صاحب کے یہاں سے اٹھ کر آیا تو درخواست لکھی کہ حسب الحکم حاضر ہوگیا ہوں، دوسرے دن اہتمام کا فرمان موصول ہوا۔

محترم مولانا ظفیر الدین صاحب ! زید مجدہ

سلام مسنون ! آپ کی رہائش ونشست اور مفوضہ خدمات کی انجام دہی کے لئے صدر دروازہ کا بالائی کمرہ حضرت مہتمم نے تجویز فرمایا ہے، اس لئے آپ اس کمرہ میں قیام کریں، اور کام شروع فرمادیں، آغاز کار کے

لئے جن چیزوں کے لئے ضرورت ہوانہیں لکھ کر دفتر میں بھیج دیں۔

۴/۲/۷٦ھ　　　　احقر محمد مبارک علی

مہمانی اور انتظام طعام

لیجئے آج سے میں دارالعلوم دیوبند کے حلقہ ملازمین میں داخل ہوگیا، اور میرے قیام اور کام کا انتظام کردیا گیا، تین دنوں تک اہتمام کی طرف سے مولانا عبدالحق پیش کار نے کھانا، ناشتہ اپنے ساتھ کھلایا پلایا اس کے بعد بتایا کہ بارہ روپئے دیکر مطبخ سے اوسط درجہ کا کھانا جاری کروالیں، اور کسی لڑکے کو متعین کردیں، وہ مطبخ سے لادیا کریگا، ادھر دو چار دن مطبخ کا ملازم پہونچادیگا۔

کھانا، ناشتہ کا انتظام

میں یہاں کے طریقہ کار سے قطعاً واقف نہیں تھا، اور نہ کوئی رہبری کرنے والا بے تکلف مسلمان، مگر ضرورت کے وقت کوئی نہ کوئی کھڑا ہو ہی جاتا ہے، حافظ جمیل احمد ہمارے "سانحہ" کے پڑھے ہوئے تھے اور ہمارے مدرس حافظ عبدالحق عرف جمعہ کے فرزندار جمند تھے، وہ پہلے آچکے تھے، اور دارالعلوم میں داخلہ لے چکے تھے، وہ میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ پرائیوٹ طور پر دو تین کتابیں پڑھادیا کریں اور کھانا و ناشتہ کا نظم میرے سپرد کردیں، میں نے یہی کیا، وہ شرح وقایہ اور نورالانوار وغیرہ پڑھنے لگے اور ساتھ کھانے کھلانے لگے، اس طرح یہ مسئلہ بڑی آسانی کے ساتھ حل ہوگیا اور میری فکر جاتی رہی ——— دو تین ہفتے قیام رحمانی منزل میں رہا، اس لئے کہ میں بستر وغیرہ لے کر نہیں آیا تھا، اور ابھی انتظام بھی نہیں کیا، رحمانی منزل میں جاننے والے طلبہ رہتے تھے جو کمرہ مجھے دیا گیا تھا وہاں معقول انتظام بھی نہیں تھا، پھر تنہا رہنا ذرا اچھا معلوم نہیں ہوا۔

آنے کے بعد شروع شروع میں رحمانی منزل میں آکر مجھ سے مولانا اسعد صاحب مدنی جب مجھ سے ملے جو اس وقت ابتدائی مدرس تھے، مولانا عبدالاحد صاحب مدرس نے کھانے کی دعوت کی اور مولانا سیف اللہ مبلغ نے بھی ایک وقت کی دعوت کی، گویا ان تین

حضرات نے پذیرائی کی، ادھر شاہ برادران (۱) نے دلجوئی کی، یہ حضرات میرے محسنین اولین ثابت ہوئے۔

کام کی ابتداء

دن میں اسی کمرہ میں رہنا ہوتا تھا، جو مجھے ملا تھا، حضرت مہتمم صاحب سے بات ہوئی کہ کام کہاں سے شروع کیا جائے، حضرت نے فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام کو مودودی جماعت سے سخت ذہنی بُعد ہے، آپ پہلے ایک کتاب اس جماعت پر لکھ دیں، پھر اس کے بعد کوئی دوسرا کام مثبت انداز کا شروع کردیں گے۔

جماعت اسلامی پر کتاب

میں نے جماعت اسلامی سے متعلق ان کی موافق ومخالف کتابیں جمع کرلیں، اور اس پر لکھنے کا عزم کرلیا، ایک دو ماہ کی محنت کے بعد میں نے ایک کتاب کا مسودہ تیار کرلیا، نام اس کا تجویز ہوا "جماعت اسلامی کے دینی رجحانات" اس کا مقدمہ میں نے حضرت مہتمم صاحب کو سنایا، انہوں نے بہت پسند فرمایا، ان کو خاکسار کی تحریر پر بڑا اعتماد تھا اور میری رائے پر بھی، حکم دیا کہ اس کی کتابت شروع کرادیں، نظر ثانی کر کے تھوڑا تھوڑا کاتب کو دیتے رہیں۔

ادھر نظر ثانی میں مولوی عبدالقدیر مبارکپوری (بہاری) کو مشورہ کے لئے بلایا، جو دارالعلوم میں پڑھ رہے تھے، یہ مدرسہ الاصلاح سرائے میر سے فارغ تھے، یہاں دورہ بھی پڑھ چکے تھے، فنون پڑھ رہے تھے، اور جماعت اسلامی سے کافی متاثر تھے، پڑھ کران کو سناتا، وہ اعتراض کرتے، میں جواب دیتا، پھر بحث ومباحثہ کر کے اس کے لب ولہجہ میں ردّ وبدل کر کے اعتدال پیدا کرتا، اس طرح ایک ماہ میں نظر ثانی کا کام مکمل ہوگیا، اب کاتب کے حوالہ کیا، کتابت میں دو ماہ لگے ہوں گے، پھر اس کی طباعت کا مدرسہ نے انتظام کیا اور وہ کتاب چھپی، اچھی کتابت وطباعت سے چھپی، اس وقت کے قاعدہ کے مطابق میری یہ کتاب تمام مدرسین و ملازمین کو دی گئی، بحمد للہ پسند کی گئی، اور سب سے زیادہ ہمارے مرشد حضرت شیخ الاسلامؒ نے پسند کیا اور حوصلہ افزا کلمات فرمائے۔

---

(۱) میری مراد مولانا ازہر شاہ قیصر اور مولانا انظر شاہ کشمیری ہیں۔

دینی عقائد پر کام

اس کے بعد دوسرا کام "دینی عقائد" پر شروع ہوا، اور یہ بھی مہتمم صاحب کے ہی مشورہ سے ہوا، علم کلام وعقائد کی بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کیا اور اقتباسات جمع کئے، ماہ صفر میں آیا تھا، رمضان بعد جو مجلس عاملہ ۶/ذی قعدہ ۱۳۷۶ھ کو ہوئی، اس نے میرا تبادلہ دارالافتاء میں مرتب فتاویٰ کی حیثیت سے کر دیا، یہ تبادلہ حضرت مہتمم صاحب کے مشورہ سے ہوا۔

شعبہ تبلیغ سے دارالافتاء میں

وہ میرے مزاج شناس تھے، میری گفتگو سے اندازہ لگایا تھا کہ منفی انداز میں کام کو میں پسند نہیں کرتا ہوں، پھر یہ بھی آپ کے پیش نظر تھا کہ تصنیف وتالیف کا یہ نیا شعبہ کب ختم ہو جائے معلوم نہیں، دارالافتاء مستقل شعبہ ہے۔ حکم نامہ کی عبارت یہ تھی:

حکم (۱۱) گرامی خدمت مولانا ظفیر الدین صاحب ! سلام مسنون

مولانا احمد علی سعید کے دارالافتاء سے دارالصنائع میں منتقل کرنے اور مفتی جمیل الرحمٰن صاحب کے نائب مفتی بنا دیئے جانے کے بعد مجلس عاملہ ذی قعدہ ۷۶ھ کو شعبہ تبلیغ سے دارالافتاء میں ترتیب فتاویٰ وغیرہ کی خدمت کے لئے منتقل کر دیا ہے، آپ دارالافتاء پہونچ کر کام سنبھالیں مجلس نے آپ کے استقلال کی بھی منظوری دی ہے۔ والسلام

۷۶/۱۱/۶ھ محمد طیب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

جب میرا تبادلہ دارالافتاء میں ہوا، تو ازہر شاہ قیصر صاحب وغیرہ نے کہا اب تک تمہارا مستقل شعبہ تھا، اب مفتی مہدی حسن صاحب صدر مفتی کے تحت رہ کر کام کرنا ہوگا، اور یہ مفتی صاحب سنکھی ذہن کے ہیں، کہیں پریشان نہ کریں، تم مہتمم صاحب سے مل کر بتاؤ، لوگوں نے کافی ڈرایا، میں نے حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا حضرت ایسا ایسا سنتا ہوں، فرمایا بات بڑی حد تک صحیح ہے، مگر آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، میں بھی تو یہیں رہونگا، انشاء اللہ کچھ نہ ہوگا، آپ محنت سے کام کرتے رہیں، میں مطمئن ہو کر چلا آیا۔

ایک واقعہ

ایک ماہ کے بعد رحمانی منزل سے میں اپنے کمرہ میں منتقل ہو چکا تھا، اللہ تعالیٰ نے غیب سے سارا سامان کر دیا تھا۔(۱)

ابھی میں افتاء میں منتقل نہیں ہوا تھا کہ گھر جانا ہوا، واپس آیا تو جتنے دن چھٹی پر رہا تنخواہ وضع ہوگئی، اسی زمانہ میں دارالعلوم میں ''سانحہ'' کے ممبران مدرسہ نے عوام کے دستخطوں سے ایک درخواست مہتمم صاحب کے نام بھیجی کہ ہمارے مولانا ظفیر الدین کو براہ کرم یہاں واپس کر دیں، مدرسہ کی حالت ان کے نہ رہنے سے نازک ہوتی جارہی ہے، ایک دن سویرے بعد نماز فجر مہتمم صاحب نے یاد فرمایا، میں ان کے مکان پر گیا، اطلاع ہوئی تو نکل کر اس چھوٹے کمرہ میں بیٹھ گئے، جس میں مولانا عبدالحق صاحب کا اس زمانہ میں قیام تھا۔

حضرت مہتمم صاحب کی گفتگو

حالت دریافت کرنے کے بعد فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی نئی جگہ جاتا ہے تو ابتداء میں اس کا جی گھبراتا ہے، مختلف آدمی اس کے سلسلہ میں مختلف باتیں کہتے ہیں، کوئی موافقت میں اور کوئی مخالفت میں مگر یہ سب عارضی باتیں ہوتی ہیں، اور اس کی مدت بہت کم ہوتی ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ آپ کے مدرسہ سے ایک محضر نامہ آیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مولوی صاحب کی یہاں بہت کمی محسوس کی جارہی ہے مگر وہ میرے نام ہے میں جواب دونگا، آپ سے صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ آپ گھبرا تو نہیں گئے ہیں؟ میں خاموش رہا، پھر ذرا زوردار طریقہ پر بڑے ادارہ میں رہنے کے فوائد پر روشنی ڈالی، اور پھر وہی سوال دھرایا کہ آپ کسی وجہ سے گھبرا تو نہیں گئے ہیں؟ میں نے عرض کیا حضرت ایسا نہیں ہے مگر...... کہہ کر خاموش ہوگیا، ہنس کر فرمایا کہ اسی مگر میں سب پوشیدہ ہے، اسے بھی بیان کر دیں، کوئی مضائقہ نہیں ہے، میں نے عرض کیا: حضرت مجھے دارالعلوم نے بلایا تو حکم پر آنا ہوا مگر میں ابھی گھر گیا تھا، میرا مشاہرہ اتنے

---

(۱) اس کی صورت یہ ہوئی حافظ شہامت، مولوی عبدالاحد دونوں مبارکپور ضلع مونگیر کے رہنے والے تھے، ان دونوں نے میرے کمرہ میں چارپائی، گدا، چادر تکیہ بچھادیا، اور کہا کہ آپ اب اسی کمرہ میں مستقل رہا کریں دوسری طرف لکھنے پڑھنے کا انتظام کر دیا۔

دنوں کا وضع کرلیا گیا، دوسرے یہاں سے سفر کر کے آیا گیا تو اندازہ ہوا کہ مشاہرہ کم ہے، فرمایا اور کچھ آپ کے نگر میں ہوتو، وہ بھی کہہ دیں، عرض کیا اب کچھ کہنا نہیں ہے۔

حضرت کی طرف سے تسلی

فرمایا: یہ ضابطہ کی کاروائی عمل میں آئی، یہاں چھ ماہ ملازم عارضی رہتا ہے، اس میں چھٹی کی تنخواہ کاٹ لیجاتی ہے، مستقل ہونے کے بعد چھٹی کا استحقاق ہوتا ہے، آپ نے درخواست نہیں دی ہوگی ورنہ مستقل ہو گئے ہوتے، اب آپ درخواست لکھ کر مولوی عبدالحق صاحب کے حوالہ کردیں اور دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ تنخواہ واقعی کم ہے، دستار بندی کا دفتر کھلنے والا ہے، اسی میں خط وکتابت کا کام ہوگا اور وہ میری طرف سے ہوگا، اس میں چند گھنٹوں کے لئے آپ کو کردیا جائیگا اس کا معقول الاؤنس مل جائے گا، اس طرح کمی کی تلافی بھی ہوجائیگی۔

معاہدہ

اس کے بعد فرمایا بات یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں یہاں اہل علم کا اضافہ ہو، سیاسی لوگ بہت ہیں اہل علم ملتے نہیں ہیں، آپ جم کر رہیں، انشاءاللہ کوئی تکلیف نہیں ہونے دی جائیگی، میں نے عرض کیا انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔

میں نے دوسرے دن استقلال کی درخواست دیدی، حضرت مہتمم صاحب نے میری چھٹی کے پہلے سے یعنی یکم جمادی الاخری ۱۳۷۶ھ مستقل بامید منظوری شوری فرمادیا، مجلس عاملہ ذیقعدہ ۷۶ھ نے استقلال کی منظوری دیدی اور اسی کے ساتھ دارالافتاء میں منتقل کردیا، پھر پیش کار صاحب نے بتایا کہ درخواست دیدیں، جتنی تنخواہ کٹی ہے وہ واپس مل جائیگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ تھا سلوک منتظم اعلیٰ کا، ایک ادنی ملازم کے ساتھ، کیا آج اس کا کوئی تصور بھی کرسکتا ہے؟۔

ترتیب فتاوی کا کام

اب میں دارالافتاء میں ترتیب فتاوی کے کام پر لگ گیا، کام پوری محنت سے کرتا رہا

اس کی عادت بنی ہوئی تھی، میرے محرر مولوی اکمل صاحب تھے، یہ مفتی مہدی حسن صاحب سے زیادہ قریب تھے اس لئے نقل کا کام تقریباً نہیں کرتے تھے، برائے نام ایک آدھ صفحہ روزانہ مشکل سے لکھتے ہوں گے، چونکہ دفتر کے ناظم حضرت مفتی مہدی حسن صاحب تھے وہی کچھ کہہ سکتے تھے، میں خود ان کے ہی تحت تھا، دوسرے نیا تھا، خواہ مخواہ جھگڑا پسند نہیں تھا، مولوی اکمل پرانے تھے اور مفتی صاحب کے پیشکار بنے ہوئے تھے، ایک سال اسی طرح برائے نام نقل کا کام ہوتا رہا، پھر ایک دن میں نے مہتمم صاحب سے صورتحال بتائی، فرمایا: اپنا کام محنت سے کرتے رہیں، میں نے دیکھا کہ کئی سال کے رجسٹروں پر عنوان لگا چکا، مگر نقل ندارد، میں نے سوچا پھر فتاویٰ کی جلدیں کیسے تیار ہوں گی، اگر یہی لیل ونہار رہے اور کام کی یہی رفتار رہی۔

درمیان میں یہ بات طے ہوگئی کہ کتاب وار مسائل یکجا ہوں گے، سال وار نہیں ہوں گے، یعنی مثلاً تمام رجسٹروں سے ''کتاب الطہارۃ'' کے مسائل کاپیوں پر نقل ہو جائیں، پھر ''کتاب الصلاۃ'' کے پھر ''کتاب الزکاۃ'' کے، اور ان میں ابواب اور فصلیں قائم ہوں گی، حضرت مہتمم صاحب سے مل کر میں نے یہ باتیں معلوم کرلی تھیں۔

حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں

نقل کا کام بہت پیچھے رہ گیا، تو ایک دن دفتر اہتمام میں حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بتایا کہ نقل کی رفتار یہی رہی تو کم از کم سولہ سال کے بعد پہلی جلد مرتب ہوگی، اور حساب کر کے سمجھایا اب حضرت چونکے، فرمایا پھر غور طلب مسئلہ ہے! اگلی شوریٰ میں رپورٹ سامنے رکھ کر تجویز سامنے آئی کہ مرتب فتاوی براہ راست اہتمام کے تحت ہوں گے، صدر مفتی کے تحت نہیں ہوں گے، اور مرتب فتاوی کا محرر مرتب فتاوی کی نگرانی میں کام کریگا، یہ تجویز پاس ہو کر بعد شوریٰ دفتر افتاء میں آئی، مفتی مہدی حسن صاحب اور ہمارے محرر صاحب اس پر بہت چراغ پا ہوئے، مگر کرتے کیا؟ مجھے حکم بھیجا گیا کہ شروع سے اب تک کی نقل کی مقدار اور ترتیب کی رپورٹ بھیجیں، اور کام پوری ذمہ داری سے انجام دیں، وہ حکم یہ تھا:

حکم (۵) محترم مولانا ظفیر الدین صاحب ! زید مجدہ

سلام مسنون

ترتیب فتاوی اور نقل کا کام کلیتہً مجلس شوریٰ ۲۹ رصفر ۱۳۷۸ھ سے براہ راست اہتمام سے متعلق کردیا ہے، جس کی اطلاع مفتی صاحب کو بھی دی گئی ہے، آپ ترتیب اور نقل کا ایک خاکہ اور لائحہ عمل بنالیں تاکہ آئندہ اسی کے مطابق عمل درآمد ہوتا رہے اور جلد اس مہم سے فراغت حاصل کرلی جائے، نیز اب تک کے کام کی رپورٹ بھی تحریر فرمادیں۔

والسلام

۱۳/۶/ ۷۸ھ محمد طیب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

محرر صاحب اس رپورٹ کے بعد پانچ چھ ماہ کے اندر پاکستان چلے گئے اور مفتی صاحب نے اس کے جرم میں افتاء کا جو کام حضرت مہتمم صاحب کی رپورٹ پر میں کررہا تھا، اسے بند کردیا، مجھے یہ برداشت کرنا پڑا، مگر کام تیز ہوگیا، مجھے دوسرا محرر ملا وہ محنتی تھے، انہوں نے بہت کام کرکے دیا، اور اس سے کام کی رفتار میں تیزی آئی۔

کارافتاء بھی انجام دیں گے

۸ رذی قعدہ ۱۳۷۶ھ کو دارالافتاء میں آچکا تھا، ذی الحجہ کے بعد محرم میں اہتمام کا آرڈر آیا کہ مرتب فتاویٰ ترتیب فتاویٰ کے ساتھ کارافتاء بھی انجام دیں گے، ان سے یہ بھی کام لیا جائے، یہ حکم ۲۹ رمحرم ۷۷ھ کا لکھا ہوا، ۳۰ رمحرم کو موصول ہوا، چنانچہ ڈاک بھی لکھنے لگا، مفتی مہدی صاحب ڈاک دینے لگے۔

ابتدائے کار میں بعض مسائل میں رائے کا اختلاف ہوا، مگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے تحقیق کے بعد میری رائے قابل ترجیح ٹھہری، اور دو چار دفعہ کے بعد مفتی صاحب اور نائب مفتی صاحبان پورا اعتماد کرنے لگے، میری نگاہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب کے تمام فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد وسیع تر ہوگئی تھی، ترتیب فتاوی میں ان کے تمام فتاویٰ غور سے پڑھنا میری ذمہ داری تھی، تاکہ کتاب وار پھر باب وار پھر فصل وار عنوان درست طور پر لگایا جاسکے۔

بحمد اللہ ترتیب فتاویٰ کے کام پر قابو یافتہ ہوگیا، اور کام اس نہج پر آگیا کہ پہلی جلد کی ترتیب میں نے شروع کردی، ابتداء میں ۶۴ صفحات کا میں نے ایک لمبا مقدمہ لکھا اور اس سے پہلے ۲۸ صفحات کا حضرت مہتمم کا پیش لفظ ہے، جس میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کے حالات زندگی پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے، مقدمہ میں فقہ وفتاوی کی تاریخ، افتاء کی اہمیت اور اس کی تاریخ، مفتی کے اوصاف وفرائض اور اس کے دوسرے ضمنی مسائل پر دل پذیر بحث کی گئی ہے، جس کو تمام اہل علم نے پسند کیا، بالخصوص ہمارے استاذ محترم مولانا نعمانی نے اس کو بہت سراہا، ان کی رائے تھی کہ اضافہ کرکے اسے مستقل کتاب کی صورت دیدی جائے۔

پوری جلد اول ۳۸۴ صفحات اور ۵۶۳ مسائل پر مشتمل ہے، میں نے پہلی جلد پر جو مقدمہ لکھا ہے اس کی تاریخ ۲۵ / رجب ۱۳۸۱ھ مطابق ۳ / جنوری ۱۹۶۲ء ہے اس وقت میں دارالافتاء سے ہی متعلق تھا اس کا حاصل یہ ہے کہ اس جلد کی کتابت رجب ۱۳۸۱ھ میں مکمل ہوچکی تھی، بلکہ دوسری اور تیسری جلد بھی مرتب ہوچکی تھی، کتابت چونکہ ایک ہی کاتب کررہے تھے، اس لئے اس میں تاخیر کافی ہوتی تھی، کاتب مدرسہ کا ملازم نہیں تھا، اس لئے دوسرے کاموں کے ساتھ اس کام کو بھی اپنی رفتار سے چلاتا تھا، میں نے رپورٹ بھیج دی کہ ۱۳۲۹ھ سے لے کر ۱۳۴۶ھ تک کے تمام رجسٹروں پر عنوانات لگا چکا ہوں، جو حضرت عزیز الرحمان کا دور افتاء ہے، کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ تک کی ترتیب بھی بحمد اللہ ہوچکی ہے، اب پہلی جلد کتاب الطہارۃ والی طبع ہونی چاہئے، اب سنیئے اس کا صلہ کیا ملا ۱۳۸۱ھ میں تمام دفاتر کی دیکھ بھال کے لئے ایک جائزہ کمیٹی بنی، صفر ۱۳۸۲ھ کی شوری میں اس کی رپورٹ پیش ہوئی، کتب خانہ کی بدحالی کی زیادہ شکایت تھی، اور مشورہ دیا گیا تھا کہ کتب خانہ کی جدید ترتیب فن وار اور زبان وار دونوں ہونی ضروری ہے، اور اس میں کسی اچھے ذی علم ذی استعداد اور مطالعہ سے دلچسپی رکھنے والے کو رکھا جائے تاکہ ترتیب اچھی ہو اور کتابوں اور مصنفوں کے صحیح نام لکھیں جائیں، ہر فن کی کتاب کا اس کے صحیح فن میں اندراج ہو، مصنف کا سنہ وفات بھی رجسٹر میں درج ہو، اور سنہ طباعت اور مطبع کا نام بھی۔

کتب خانہ کی ترتیب کی ذمہ داری

بہر حال شوریٰ میں اس پر بحث ہوئی کہ کس کو لایا جائے، میرا قصور یہ تھا کہ ترتیب فتاویٰ کا کام جو پہلے پانچ سالوں سے ہو رہا تھا لیکن ایک ورق نہیں چھپ سکا تھا پھر جب میرے سپرد ہوا تو میں نے چار سال میں پورا کام مکمل کر دیا، اس لئے قرعہ بنام دیوانہ زدند، حضرت مہتمم نے نہ معلوم کس کے مشورہ سے میرا نام پیش کر دیا کہ ترتیب کا کام بڑی حد تک ہو چکا ہے، ترتیب کتب خانہ کا کام بھی وہی انجام دیں سکتا ہے۔

اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی

چنانچہ شوریٰ منعقدہ صفر ۱۳۸۲ھ نے متفقہ طور پر میرا تبادلہ دارالافتاء سے کتب خانہ میں کر دیا، شوریٰ تجویز پاس کر کے چلی گئی تو میرے نام تبادلہ کا کاغذ پہونچا، دارالعلوم کے بڑے پیڈ کے پورے صفحہ پر میری تعریف لکھی گئی اور ظاہر کیا گیا تم ہی اس کام کو محنت سے انجام دے سکتے ہو، اسی وجہ سے کتب خانہ میں تبادلہ کیا جا رہا ہے، کتب خانہ کی ترتیب بہت ضروری ہے، تا کہ اہل علم کی شکایتوں کا ازالہ ہو سکے ———— میں تبادلہ کا یہ کاغذ پڑھ کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا، آنکھوں تلے اندھیرا سا چھا گیا اور سوچا یہ میرے ساتھ زیادتی کس گناہ کی پاداش میں ہوئی، مسلسل کام کرنے اور محنت کا شاید یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

تبادلہ کی شکایت

میں وہ تجویز لے کر حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت یہ کیا ظلم ہوا، اس غریب پر؟ فرمایا: وہ کیا؟ میں نے عرض کیا: دارالافتاء سے کتب خانہ میں تبادلہ کر دیا گیا، میں لکھنے پڑھنے والا آدمی وہاں جا کر کیا کرونگا، حضرت مہتمم صاحب کے ایک قریبی شخص جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے، بول پڑے آپ بھی جمیعتی اور مولوی سلطان ناظم کتب خانہ بھی جمیعتی، دونوں کو یکجا کر دیا گیا ہے، میں نے ان کی باتوں پر توجہ نہیں دی، حضرت سے مخاطب ہو کر عرض کیا کہ حضرت میرا کسی پارٹی سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، مولانا اسعد کے ماہوار پرچہ ''تذکرہ'' میں مضامین البتہ لکھ دیا کرتا ہوں، اس سے کہاں لازم آیا کہ میں ان کا آدمی ہوں، پھر وہ خالص علمی، دینی قسم کے مضامین ہوتے ہیں۔

حضرت مہتمم صاحب نے اس صاحب اس صاحب کو بڑی خشمگیں نگاہوں سے دیکھا، اور فرمایا یہ سب غلط ہے، کتب خانہ کا حال اچھا نہیں ہے، جب کوئی اہل علم آیا اس نے شکایت کی، ممبران شوریٰ کسی کتاب کو طلب کرتے ہیں، تو دو تین دنوں سے پہلے ملتی نہیں، اس لئے ممبران کو شکایت تھی اور وہ صحیح تھی، جائزہ کمیٹی نے اس طرف توجہ دلائی کہ جدید ترتیب بہت ضروری ہے، دوسرے کچھ لوگ اس منصب پر آنا چاہتے تھے، شوریٰ نے مجھ سے پوچھا، میں نے آپ کا نام حسن ظن کی بنیاد پر پیش کیا، اس پر تمام ممبران شوریٰ نے تائید کی اور سبھوں نے سراہا، میں نے قطعاً خیال نہیں کیا کہ اس تبادلہ سے آپ پر کیا اثر ہوگا؟ میرے پیش نظر دارالعلوم تھا۔

میں نے پھر کہا: حضرت میں نائب مفتی کے عہدہ پر تھا، مفتی بننے کا وقت آگیا تھا، بلکہ قاعدہ میں اب یہی ہونے چاہئے تھا، میری یہ ترقی روک کر تنزل کر دیا گیا، میرا مشاہرہ اب بھی ناظم کتب خانہ سے زیادہ ہے، وہاں اب مفتی ہوتا کہ اس کی جگہ خالی ہے، یہاں کیا بن سکونگا؟۔

لہٰذا علمی اور مالی دونوں اعتبار سے تنزل ہوا، حضرت میری باتیں سن کر بالکل خاموش ہوگئے اور پانچ منٹ بعد فرمایا: بھائی اب تو تبادلہ ہو چکا، شوریٰ جا چکی، اب تو آپ اسے قبول ہی کرلیں اور دارالعلوم کے ایک اہم شعبہ کی خدمت سمجھ کر کام انجام دیں، اللہ تعالیٰ برکت عطا کریں گے، اور ترتیب کتب خانہ کے بعد میری سعی ہوگی کہ آپ مفتی کے عہدہ پر واپس آجائیں، میں یہ سن کر خاموش ہوگیا۔

اس گفتگو کے بعد واپس آگیا، حضرت مہتمم صاحب بھی واقعی اس وقت کچھ نہیں کر سکتے، کہ شوریٰ کی تجویز کو بدلنا حضرت کے بس میں نہیں تھا، حضرت کی باتوں اور دلدہی سے تھوڑی تشفی ہوئی، اور میں نے محسوس کیا کہ حضرت نے جو کچھ کیا وہ دارالعلوم کے فائدہ کے پیش نظر کیا، وہ خالی الذہن تھے۔

مستقبل کا خطرہ

اب احباب مذاق میں اور سنجیدگی میں دونوں طرح کہنے لگے: مولانا سلطان سب سے بڑے سیاسی ہیں اور سیاسی گروپ کے لیڈر بھی ہیں، تم کو کھا جائیں گے، جواب میں کہتا:

اللہ تعالیٰ مالک ہے، بہر حال مرتا کیا نہ کرتا "قہر درویش بر جان درویش" ایک ہفتہ بہت غمگین و مردہ دل بنا پھرتا رہا مگر کتب خانہ میں جاتا تھا، رپورٹ کرنی تھی کہ حسب الحکم شوریٰ کتب خانہ میں آگیا۔

دارالافتاء سے کتب خانہ میں

ایک دن وضو کرکے اپنے کمرہ میں دو رکعت نفل نماز پڑھی اور سلام کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعاء کی: الٰہ العالمین! عزت وآبرو کا مالک تو ہے، تو ہی عزت دیتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے، میرا یہاں کوئی نہیں ہے، ایک علمی شعبہ سے غیر علمی شعبہ میں بھیجا گیا ہوں، جس کا تجربہ کبھی کا نہیں ہے، میرے حال پر رحم فرما! اور میرے لئے جو بہتر ہو وہ کام مجھ سے لینا، اشک آلود آنکھوں سے اٹھا راستہ میں آنکھیں صاف کیں اور کتب خانہ پہونچا ناظم کتب خانہ مولانا سلطان کو سلام کیا، اس تبادلہ والے کاغذ میں یہ لکھا تھا کہ مولانا ظفیر الدین ایک علمی آدمی ہیں، اس لئے یہ ناظم کتب خانہ کے تحت نہیں ہوں گے، بلکہ براہ راست ان کا تعلق حضرت مہتمم صاحب سے رہے گا، ناظم صاحب نے فرمایا کہ یہ سو سال سے زیادہ کا کتب خانہ ہے، کیسے قبضہ میں آئیگا، تم ایسا کرو کہ پہلی قلمی کتابوں پر کام شروع کرو اور رپورٹ کرو کہ دس معاونین دئے جائیں، مولانا سلطان کی باتیں سن لیں، بولا کچھ نہیں، ایک ہفتہ تک آتا جاتا رہا اور رجسٹروں کو الٹتا پلٹتا رہا اور سوچتا رہا کام کہاں سے شروع کیا جائے۔

کتب خانوں کی سیر

میرے کاغذِ تبادلہ میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ جدید ترتیب کے لئے آپ علی گڑھ، رامپور اور پٹنہ کے کتب خانوں کو دیکھ کر آئیں، پھر رائے قائم کریں، ایک ہفتہ بعد میں نے اپنے کاغذ کے حوالہ سے رپورٹ کی کہ ان کتب خانوں کی اجازت دی جائے جن کو دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے، علی گڑھ مودود بھائی (۱) کے بڑے بھائی ڈاکٹر مسعود اشرف (۲) بحیثیت ڈاکٹر ہسپتال میں

---

(۱) مولانا حکیم سید مودود اشرف قاسمی اب تو جامعہ طبیہ علی گڈھ میں استاذ ہیں، اس وقت دارالعلوم میں پڑھ رہے تھے۔
(۲) ڈاکٹر سید مسعود اشرف مودود بھائی کے سگے بڑے بھائی ہیں، وہیں میڈیکل میں سرجن ہیں، یہ دونوں بھائی مخدوم چک ضلع سہرسہ کے باشندہ ہیں اور حضرت مولانا ابوالقاسم صاحب کے صاحبزادے، مولانا ابوالقاسم اپنے حلقہ کے پیر ومشد تھے، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا غنیمت حسین صاحب ایک بڑے عالم تھے۔

آ چکے تھے، میں نے مودود بھائی سے کہا ڈاکٹر صاحب کو خط لکھ دو کہ میں فلاں تاریخ میں اس کام سے علی گڑھ حاضر ہو رہا ہوں۔

علی گڑھ حاضری

حضرت مہتمم صاحب نے منظوری دیدی، میں سب سے پہلے علی گڑھ گیا، قیام ڈاکٹر مسعود اشرف صاحب کے یہاں رہا، وہاں علی گڑھ کتب خانہ کے نائب لائبریرین مشتاق صاحب تھے، ان سے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ہمارے مفتی صاحب اس کام سے آ رہے ہیں، انہوں نے میرے غائبانہ میں ان سے وعدہ کرلیا کہ وہ پورا تعاون دیں گے، مشتاق صاحب سے ڈاکٹر صاحب نے ملایا، وہ مجھے کتب خانہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لے گئے اور پورے کتب خانہ کی سیر کرائی، رجسٹر دیکھائے، لوگوں سے ملایا، اتفاق سے وہ بھی ہمارے ضلع دربھنگہ (بہار) ہی کے باشندہ تھے، مگر آپ علی گڑھ میں رہ گئے تھے اور بس گئے تھے، پورے ایک ہفتہ میں علی گڑھ رہا اور کتب خانہ کا جائزہ تفصیل سے لیا اور سبھوں سے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی، کتب خانہ میں مولانا معین الدین اور مولانا عبدالشاہد خان شروانی جیسے اہل علم بھی تھے، ان لوگوں نے ہمت بڑھائی اور کتب خانہ کی تنظیم اور کتابوں کی حفاظت پر بہت ساری باتیں گوشِ گذار کیں۔

علی گڑھ سے رامپور

یہاں علی گڑھ کا کام ختم کر کے رامپور جانا تھا، مگر مجھے معلوم بھی نہ تھا کہ راستہ کیا ہوگا ڈاکٹر صاحب نے معلوم کر کے بتایا کہ ایک ٹرین یہاں سے بن کر سنبھل ہو کر مراد آباد جاتی ہے، وہاں سے رامپور بہت قریب ہے، ڈاکٹر صاحب صبح سویرے میرے ساتھ اسٹیشن چلے، میرے لئے ٹکٹ لے دیا، اور ٹرین معلوم کر کے اس پر بٹھا دیا، میں دس بجے غالباً مراد آباد پہونچا، اتر کر ٹرین بدلی، رامپور پہونچا وہاں سے رضا لائبریری حاضر ہوا، مولانا عرشی سے ملا، جو وہاں کے لائبریرین تھے اور ذی عالم تھے، میں نے صورت حال بتائی کے میں دیوبند سے اس کام سے آیا ہوں، فرمانے لگے: مجھے دیوبند ایک دفعہ کئی سال پہلے بلایا گیا تھا، مشورے دیکر آیا تھا، مگر ابتک

کوئی کام ہوا نہیں، اس لئے کیا توقع کی جائے؟ انہوں نے کتب خانہ کے مہمان خانہ میں میرے قیام کا انتظام کردیا، روزانہ ملاقات ہوتی تھی اور گفتگو بھی، اور جتنا دیکھتا ان سے بتاتا۔ تیسرے دن کہنے لگے: مولانا آپ ہوٹل میں کھاتے ہیں یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے، آج سے میری التجا ہے کہ کھانا میرے گھر کھایا جائے، چائے میں آپ کو آزادی رہے گی کہ ہوٹل سے جب خواہش ہو ملازم سے منگوالیا کریں، ایک ہفتہ رہنا ہوا، کھانا ان کے یہاں ہی کھاتا رہا، وہاں کی ترتیب اور نفاست دونوں پسند آئی میں نے طے کرلیا کہ اسی نہج پر اپنا کتب خانہ مرتّب کرنا ہے، ضروری چیزیں نوٹ کرلیں جب چلنے کا ارادہ کیا تو عرشی صاحب نے فرمایا: مجھے آپ سے پوری توقع ہے کہ آپ کے ہاتھوں یہ کام ضرور ہو کر رہے گا، حوصلہ افزا کلمات فرما کر میرے حق میں دل دہی کی۔

رامپور سے لکھنؤ پھر پٹنہ

وہاں سے لکھنؤ ندوہ گیا، ایک نظر اس کے کتب خانہ اور اس کی ترتیب کو بھی دیکھا، دو دن وہاں قیام رہا، وہاں سے مفتاح العلوم مئو پہونچا، اساتذہ سے ملاقات کی، اور وہاں سے سیدھے پٹنہ خدا بخش لائبریری حاضر ہوا، وہاں قیام کہاں ہو؟ ہمدرد دواخانہ کی شاخ پٹنہ کے منیجر سید عبدالقادر صاحب تھے، انہوں نے خود کہا کہ آپ پٹنہ سیٹی میرے مکان پر قیام کریں، تین چار دنوں وہاں رہا، اور اس لائبریری کو دیکھا، گو وہاں کا انتظام پسند نہیں آیا، اس وقت اچھی حالت میں کتب خانہ نہیں تھا اور وہاں کوئی عربی داں مولوی بھی نہیں تھا۔

واپس آکر رپورٹ دی

پھر واپس آکر دارالعلوم دیوبند آیا اور مہتمم صاحب کے نام رپورٹ لکھی کہ جدید ترتیب کی صورت یہ ہوگی، آپ مجھے باہر سے ایک نیا اجیر چپراسی دیں، اور کتب خانہ سے ایک محرر، درخواست منظور ہوئی، تحریر فرمایا: ایک چپراسی تو خود کسی کو تجویز کر کے رکھ لیں، اور ناظم کتب خانہ کو لکھا کہ مشیر صاحب کو ان کی طرف کردیں، اتفاق سے دونوں غیر عالم اور صرف اردو خواں تھے اور وہ بھی بہت معمولی پڑھے لکھے، مشیر صاحب بوڑھے، چپراسی البتہ جوان العمر تھا مگر جاہل، البتہ اطاعت گذار تھا۔

ترتیب کتب خانہ کا کام

میں نے مولانا محمد حنیف (۱) سے کہا جو کتب خانہ کے منشی ہیں کہ جو کتابیں آپ کی نظر میں اہم ہوں، اوران کی کسی کو ضرورت ہوسکتی ہے، اسے نکال کراپنے قبضہ میں کرلیں تا کہ میں اب جدید ترتیب کا کام شروع کرسکوں، انہوں نے اس پر عمل کیا، چپراسی بھی بالکل نوجوان سیدھا اور محنتی لڑکا تھا، میں نے کہا کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک کی ساری کتابیں نیچے اتار کر جمع کردو، اس نے ایسا ہی کیا، پہلے میں تفسیر اوراس سے متعلق ساری عربی فارسی اردواور دیگر زبان کی تفسیریں اتروائیں۔

اس کے بعد چھٹائی شروع کی، عربی ایک طرف، فارسی دوسری طرف، اردو تیسری طرف، اور دیگر زبان کی تفسیریں چوتھی طرف، چار ڈھیر لگ گئے، پھر عربی تفسیر میں کئی حصے کئے، مثلاً نفس تفسیر، شروح وحواشی تفسیر، احکام القرآن، لغات القرآن، اسباب وشان نزول پھر ناسخ ومنسوخ وغیرہ وغیرہ، اسی طرح اردو میں اور فارسی میں بھی ترتیب قائم کی، ہرایک کو الگ الگ خانوں میں رکھوادیا، پھر پورے کتب خانہ کی ترتیب اس نہج پر کی گئی، تفسیر کے بعد حدیث، پھر فقہ، اصول فقہ، علوم کلام، علم تصوف، اسرارِ شریعت، اس طرح فن کے مختلف خانے بنائے، جو کتابیں جس خانے کی تھیں اس میں رکھی گئیں، اسی طرح پورا کتب خانہ مرتب ہوا، پرانے رجسٹر اٹھوادیے گئے، نئے فارم چھپوائے گئے، اس کے بعد کاڈ سسٹم جاری کیا گیا، دہلی سے کارڈ اور کیبن لائے گئے، اس طرح پورے کتب خانہ کی نئی ترتیب عمل میں آئی، ساری کتابوں کو نئے قلم سے نمبرات لکھوائے گئے تا کہ کتابوں کے نکالنے میں دشواری نہ ہو، مطبوعات سے فارغ ہوکر مخطوطات پر کام شروع کیا۔

مخطوطات کا تعارف

قلمی کتابوں کا حصہ الگ کیا گیا، پھران تمام قلمی کتابوں کا دو جلدوں میں تعارف لکھا گیا اور چھپوایا گیا، جسے ارباب شوریٰ اور دیگر یونیورسٹی کے ریسرچ سے متعلق اساتذہ نے کافی پسند کیا، اور ساتھ ہی میری محنت کی داد بھی دی، یہ سارے کام خاکسار نے تنہا انجام دیئے،

(۱) مولانا حنیف کتب خانہ کے پرانے محرر اور مولانا سلطان الحق معتمد تھے، ان کا انتقال ابھی ایک سال پہلے ہوا ہے۔

تعارف میں مصنف کا نام، سن وفات مختصر مگر جامع تعارف لکھا گیا اور کتابوں کا حوالہ مع صفحہ دیا گیا اور لکھا گیا کہ مصنف کے حالات فلاں کتاب میں فلاں صفحہ پر پڑھے جائیں۔

فتاویٰ دارالعلوم

اسی کے ساتھ خارج میں فتاوی دارالعلوم کی جلدیں بھی مرتب ہوتی رہیں اور چھپتی رہیں، بارہ سال میں بارہ جلدیں بحمداللہ چھپ گئیں، میں نے دارالافتاء کی فتویٰ نویسی کی تلافی کا کام ترتیب فتاوی سے لیا، تمام مسائل کے حوالے مختلف کتابوں سے لکھے، نظر وسیع ہوتی رہی، میرا علم گھٹا نہیں، اللہ کے فضل وکرم سے اس میں اضافہ ہوتا رہا، گویا میں نے اپنے کو زندہ رکھنے کی دونوں جہتوں سے سعی کی، کتب خانہ کی ترتیب سے بھی اور ترتیب فتاویٰ کی جہت سے بھی، ترتیب فتاویٰ کا کام ہر زمانہ میں خاکسار سے ہی متعلق رہا، خارجی اوقات میں یہ خدمت بصد شوق انجام دیتا رہا، اس کے علاوہ اپنی تصانیف بھی الگ سے چھپتی رہیں، میرے کتب خانہ میں تبادلے کے بعد دارالافتاء میں حضرت مفتی محمود صاحب مدظلہ اور حضرت مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ بلائے گئے، یہ دونوں حضرات وہاں میرے تبادلے کے بعد آئے، دارالافتاء میں ۱۳۷۶ھ سے ۱۳۸۲ھ تک چھ سال مسلسل رہا، اس کے بعد بھی ہر سال میں جب دارالافتاء کا کام زیادہ بڑھ جاتا اور ڈاک جمع ہوجاتی تو اہتمام کی طرف سے دارالافتاء مجھے بھیجا جاتا رہا، یا کوئی مفتی حج میں گئے تو ان کے غائبانہ میں خدمت افتاء سپرد ہوتی رہی، صبر وسکون سے جو خدمت سپرد ہوتی رہی اس کے انجام سے کوئی کوتاہی نہیں ہونے دی، بلکہ محنت سے اپنے فرائض انجام دیتا رہا، اوقات مدرسہ میں کتب خانہ کا کام کرتا تھا اور خارج میں جب ترتیب فتاویٰ اور تصنیف وتالیف کا، اللہ تعالیٰ نے وقت میں بڑی برکت دے رکھی تھی، امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی فرماتے تھے کہ مفتی صاحب آپ کے کاموں میں بڑی برکت نظر آتی ہے، پتہ نہیں کس وقت یہ سارے کام کرتے ہیں۔

خدمتِ کتب خانہ

کتب خانہ میں اکابر کی کتابوں کے لئے ایک کمرہ مخصوص کیا اور ان کا رجسٹر الگ بنادیا

اور سبھوں کی کتابیں الگ الگ خانوں میں نام بنام رکھی گئیں، حضرت شاہ ولی اللہؒ سے لے کر حضرت نانوتویؒ تک اور پھر حضرت نانوتویؒ سے لے کر نیچے تک کے تمام علماء دیوبند کی کتابیں اس کمرہ میں مرتب طور پر جمع ہوئیں، تاکہ ریسرچ کرنے والوں کو کوئی دشواری پیش نہ آئے، افسوس اس کا رہا کہ ان کتابوں کا تعارف چھپ نہیں سکا، جو کام ہوا تھا وہ ایک حادثہ میں ضائع ہو گیا، اس کا اب تک افسوس ہے۔

کتب خانہ میں بیٹھ کر طلبہ کے لئے مطالعہ کا انتظام پہلے بالکل نہیں تھا، ترتیب کتب کے بعد میں نے درخواست دی کہ طلبہ کے مطالعہ کا نظم ہونا بھی ضروری ہے، مہتمم صاحب کی منظوری شوریٰ کی منظوری پر موقوف تھی کہ یہ ایک نیا حصہ تھا، شروع میں علماء کرام کو یقین نہیں تھا کہ کتب خانہ کی جدید ترتیب ہو سکے گی، ان کا خیال تھا کسی کے قابو میں آنا غیر ممکن نہیں تو مشکل تو ضرور ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ کام ہوتا رہا اور اس میں کامیابی ہوئی، دو سال کے بعد بہت سارے لوگ متحیر تھے، اسی طرح طلبہ کے مطالعہ کی بھی کتب خانہ میں عام علماء نے مخالفت کی، عام خیال اس وقت یہ تھا کہ طلبہ چور ہوتے ہیں یا بڑے بے پرواہ، کتابیں ضائع ہو جائیں گی، مگر میں کسی منزل میں مایوس نہیں ہوا، رپوٹیں کرتا رہا اور بعض ممبران شوریٰ سے مل کر ان تک اپنی باتیں پہونچاتا رہا، بالآخر اس کی بھی منظوری شوریٰ نے دیدی، مہتمم صاحب اس منظوری سے خوش ہوئے، اس کے لئے ڈیکس بنوائی گئیں، فرش بدلوایا گیا اور مطالعہ جاری کردیا گیا، دیکھتے ہی دیکھتے دو چار سال میں طلبہ کی بھیڑ رہنے لگی، پھر کتب خانہ مزید دو گھنٹے کھلنے لگا، گویا اس طرح میں نے اپنے وقت ہی میں کتب خانہ کے اوقات چھ گھنٹے سے آٹھ گھنٹے کرادئے، اس کی وجہ سے طلبہ کو بڑی سہولت ہوتی رہی، اس سلسلہ میں میری صرف ایک درخواست منظور نہ ہو سکی کہ طلبہ کو بھی مکررات کتابیں کمرہ لیجانے کیلئے برائے مطالعہ دیجائیں، عذر یہ ہوا کہ عموماً کتابوں کے کاغذ بوسیدہ ہو چکے ہیں، طلبہ اس کی حفاظت نہ کر سکیں گے، ایک سال میں سب کتابوں کے اوراق چُور ہو جائیں گے، بات دل سے لگتی تھی، اس لئے اس پر زیادہ زور نہیں دیا، مگر نئی کتابیں اس کے لئے آسکتی تھیں۔

مختصر یہ کہ کتب خانہ کی جدید ترتیب ہر اعتبار سے مکمل ہو گئی، زبان وار بھی اور فن وار

بھی، ساتھ ہی کارڈ سسٹم بھی، اس وقت جس قدر رجسٹر ہیں، وہ سب میرے نقشے کے مطابق ہیں اور میرے زمانہ کے لکھے ہوئے ہیں، طلبہ کے استعمال سے جب رجسٹر کے اوارق خستہ ہو گئے تو رجسٹر کا سائز چھوٹا کروادیا گیا اور پرانے رجسٹروں کو نئے میں تبدیل کیا جاتا رہا، اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

صدسالہ میں علمی نمائش

اجلاس صدسالہ کے موقع سے علمی نمائش کی رائے ہوئی، تو اس وقت بہت سارے چاٹ لکھوائے گئے، اور اس کے ذریعہ علماء دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کی صدسالہ خدمات کو نمایاں کیا گیا، سیکڑوں کی تعداد میں یہ چاٹ لکھے گئے، طے پایا تھا کہ بعد صدسالہ اسے کتابی شکل میں چھپوادیا جائیگا، اس کی منظوری بھی مل گئی تھی، مگر قدرت کا کرشمہ صدسالہ سے جس قدر مسرت ہوئی اس کے بعد اس کارڈعمل اس سے زیادہ اندوہناک سامنے آیا، ایسا معلوم ہوا کہ فتنوں پر جو پہرہ بٹھایا گیا تھا، وہ چوپٹ کھل گیا، جھگڑے اور کیا بتایا جائے کیا کیا مصیبت سامنے آئی، نتیجہ یہ ہو کہ کلکٹر وغیر کی ضد پر مہتمم صاحب کو انخلاء کرنا پڑا۔

انقلابی ہنگامہ

انخلاء کے بعد پولیس آئی، پھر کیمپ کھل گیا اور وہ کیمپ دارالعلوم کے دوسرے حصہ میں آگیا، نعرے بازی اور تقریروں کا زور بڑھ گیا، اخیر میں حکومت نے مدرسہ کھولنے پر پابندی لگا دی، کیمپ میں تعلیم شروع تھی مگر دارالعلوم سنسان تھا، کلکٹر کی طرف سے ممانعت تھی، پبلک کی طرف سے حکومت کو سینکڑوں ہزاروں تارروانہ کئے گئے کہ دارالعلوم کے کھولنے کی اجازت دی جائے، مگر اس نے اخیر تک اجازت نہیں دی بہانہ یہ تھا کہ فساد کا خطرہ ہے، بالآخر وہی ہوا، جس کا اندیشہ تھا دارالعلوم دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

میں ۱۴ر فروری ۸۲ء کو مدرسہ کے حکم سے مولوی شکیل احمد سیتاپوری مدرس دارالعلوم کے ساتھ، کانپور گیا، وہاں سے الہ آباد اور لوٹتے ہوئے لکھنؤ آیا اور لکھنؤ سے چھٹی کی درخواست بھیج کر وطن چلا گیا، اس لئے کہ مجھے اپنی جگہ یقین تھا کہ انقلاب آکر رہے گا، چنانچہ ۲۳ر مارچ کا دن گذارا کہ رات میں انقلاب آگیا، مجھے وطن میں اطلاع ملی، انقلاب کے ایک ماہ بعد

اپنے کام پر حاضر ہوگیا، نئے انتظام کو قبول کرلیا، یہ کہہ کر گیا ہی تھا کہ یہ دارالسلطنت ہے، اس پر جس کا قبضہ ہوگا اس کا ملازم رہونگا۔

مالِ غنیمت کا انداز

۲۴؍مارچ کی صبح صادق کے بعد ہم لوگوں کے کمروں پر حملہ ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا بہاریؒ، مولانا بدرالحسن، مولانا خالد، مولانا فضل الرحمان اور خاکسار کے کمروں کا سارا سامان، کتابیں، بکس پیسے، کپڑے سب مالِ غنیمت کے نام پر لینے والوں نے لیکر قبضہ کرلیا، کمرہ میں اینٹ کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی، میری ذاتی سندیں وغیرہ تک لئے گئے، اس کی خبر وطن میں غالباً ۲۷؍مارچ کو ملی، ۲۸؍مارچ کو امیر شریعت اور قاضی صاحب سے بتیا جاکر ملاقات کی اور مشورے ہوئے، دیوبند آنا چاہا تو اس وقت گھر والوں نے آنے نہیں دیا، میرے بڑے لڑکے نے میرا ٹکٹ واپس کردیا، میں نے شوریٰ کے نام تار بھیجا کہ ہنگامے میں معلوم ہوا کہ میرے کمرہ سے پچاس ساٹھ ہزار کی کتابیں اور دوسرے سامان غائب ہیں، انہیں برآمد کرانے کی سعی فرمائی جائے، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ کچھ معمولی سامان واپس ملے، گو اصل سامان واپس نہیں ہوسکا، یہ درمیان میں ضمنی بحث نکل آئی، غرض یہ کررہا تھا کہ اس وقت میں کتب خانہ میں بحیثیت مدیر کتب خانہ کام کررہا تھا اور ترتیب فتاویٰ کی خدمت بھی انجام دے رہا تھا، اور دونوں کام بحسن وخوبی انجام ہورہے تھے، فتاوی دارالعلوم دیوبند کی بارہویں جلد کی کتابت مکمل کراکے گیا تھا اور تصحیح کی غرض سے کاپیاں کاتب کے پاس تھیں اس لئے وہ محفوظ رہیں، بعد میں مہتمم مولانا مرغوب الرحمان صاحب کی اجازت سے چھپی، مگر بہت تقاضوں کے بعد آگے کام کے لئے ہمت جواب دے گئی اور تقاضا بھی نہیں ہوا۔ مکمل و مدلل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی جلدیں جس ترتیب سے شائع ہوئیں، میرے لکھے ہوئے ابتدائیہ کے نیچے جو تاریخیں ہیں، اس کے صحیح اندازہ ہوگا کہ کون سی جلد کب چھپی۔

جلداول	۲۵؍رجب	۱۳۸۱ھ	مطابق	۳؍جنوری ۱۹۶۲ء
جلددوم	۱۵؍ربیع الثانی	۱۳۸۳ھ	مطابق	
جلدسوم	۹؍ربیع الثانی	۱۳۸۳ھ	مطابق	

جلد چہارم	۲؍ربیع الثانی	۱۳۸۴ھ
جلد پنجم	۱۲؍ربیع الاول	۱۳۸۵ھ
جلد ششم	۱۰؍جمادی الاولی	۱۳۸۷ھ
جلد ہفتم	۲۱؍ربیع الثانی	۱۳۹۰ھ
جلد ہشتم	۱۱؍ربیع الثانی	۱۳۹۱ھ
جلد نہم	۵؍ذی قعدہ	۱۳۹۴ھ
جلد دہم	۱۱؍محرم	۱۳۹۷ھ
جلد یازدہم	۲۷؍ذی قعدہ	۱۴۰۰ھ
جلد دوازدہم	۱۰؍ذی قعدہ	۱۴۰۲ھ

بارہویں جلد کتاب اللقطہ پر ختم ہوئی، کتاب الشرکۃ سے باقی ہے، کتاب الوقف اور کتاب الشرکہ کی کاپیاں کچھ ضائع ہوئیں، جو ہیں وہ مرتب نہیں، اور خاکسار کے پاس جو موجود ہیں دیر سویر انشاء اللہ تیرھویں جلد بھی چھپے گی۔

مطالعہ علوم قرآنی

ایک وقت میں دارالعلوم دیوبند میں ۸۴ھ میں ایک خصوصی درجہ ''مطالعہ علوم قرآنی'' کے نام سے جاری ہوا تھا، اس کی رہبری ورہنمائی اور نگرانی کے لئے شوریٰ نے میرے نام کا انتخاب کیا، اور شوری کی یہ تجویز آئی۔

حکم نامہ (۵۰)

بخدمت مولانا محمد ظفیر الدین صاحب!

سلام مسنون

''آئندہ تعلیمی سال ۱۳۹۴ھ سے دارالعلوم دیوبند میں مطالعہ علوم قرآنی کا جو نیا درجہ جاری کیا جارہا ہے، اس کی دفتری ذمہ داری، طلبہ کے مطالعہ، ان کے مطالعہ کے تحریری مشاغل کی نشاندہی اور نگرانی مجلس شوریٰ رجب ۱۳۸۴ھ نے آپ سے متعلق کی ہے۔

۸۶/۸/۳ھ
محمد مبارک علی

شوال میں اطلاع آئی، طلبہ علوم قرآنی کے لئے کمرہ (۱۰۶) دار جدید منتخب کیا گیا ہے، اس پہلے سال میں صرف ایک طالب علم کو اسی درجہ خصوصی میں داخل کیا گیا، مسمّٰی مولوی ریاست علی شیر کوٹی، دوسرے سال میں دو طالبعلموں کا داخلہ کیا گیا، مولوی ولی رحمانی اور مولوی ابراہیم گجراتی، اس کا حکم ۵/۳/۸۶ھ کو موصول ہوا (حکم ۲۱۰) تیسرے سال کے انتخاب میں دو طالب علم ہوئے، مولوی محمد رضوان دربھنگوی اور مولوی عبداللہ شکیل گیاوی (۳/۱۱/۸۷ھ) حکم نمبر (۳۷۶)، چوتھے سال میں تین طلبہ منتخب ہوئے، مولوی محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولوی مزمل حسین اور مولوی سمیع اللہ گونڈوی (۱۳/۱۱/۸۷ھ) نمبر حکم (۵۹۵)۔

اس سال کے بعد یہ درجہ حضرت مولانا معراج الحق صاحب کی رپورٹ یا گفتگو پر ختم کردیا گیا، یہ نائب مہتمم تھے اور اس وقت اثر ورسوخ کے مالک تھے، حضرت مہتمم صاحب بھی سے انہوں نے اس کاغذ پر دستخط کرالیا تھا۔

مجھے اس درجہ کے ختم ہونے کا تھوڑا ملال ہوا، کہ ذہین طلبہ کو فائدہ پہونچ رہا تھا، میرا کوئی ذاتی فائدہ نہیں تھا، طلبہ کا نقصان ہوا، اس درجہ علوم قرآن میں جتنے لڑکے داخل ہوئے، سبھوں نے دوسو صفحات کا مقالہ لکھا، گو یہ چھپا نہیں، پھر یہ طلبہ آج بھی جہاں ہیں بہت نمایاں ہیں، اور ان کی ملک وملت میں خاص حیثیت ہے، حیرت یہ ہے کہ اس درجہ کو ختم کرتے وقت نہ مجھ سے پوچھا گیا اور نہ کسی ممبر شوریٰ کو اس مشورہ میں شریک کیا گیا، جیسا کہ بعض ممبران شوریٰ نے خاکسار سے بیان کیا کہ شوری میں یہ مسئلہ لایا ہی نہیں گیا۔

اداریہ رسالہ دارالعلوم

رسالہ دارالعلوم دیوبند ماہانہ بہت پہلے سے نکل رہا تھا، مگر اس وقت اس میں اداریہ نہیں ہوا کرتا تھا، مدیر مولانا ازہر شاہ قیصر تھے، ایک دفعہ سوال اٹھا کہ رسالہ دارالعلوم دیوبند میں اداریہ نہیں ہوتا ہے، اور نہ مضمون کی دیکھ بھال ہوتی ہے، مجلس شوری نے طے کیا کہ اداریہ ہونا چاہئے، چنانچہ صفر ۱۳۸۵ھ کی شوری دفتر اہتمام میں ہورہی تھی، مجلس میں مجھے بھی بلایا گیا، ممبران نے پوچھا آپ رسالہ دارالعلوم پڑھتے ہیں، میں نے اثبات میں جواب دیا، پوچھا:

اس کے مضامین کیسے ہوتے ہیں؟ میں نے کہا عوامی ہوتے ہیں تا کہ ہر شخص پڑھ کر سمجھ لے، پوچھا: اس میں اداریہ ہوتا ہے؟ میں نے کہا نہیں ہوتا ہے، پوچھا: ہونا چاہئے یا نہیں؟ میں نے کہا یہ فیصلہ آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے، میرے مضامین پہلے سے اس رسالہ میں شائع ہورہے تھے اور وہ معیاری مضامین تھے، پھر شوری کے ممبروں میں غالبًا قاضی زین العابدین صاحب نے فرمایا کہ آپ کو اس لئے زحمت دی گئی ہے، کہ ہم لوگوں کی رائے یہ ہے کہ آپ کو شریک ادارت کردیا جائے، اور آپ پابندی سے اداریہ لکھیں، آنے والے اور شائع ہونے والے مضامین کی اصلاح بھی کریں، اور جو کمی ہو اس کو پورا کریں۔

ٹائٹل پر میرا نام نہ لکھا جائے

میں نے عرض کیا: ان تمام کاموں کے لئے آمادہ ہوں، اور انشاء اللہ پوری ذمہ داری سے کرونگا، بس اتنی درخواست ہے کہ ٹائٹل پر مدیر کے خانے میں میرا نام نہ لکھا جائے، یہ مجھے پسند نہیں، پھر شاہ صاحب بھی اسے پسند نہیں کریں گے، اور ہوسکتا ہے کہ آگے جھگڑا اس سے پیدا ہو، بہت ممبران بولے، شوری طے کریگی کچھ نہیں ہوگا، میں نے عرض کیا کہ کام ہونا چاہئے، نام لینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

مولانا اکبرآبادی صاحب بولے کہ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں، ان کا نام ٹائٹل پر دینے کے لئے ان کو مجبور نہ کیا جائے، کام البتہ جیسا کہتے ہیں کریں گے، تھوڑی ردوکد کے بعد یہ بات اتفاق سے طے ہوگئی، چنانچہ شوری کے بعد میرے نام تجویز آئی۔

حکم نامہ برائے رسالہ

حکم (۲۵) بخدمت گرامی مولانا محمد ظفیر الدین صاحب ! سلام مسنون

مجلس شوری صفر ۱۳۸۵ھ نے رسالہ دارالعلوم دیوبند کے سلسلہ میں آپ کو رکن ادارت قرار دیا۔

والسلام

محمد طیب

۲/۲۶/۸۵ھ

ماہ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ سے میں نے اداریہ لکھنا شروع کردیا، یہ سلسلہ فروری ۱۹۸۲ء

تک قائم رہا، دفتر میں عموماً ایک گھنٹہ بیٹھا بھی کرتا تھا، آنے والے مضامین شاہ صاحب دید یتے، تو اس پر نظر ثانی بھی کردیتا تھا، مضمون کی کمی ہوتی تو اس کی تلافی بھی کرتا، اور مضمون لکھ کر دیتا، اداریہ ہمیشہ باہم مشورہ کے بعد لکھا کرتا تھا، اداریہ کے اخیر میں ظفیر صدیقی لکھ دیا کرتا تھا، بس یہ علامت ہوتی کہ خاکسار کا لکھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے میرے اداریہ کو بڑا مقبول بنا رکھا تھا، بہت سے لوگ ہر ماہ اس کے پڑھنے کے منتظر رہتے اور کتنوں نے بتایا کہ رسالہ منگواتا ہی اداریہ کی وجہ سے ہوں، زبان ہلکی پھلکی، جملے چھوٹے مربوط اور عام فہم ہوا کرتے تھے، پھر وہ حالات حاضرہ کے کسی پہلو پر ہوتے تھے، دلچسپ انداز میں لکھے جاتے تھے، سارے اختلافات کے باوجود کوئی اداریہ ان جھگڑوں پر کبھی نہیں لکھا گیا، اگر میں کبھی گھر چلا گیا تو مولانا انظر شاہ نے لکھا، مگر دیکھا یہی گیا کہ اس سے لوگوں کو اختلاف ہوا کرتا تھا۔

نگران الداعی میں نام

ایک زمانہ میں الداعی عربی کے لئے کمیٹی بنائی گئی کہ وہ پالیسی کی نگرانی کیا کرے، تو اس میں بھی خاکسار کا نام دیا گیا، نگران کمیٹی کے نام یہ تھے، مولانا وحید الزماں، مفتی ظفیر الدین، اور مولانا محمد سالم (دیکھئے حکم ۵۲۹ مورخہ ۲۰/۷/۶۹ھ) اسی طرح ۱۲/۹/۹۴ھ میں ہلال کمیٹی بنی، تو اس میں بھی میرا نام رکھا گیا۔

نگرانی بدر الحسن

ایک زمانہ میں مولانا بدر الحسن کو حضرت نانوتوی کی تصنیفات کے مطالعہ پر رکھا گیا، تو ان کی نگرانی بھی میرے سپرد ہوئی (دیکھئے: حکم ۸۹۹، مورخہ ۱۶/۱۱/۹۶ھ)

دار القضاء کمیٹی میں

محکمہ دار القضا قائم ہوا، اور اس کے لئے کمیٹی بنی، تو دوسروں کے ساتھ خاکسار کا نام بھی شریک کیا گیا۔ (دیکھئے: حکم ۵۶، مورخہ ۱۴/۲/۹۴ھ)

صد سالہ میں تین کتابیں

صد سالہ کے سال "مشاہیر علماء دیوبند" کے عنوان سے گذرے ہوئے علماء دیوبند

کا تذکرہ مرتب کرنا طے ہوا، تو اہتمام نے یہ کام بھی خاکسار کے سپرد کیا اور میں نے کتاب مرتب کرکے پیش کی، اور وہ آفسٹ سے چھپی، اس کے علاوہ دو رسالے میرے اور چھپے، ایک کا نام تھا، ''دارالعلوم دیوبند قیام اور پس منظر'' دوسرے کا نام تھا ''دارالعلوم ایک عظیم مکتب فکر''، رسالہ ''دارالعلوم دیوبند قیام اور پس منظر'' کا انگریزی ترجمہ بھی ہوا۔

دارالعلوم میں شائع ہونے والی کتابیں

دارالعلوم دیوبند کی طرف سے فتاوی دارالعلوم دیوبند مدلل و مکمل کی بارہ جلدوں کے علاوہ میری یہ کتابیں چھپیں: (۱) جماعت اسلامی کے دینی رجحانات (۲) تعارف مخطوطات کتب خانہ دارالعلوم دیوبند جلد اول (۳) جلد ثانی (۴) مشاہیر علماء دیوبند (۵) دارالعلوم دیوبند قیام اور پس منظر (اس کا انگیریزی ترجمہ بھی شائع ہوا) (۶) دارالعلوم ایک عظیم مکتب فکر۔

میری دوسری تصانیف

اس دور میں خاکسار کی جو کتابیں باہر سے شائع ہوئیں، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) جرم وسزا کتاب وسنت کی روشنی میں
(۲) نظام تربیت
(۳) اسلام کا نظام تعمیر سیرت
(۴) اسلامی حکومت کے نقش ونگار
(۵) اسلام کا نظام امن
(۶) مسائل حج وعمرہ
(۷) حکیم الاسلام اور ان کی مجالس
(۸) تذکرہ مولانا عبداللطیف نعمانی
(۹) تذکرہ مولانا عبدالرشید رانی ساگری
(۱۰) امارت شرعیہ دینی جدجہد کا روشن باب
(۱۱) درس قرآن
(۱۲) اسلام کا نظام حیات
(۱۳) حضرت نانوتویؒ ایک مثالی شخصیت
(۱۴) امارت شرعیہ کتاب وسنت کی روشنی میں
(۱۵) تفسیر حل القرآن پر عنوانات کا اضافہ
(۱۶) ہندوستان میں نظام تعلیم وتربیت پر عنوانات کا اضافہ۔
(۱۷) ترجمہ درمختار از ابتداء تا ختم کتاب الطلاق

علمی خطوط کے جوابات

حضرت مہتممؒ کے نام جو علمی خطوط جواب طلب آتے تھے، وہ عموماً پیشکار صاحب

میرے پاس بھیج دیا کرتے تھے، اس کا جواب تیار کر کے دفتر اہتمام بھیج دیتا تھا، حضرت اس پر نظر ثانی کر کے ٹائپ کا حکم دیتے اور حضرت کے دستخط سے روانہ ہوا کرتے تھے، حضرت کو خاکسار کے علمی کاموں پر بڑا اعتماد تھا، اور شاید اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے علمی ذوق سے نوازا ہے، اس سلسلہ میں خوش قسمت ہوں، ابتداء طالب العلمی میں حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کچھ لکھتے تو اسے صاف کرنے کے لئے میرے حوالہ فرماتے، اسی طرح حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے کئی مضامین صاف کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، اور اس راستہ سے جواب لکھنے کا سلیقہ حاصل ہوا۔

مقدمہ اسلامی عقیدے

ایک زمانہ میں مولانا انظر شاہ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ایک کتاب کا ترجمہ کر کے اسلامی عقیدے کے نام سے شائع کرنے کا ارادہ کیا، تو اس پر خاکسار سے مقدمہ لکھوایا اور میں نے کافی محنت سے اس پر لمبا مقدمہ علم کلام کی تاریخ پر تحریر کیا، اور حضرت شاہ صاحب نے اس مقدمہ کے ساتھ کتاب شائع کی۔

دوسرے علمی کام

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی نے مسئلہ امارت، قرآن محکم اور کتاب الفسخ والتفریق دیوبند میں چھپوائی، تو ان تینوں کتابوں پر بھی خاکسار نے مقدمہ لکھا، اور اسی کے ساتھ کتاب شائع ہوئی، موصوف بھی خاکسار پر پورا اعتماد کرتے تھے، مولانا حبیب احمد کیرانوی کی تفسیر حل القرآن پر مکتبہ امدادیہ والے نے عنوانات لگوائے، تفسیر مختصر اور علمی انداز کی ہے، درسی کتابوں کی شرح لکھنے پر بعض احباب نے مجبور کرنا چاہا، تو اس کا انکار کرنا پڑا، کہ اس سے طلبہ کی استعداد کمزور ہوتی ہے، یہ کام مجھے گوارا نہیں ہوا، سانحہ ضلع مونگیر کے زمانہ قیام میں مضامین و مقالے بہت لکھے، علمی و تحقیقی بھی اور سیاسی بھی اور اسی طرح دارالعلوم کے قیام کے زمانہ میں بھی بہت سارے مضامین اور مقالے لکھے، میں نے اپنے تمام مضامین کی فہرست مرتب کر لی تھی کہ کن کن عنوانات سے کن کن رسالوں میں اور کس ماہ میں شائع ہوئے ہیں مگر افسوس ہے

وہ آپ بیتی کے مسودے کے ساتھ لیجانے والے لے گئے، اخیر میں پھر سعی ہوگی کہ ان مقالات ومضامین کی فہرست تیار ہوجائے، تاکہ آئندہ کبھی موقع میسر ہوتو اس کی جلدیں شائع ہوسکیں۔

میری یہ کمزوری رہی کہ میں نے اپنے مضامین کی نقلیں نہیں رکھیں، حد یہ ہے کہ میری جتنی تصنیفات ہیں وہ بھی کبھی میرے پاس یکجانہ رہ سکیں، اور نہ اس وقت ہیں، ہوسکتا ہے کہ آئندہ خدا کا کوئی بندہ اس کام کوانجام دے، میرے تینوں لڑکے باضابطہ عالم دین ہیں، لکھنے کا سلیقہ بھی ہے، مگر یہ ذوق ان کے اندر ہے یا نہیں، صحیح اندازہ نہیں، کہ امید کی جائے کہ وہ میرے مقالات مرتب کرکے شائع کراسکیں گے، شاگرد بھی ہیں ممکن ہے، ان میں سے اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق عطا کرے، **لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا**، بہر حال مایوس نہیں ہوں۔

حضرت مہتمم صاحب کی شفقتیں

حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اہتمام کا تذکرہ ختم کرتے ہوئے ایک اور واقعہ کا تذکرہ کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے، جس سے حضرت مہتمم صاحب کی شفقت ومحبت کا اندازہ لگانا آسان ہوگا۔

دارالعلوم دیوبند آنے کے تیسرے سال سابق مدرسہ معینیہ سانحہ والوں کا اصرار بڑھا کہ کچھ دنوں کے لئے آکر مدرسہ کو سنبھال دیں اور اسی کے ساتھ حضرت مہتمم صاحب سے بھی اہل مدرسہ نے درخواست کی، اصرار کی وجہ سے رائے ہوئی کہ تین ماہ کی رخصت لے کر میں وہاں چلا جاؤں، اور پھر واپس آجاؤں، چنانچہ میں ۲۲؍شوال ۱۳۷۸ھ سے ۲۱؍محرم ۷۹ھ تک کے لئے رخصت کی درخواست دی، حضرت مہتمم صاحب نے منظوری دیدی، میں رخصت لے کر دیوبند سے دارالعلوم معینیہ سانحہ چلا گیا اور وہاں کے نظم ونسق کی درستی میں منہمک ہوگیا۔

میرے خلاف پروپیگنڈا

ادھر میرے خلاف پروپیگنڈا یہ شروع ہوگیا کہ میری واپسی نہیں ہوگی، اور پھر حضرت مہتمم صاحب پر دباؤ ڈالا کہ ظفیر کی جگہ فلاں صاحب کا تقرر فرمادیں، فضا پوری طرح تیار کرلی

تھی کہ سب لوگ اسی کی تائید کریں، مگر مہتمم صاحب نے فرمایا کہ براہ راست میں خط لکھ کر معلوم کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرونگا، چنانچہ آپ نے اپنے طور پر بقلم خود یہ گرامی نامہ خاکسار کے نام سانحہ ارسال فرمایا۔

مکتوب اہتمام

حضرت المحترم ! زید مجدکم السامی

سلام مسنون ونیاز مقرون

الحمدللہ بعافیت ہوں، امید ہے کہ آپ بھی بعافیت ہوں گے، آپ نے تین ماہ کی رخصت حاصل کی ہے، جس کا تقریباً ایک تہائی حصہ پورا ہو چکا ہے، مجھے اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ رخصت تو ایک ضابطہ کی چیز ہے جو اپنی جگہ ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس رخصت کے بعد حقیقتاً ارادہ واپسی کا ہے یا نہیں؟ اگر ارادہ ہے تو آپ اسے قطعیت کے ساتھ تحریر فرمادیں، لیکن اگر واپسی کا قصد نہ ہو یا تردد ہو، تو عرض کرنا ہے کہ اس منصب کے لئے جس پر آپ کام کر رہے رہیں، ایک موزوں شخصیت مل رہی ہے، جو اپنی قابلیت اور وجوہ استحقاق کی بناء پر واجب التوجہ ہے، اگر آپ کی تشریف آوری نہ ہو، تو ان سے بات چیت کی جائے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ضابطہ سے الگ ہو کر اپنا حقیقی منشاء واضح فرمادیں، آئنیکی صورت میں آپ بہر حال مقدم ہیں، ساتھ یہ بھی کہ اس رخصت کے بعد کوئی رخصت نہ لیں اور وہ منظور بھی نہ ہو سکے گی، اس کے ختم پر جو ارادہ ہو اسے قطعیت کے ساتھ مطلع فرمادیں امید ہے مزاج سامی بعافیت ہوگا، پرسان حال کی خدمت میں سلام مسنون۔

والسلام

محمد طیب غفرلہ

ازدیوبند ۱۸؍۱۱؍۷۸ھ

ابھی تین ماہ کی رخصت میں سے ایک ماہ بھی نہیں گذرا تھا، کہ یہ جوڑ توڑ دیوبند میں

شروع ہوگیا، اور ذمہ دار پر اخلاقی دباؤ ڈالنا شروع کردیا گیا، کہ اس کی جگہ دوسرے صاحب کو کردیا جائے، آپ اندازہ لگایئے کہ کہنے والے قریب کے لوگ ہوں گے، اور دوسرے معتمدین سے بھی کہوایا گیا ہوگا، مگر حضرت کی ذمہ داری کی بات تھی کہ جلد تسلیم کرنے سے انکار فرمادیا، اور نجی طور پر یہ خط لکھا، پھر لب ولہجہ دیکھئے، کتنا خوشگوار پاکیزہ اور ہمدردانہ ہے، اور جو پوچھنا ہے اسے بڑی صفائی سے لکھ کر معلوم فرمارہے ہیں، اسے کہتے ہیں، بڑوں کی ذمہ داری اور اس کی ادائیگی۔

مکتوب کا جواب

یہ خط پہلی مرتبہ پڑھا تو طبیعت پر ناخوشگوار اثر پڑا، لیکن اپنی عادت کے مطابق مشورہ کیا اور ایک دو شخصوں کو پڑھ کر سنایا، تو انہوں نے محسوس کیا اور کہا کہ آپ کے مہتمم صاحب کو آپ سے بہت زیادہ ہمدردی ہے، اور خط کا لب ولہجہ بتاتا ہے کہ وہ آپ کی واپسی بھی چاہتے ہیں، اس کا ہر ہر جملہ خلوص ومحبت میں ڈوبا ہوا معلوم ہورہا ہے، آپ کا جواب بھی اسی انداز کا ہونا چاہئے، اب میں نے بہت ہی جچے تلے جملوں میں جواب لکھا، عرض کیا کہ حضرت انشاء اللہ میری واپسی ہوگی، اور رخصت کے ختم پر فوراً ہی ہوگی، اس خط سے پہلے مزید چھٹی کا ارادہ تھا، مگر اس خط کے بعد نہیں رہا، حضرت کی شفقت سے دل متاثر ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ عاطفت دیر تک قائم رکھے۔

دوسرا مکتوب

میرا یہ خط جب دیوبند پہونچا تو پڑھ کر حضرت کو بھی خوشی ہوئی، جیسا کہ آپ کے بعد والے خط سے ظاہر ہوتا ہے، آپ نے میرا یہ خط پا کر فوراً تحریر فرمایا، اور خود اپنے قلم سے لکھا:-

حضرت المحترم !

زید مجدکم السامی

سلام مسنون نیاز مقرون

گرامی نامہ سے مشرف فرمایا، سابقہ عریضہ کا مقصد صرف آمد کا متعین کرنا تھا سو وہ ہوگیا، اب خواہ آپ ابھی تشریف لے آویں یا

رخصت پوری کر کے آ دیں، بعض لوگوں نے چونکہ وثوق سے یہ بیان کیا
تھا کہ آپ کا ارادہ واپسی کا نہیں ہے، اس لئے عریضہ بھیجنے کی ضرورت
پیش آئی، سوالحمد اللہ کہ بات صاف ہوگئی۔

والسلام

ازدیوبند ۱۲/۶/ ۸۷ء محمد طیب

بار بار یہ دونوں خطوط جو ایک ذمہ دار اعلی نے ایک معمولی خادم کے نام لکھا ہے، پڑھے جائیں کہ دوسرے کے حقوق کا کس قدر لحاظ و پاس تھا، ہزار دباؤ کے باوجود دباؤ میں نہیں آئے، ملازم سے براہ راست اپنے قلم سے خط لکھ کر معلوم کیا، اور جب حقیقت سامنے آئی، تو مسرت کا اظہار فرمایا، اور پہلے خط پر معذرت کے انداز میں مجبوری ظاہر فرمائی۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ چھٹی کے ختم ہونے کے کچھ پہلے پھر یاددہانی کا خط لکھوایا کہ آپ چھٹی ختم کر کے ٹھیک وقت پر آ جائیں، تاخیر مناسب نہیں ہے، یہ خط آپ کے نائب مولانا مبارک علی کے دستخط سے پہونچا اور رجسٹری سے بھیجا گیا، ہمدردی اور شفقت کی انتہا ہے، پورا خط یہاں مطالعہ فرمائیں۔

یاددہانی کا خط

محترمی ! زید مجدکم بعد سلام مسنون

آنکہ رخصت قریب الختم ہے، لہذا آپ کو جلد پہونچ جانا چاہئے، حضرت مہتمم صاحب کے گرامی نامہ مورخہ ۱۸/۱۱/ ۷۸، سے کیفیت واضح ہو چکی ہے، اس کی رو سے اب مزید رخصت کا قصد نہ فرمائیں اس کے لئے حالات مساعد نہیں ہیں۔

لہذا اگر دارالعلوم میں واپسی کا قصد ہے تو فوراً تشریف لا کر اپنے کام میں لگ جایئے، تاخیر نہ فرمائیں، نیز یہ کہ سانحہ سے حضرت مہتمم صاحب کے پاس جو خط آیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے وہ آپ کی ابھی اور ضرورت محسوس کرتے ہیں اور آپ کو ایک سال یا کم و بیش روکنا چاہتے ہیں، اس کا فیصلہ مہتمم صاحب نے آپ پر محمول فرما دیا ہے کہ آپ

کی جو رائے ہو اس پر عمل کریں، اور دارالعلوم کو جلد مطلع فرمائیں۔
دارالعلوم کا جو منشا تھا اسے حضرت مہتمم صاحب نے اپنے سابق گرامی نامہ مورخہ ۱۸/۱۱/۸۷ھ میں تحریر فرما چکے ہیں، اپنی آخری رائے سے جلد مطلع کیجئے، حضرت مہتمم صاحب ۶/۱/۹۷ھ کو افریقہ تشریف لے جا چکے ہیں۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ والسلام

۱/۱۳/ ۹۷ھ محمد مبارک علی (نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

اب ایسے مشفق ومہربان کہاں باقی رہے؟ بلکہ پیدا ہی کہاں ہوتے ہیں؟ افریقہ روانہ ہوتے ہوئے دفتر کو ہدایت فرماگئے کہ مجھے یاددہانی کا خط لکھدیا جائے، تاکہ غفلت نہ ہونے پائے، اس خط کے پہونچتے ہی میں نے دارالعلوم اپنے وقت پر پہونچ جانے کا انتظام شروع کردیا، اور ٹھیک وقت پر پہونچ کر ۲۲/محرم ۹۷ ۱۳ھ کو اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوگیا، ایک گھنٹہ بھی تاخیر بحمد اللہ نہیں ہوئی اور یہ مرحلہ بحسن وخوبی طے ہوگیا ——— میری اس حاضری سے قدرتی طور پر حضرت مہتمم صاحب کو دلی مسرت ہوئی کہ جیسا لکھا تھا، اس کے مطابق عمل کیا اور کسی کو کچھ بولنے کا موقع نہیں دیا، اس سے حضرت کے دل میں خاکسار کی وقعت دوچند ہوگئی، ایک مرحلہ ایک وقت میں اور پیش آیا تھا، ترتیب فتاویٰ کا سارا کام خاکسار نے بڑی محنت سے انجام دیا تھا۔

ٹائٹل پر مرتّب کا نام نہ لکھے جانے کی تجویز

پہلی جلد جب مرتّب ہوگئی، بلکہ کتابت کا مرحلہ بھی بہت حد تک طے ہو چکا تھا، تو اہتمام میں مجھے بلایا گیا کہ اسکا ٹائٹل کیا ہوگا؟ وہ پیشکار صاحب کے مشورے سے لکھا گیا، مرتّب کی حیثیت سے اس میں میرا نام دیا گیا اور طے پایا کہ اس کی کتابت خلیق ٹونکی سے کرائی جائے، مگر جب وہ ٹائٹل وہاں سے لکھ کر آیا، تو مرتّب کا نام غائب تھا اور اس کی جگہ مرتبہ شعبہ ترتیب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند لکھا ہوا تھا، میری نظر پڑی، تو میں نے کہا: یہ کیا ہوا؟ پیشکار صاحب نے بتایا کہ اہتمام نے یہی طے کیا کہ نام کسی کا نہ رہے، میں نے کہا: پھر ذمہ دار کون ہوگا؟ انہوں نے کہا جب یہی رائے ہوئی تو میں کیا کرتا، یہ بات کانوں کان پھیلی، کسی نے

مونگیر حضرت مولانا منت اللہ صاحب کو بھی اس کی اطلاع دی کہ یہ صورت حال ہے، میں تو خاموش ہوگیا، البتہ حاشیہ میں ہر حوالہ کے بعد کاتب سے کہا کہ ظفیر بڑھادے، چنانچہ اگلے کام میں کاتب نے ایسا ہی کیا یہ بات ظاہر نہ ہوسکی کہ امیر شریعت بہار واڑیسہ حضرت مولانا منت اللہ صاحب نے معلوم ہوتے ہی خط نائب صاحب کے نام لکھا، اور پھر کچھ دنوں کے بعد مہتمم صاحب کے نام، حضرت مہتمم صاحب ان دنوں پاکستان تشریف لے گئے تھے، پیشکار صاحب نے مجھے بلایا کہ یہ صورت ہے، مولانا منت اللہ صاحب کا مہتمم صاحب کے نام خط آیا ہے، میں ان کا خط پاکستان بھیج رہا ہوں، آپ بھی مہتمم صاحب کے نام ایک خط ٹائٹل کے سلسلہ میں لکھ دیں، اس کو بھی اسی کے ساتھ بھیج دونگا، میں نے ان کے کہنے کے مطابق صورت حال لکھدی کہ فتاویٰ کی پہلی جلد چھپنے جارہی ہے، مرتّب کا نام دیا جائے یا نہیں؟ ٹائٹل لکھ کر جو آیا ہے اس میں میرا نام حذف کردیا گیا ہے، حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے پاکستان سے میرے نام خط میں تحریر فرمایا :

مرتّب کا نام لکھا جانا چاہئے

محترمی ! مجدکم السامی

سلام مسنون اخلاص مقرون

گرامی نامہ ملا، میں آج ہی سرگودھا پہونچا ہوں، پرسوں لائل پور کے لئے روانگی ہے، جولائی کے پہلے ہفتہ میں دیوبند پہونچ جانے کی توقع ہے انشاء اللہ ـــــ فتاویٰ دارالعلوم کے سلسلے میں ٹائٹل پر بحیثیت مرتب فتاویٰ آپ کا اسم گرامی آنا میرے خیال میں قابل اعتراض نہ ہونا چاہئے، بلکہ حق پسندی کا تقاضا بھی ہے کہ یہ نام آنا آپکا حق ہے، جبکہ اول سے لیکر آخر تک محنت آپ کی ہے، احقر کی رائے آپ کے گرامی نامہ کے بعد یہی ہے کہ نام کی تصریح ضروری ہونی چاہئے، امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے، دعاء کا خواستگار ہوں، حضرت مفتی صاحب اور دوسرے بزرگوں سے بشرط یاد و ملاقات سلام فرمادیں۔ والسلام

از سرگودھا : مدرسہ سراج العلوم ۹/۱/۸۲ھ یوم چہار شنبہ — محمد طیب

اسی کے ساتھ مولانا عبدالحق پیشکار کو بھی لکھا، پھر پیشکار مولانا عبدالحق صاحب نے محبوب رضوی صاحب سے کہا کہ اسے کاتب کے پاس لیجایئے اور مرتب کے نیچے مولانا محمد ظفیر الدین لکھوادیجئے، وہ اسے غالباً زاہد کاتب کے یہاں لے گئے اور ان سے نام کا اضافہ کرایا، پھر ٹائٹل چھپا۔

مختصر یہ کہ نام کا اضافہ حضرت امیر شریعت مدظلہ کے خط کے طفیل میں ہوا، حضرت مہتمم صاحب عموماً اس طرح کی معمولی باتوں سے بے خبر رہا کرتے تھے، بغیر ان کے علم میں لائے ہوئے نام اڑا دیا گیا ہوگا، اس وجہ سے پیشکار صاحب نے مجھ سے خط لکھوایا، حضرت مہتمم صاحب کے دل میں میری قدر وقیمت تھی اور اس کا مظاہرہ بہت موقعوں سے ہو چکا تھا، حضرت انصاف پسند اور بے نفس انسان تھے، مگر جو لوگ مہتمم صاحب کے غائبانہ میں اپنا حکم چلاتے تھے، ان کی یہ سب مہربانی تھی۔

دیوبند چھوڑنے کی مخالفت

حضرت مہتمم صاحب کے دل میں خاکسار کی جو قدر قیمت تھی اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ میں حضرت امیر شریعت مدظلہ نے چاہا کہ میں قضایا نظامت قبول کرلوں، یعنی قاضی کے عہدے پر آجاؤں یا ناظم کے عہدہ پر، خاکسار سے گفتگو بھی فرمائی، اور حضرت نائب امیر شریعت مولانا عبدالصمد رحمانی نے خط بھی لکھا، لیکن وہی معاہدہ جو حضرت مہتمم صاحب نے لیا تھا کہ آپ کو دیوبند میں رہنا ہے اور یکسو ہو کر کام کرنا ہے، میرے ارادہ کرنے کے باوجود مانع بنتا تھا، میرے نزدیک حضرت امیر شریعت مدظلہ اور حضرت مہتمم صاحب دونوں شخصیتیں میرے لئے حد درجہ قابل احترام تھیں، میں کسی کی بات کے خلاف کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا، دونوں ہمارے بزرگ تھے، کبھی کبھی کشمکش سے دوچار ہونا پڑتا تھا، ایک دفعہ نائب امیر شریعت حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی کا مکتوب گرامی موصول ہوا۔

مولانا المحترم! زاد لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے متعلق حضرت امیر شریعت کے مشورہ کے بعد ہم یہ طے کئے
ہوئے بیٹھے ہیں کہ آپ جیسے ہی بہار آئیں امارت شرعیہ بہار کا آرگن ''
نقیب'' اوراس کا دارالافتاء آپ کے حوالہ کردیں، اس لئے التماس ہے
کہ آپ جب گھر آئیں، توسیدھے مجھ سے ملیں، پرآپ کواختیار ہوگا کہ
آپ اپنی پسندیدہ جگہ کاانتخاب کریں۔ لیکن چار ماہ تو بہرحال آپ کوکسی
کام سے متعلق نہیں ہونے دیں گے، اس لئے کہ ایک اہم دینی وقتی اور
فوری ضرورت ہے، جس کی تکمیل آپ ہی کوکرنی ہے۔ والسلام

ازخانقاہ مونگیر ۱۸؍رمضان ۷۹ھ ناچیز عبدالصمد رحمانی

ایک دفعہ امیر شریعت شوریٰ میں تشریف لائے، تو میں نے عرض کیا: حضرت مہتمم صاحب کوراضی فرمادیں، مجھے کوئی عذر نہیں رہے گا، فرمایا: بہت اچھا، دوسرے دن فرمایا کہ میں نے بات چلائی تھی مگروہ کسی طرح تیار نہیں ہوئے، مجلس شوریٰ کے بعد تشریف لے گئے، مگر کچھ دنوں بعد حضرت امیر شریعت مدظلہ کا گرامی نامہ آیا۔

مکرم بندہ مولانا ظفیر الدین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
گرامی نامہ موصول ہوا، گرچہ مہتمم صاحب مدظلہ نے آپ کوچھوڑنا
نہیں چاہا ہے، میں اپنے سابق خیال ورائے پر قائم ہوں، آپ چھ ماہ کی
چھٹی لے لیں اور تشریف لے آئیں، میں نے ایک خط مہتمم صاحب کو
بھی لکھدیا ہے، اور دوسرا عریضہ اسی خط کے ساتھ منسلک کررہا ہوں،
تاکہ اپنی درخواست رخصت کے ساتھ اس کودے سکیں، اوررخصت کی
کاروائی کوممکن حدتک تیز چلانے کی کوشش فرمائیں، ایک بات عرض
کردوں کہ سردست دفتر امارت شرعیہ سے (۱۵۰؍روپیہ) ماہوار آپ کی
خدمت میں پیش کئے جاسکیں گے۔ والسلام

۲۰؍ستمبر ۱۹۶۱ء منت اللہ

اس خط کے ملنے کے بعد خاکسار حضرت مہتمم صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا

حسب عادت دیکھ کر مسکرائے، فرمایا: آپ نے کیسے زحمت گوارا فرمائی؟ میں بہت کم جایا کرتا تھا اس لئے یہ جملہ فرمایا، عرض کیا: امیر شریعت کا گرامی نامہ آیا ہے، پھر مسکرا کے، فرمایا: اچھا میرے پاس بھی مولانا کا خط آیا ہے سمجھ گیا، انہوں نے لکھا ہے کہ چھ ماہ کی رخصت آپ کو دیدی جائے —— لیکن سوچئے، تو چھ ماہ میں کیسے کوئی علمی کام ہو سکے گا، آپ جائیں گے وہ آپ کے لئے بالکل نئی جگہ ہوگی، وہاں جی لگانے میں تین ماہ خرچ ہو جائیں گے، اور اس کے بعد کام شروع کریں گے تو سر میں یہ سودا ہوگا کہ اب تیسرے ماہ واپسی ہے۔

اس شش و پنج میں کوئی کام نہ ہو سکے گا، اور یہاں کا کام حرج الگ ہوگا اگر آپ پسند کریں تو مجھ پر چھوڑ دیں، میں جواب لکھ دیتا ہوں، آپ جو کام کررہے ہیں، اس میں مصروف رہیں، اس کے بعد میرے لئے بولنے کا موقع نہیں رہا، یہ کہہ کر اُٹھ آیا، حضرت، بہت اچھا میں جواب میں یہی بات لکھ دونگا، فرمایا: جی ہاں ایسا ہی کریں مجھے اس بات سے شرم آتی تھی کہ شروع میں قاضی کے منصب پر رکھنا چاہا تب نہیں گیا، اسی طرح نظامت کی جگہ پر تقرر کرنا چاہا تو تب نہیں گیا، اب درمیان میں ایک ضرورت سے بلایا جارہا ہے، تو یہ صورت ہے یا اللہ کیا کروں، پٹنہ سے وطن قریب تھا، اس لئے قدرتاً دل کھنچتا تھا، لیکن چونکہ بڑے اعزاز کے ساتھ دارالعلوم دیوبند نے بلایا تھا، اس کی لاج رکھنی بھی میرا فریضہ تھا —— یقین کیا جائے ایسے مواقع بڑے سخت ہوا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور دونوں بزرگوں کو خوش رکھنے میں کہا جائیگا غیبی مدد ہوئی۔

حضرت امیر شریعت کا مکتوب گرامی

حضرت امیر شریعت مدظلہ نے اب خاکسار کو دھیان میں رکھا، پہلا خط تمبر میں آیا تھا دو ڈھائی ماہ بعد پھر خط آیا، تحریر فرمایا:

مکرم بندہ مولانا ظفیر الدین صاحب زاد کرمہ

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

اس دفعہ قصد کے باوجود آپ سے گفتگو نہ کرسکا، روانگی کے دن بعد مغرب دریافت کرایا، تو معلوم ہوا کہ آپ اسٹیشن تشریف لے گئے ہیں،

حالانکہ میں سوچ کر گیا تھا کہ آپ سے آخری طور پر باتیں کرلونگا، اور آنے کی تاریخ مقرر کرلونگا، بہر حال عرض یہ ہے کہ اب آپ تشریف لے آئیں ابتداءً استعفاء کے بجائے طویل فرصت کی درخواست مناسب ہوگی، ہمارے قاضی شریعت صاحب (۱) نے دو ماہ کی فرصت لی ہے، ان کی جگہ دوسرے قاضی کام کررہے ہیں، ممکن ہے ہمارے قاضی شریعت صاحب مزید فرصت لیں، یہ بھی مستبعد نہیں ہے کہ وہ اپنے مشاغل کے باعث کام نہ کرسکیں، دارالقضاء امارت شرعیہ کا اہم شعبہ ہے، اس کے کام کا بند ہونا کسی طرح بھی گوارا نہیں کیا جاسکتا، جو صورت حال ہورہی ہے، ممکن ہے کہ افتاء کے بجائے نقیب کے ساتھ ساتھ قضاء کا کچھ کام بھی آپ کے حوالہ ہو، اگر قاضی صاحب آگئے جب بھی اور نہ آئے جب بھی، بہر حال آپ اپنے فیصلہ سے جلد مطلع فرمائیں۔

والسلام

منت اللہ ۱۲/۱۲/۶۱ء

اس وقت کی پوری بات حافظہ میں محفوظ نہیں رہی کہ میں نے کیا جواب دیا، باقی یہ طے ہے کہ میرا جانا نہیں ہوا، حالانکہ مجھ پر حضرت امیر مدظلہ کا بڑا حق ہے اور میں ان کے حکم سے کبھی سرتابی کی جرأت نہیں کرسکتا تھا، پر میری خوش قسمتی رہی کہ امارت شرعیہ نے ہر دور میں یاد رکھا، اور خود میرا بچپن سے امارت شرعیہ سے لگاؤ رہا، ہمارے چچا زاد بھائی حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ موجودہ امیر شریعت ہر دور میں امارت پر فدا رہے، اور ہم لوگوں کا مزاج بھی یہی بنا کہ امارت شرعیہ ایک دینی ملی تنظیم ہے، اس کا تعاون ہمارا ملی فریضہ ہے۔

امارت شرعیہ پر کتابچہ

حضرت امیر شریعت نے ایک دفعہ فرمایا کہ امارت شرعیہ پر ایک ۱۶؍صفحہ کا مقالہ لکھدیں

(۱) اس وقت قاضی شریعت مولانا عون احمد صاحب مدظلہ تھے، جو پھلواری شریف کے رہنے والے ہیں، اور خانقاہ مجیبیہ کے ایک بڑے عالم ہیں۔

تاکہ اسے چھپوا کر عوام وخواص تک پہونچایا جاسکے، میں نے فوراً تیار کر کے پیش کر دیا، اور امارت شرعیہ نے اسے بڑی تعداد میں چھپوایا اس کا نام ہے "امارت شرعیہ کتاب وسنت کی روشنی میں"

پہلا اڈیشن جہاں تک یاد آتا ہے، یہیں دیوبند میں چھپا، اس وقت جو نسخہ میرے سامنے ہے اس پر درج ہے :

طباعت بار اول : جمادی الاولی ۱۳۸۸ھ

تعداد : چار ہزار

طباعت بار دوم : ۱۳۹۲ھ چار ہزار

تاریخ امارت شرعیہ

آٹھ ہزار تو یقینی چھپا، اس سے اندازہ ہوا کہ بحمد للہ یہ رسالہ بہت مقبول ہوا، ممکن ہے اس کے بعد بھی چھپا ہو، اس کی خبر دفتر امارت شرعیہ کو ہوگی، اس کے بعد حضرت امیر شریعت نے فرمایا کہ امارت کی تاریخ حضرت عبد الصمد رحمانی نے لکھی تھی، وہ ختم ہو چکی ہے، اب رائے یہ ہے کہ یہ تاریخ دوسرے انداز سے آئے، اور اس دور میں جو امارت کی ترقی ہوئی ہے، اس کا تذکرہ بھی آجائے، یہ کام بھی آپ ہی عمدہ طور پر کر سکتے ہیں، میں نے عرض کیا: خاکسار اس خدمت کے لئے تیار ہے، پھر میں نے اللہ کا نام لیکر کام شروع کر دیا، ایک زمانہ میں امارت شرعیہ سے متعلق کل لٹریچر مولانا محمد عثمانی سے خط لکھ کر منگوالیا تھا، یہ سارا ذخیرہ میرے پاس موجود تھا، پھر دوسری کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا، اور کئی سال کی محنت وکاوش سے بحمد اللہ یہ کتاب تیار کر کے امیر شریعت مدظلہ کے پاس بھیج دی، حضرت نے نظر ثانی فرمائی اور مناسب رائے دی، پھر وہ صاف ہو کر مسودہ میرے پاس دیوبند آیا، حضرت کے ایماء سے چھوٹے سائز پر اس کی ایک مشہور کاتب صاحب سے کتابت کرائی، نام کے سلسلہ میں حضرت امیر مدظلہ نے لکھا کہ نام اس طرح ہو :

امارت شرعیہ (دینی جد جہد کا روشن باب)

اس کتاب کا یہی نام لکھوایا گیا، باریک خط میں ۲۴۸ صفحات پر مکمل ہوئی، حضرت کی رائے ہوئی کہ دیوبند میں چھپوائی جائے، وہاں پریس ہے، آپ اپنی نگرانی میں کام کرادیں،

چنانچہ یہی ہوا، ہاں یہ بھی میں نے عرض کیا کہ آپ اس پر مقدمہ لکھ دیں، فرمایا: آپ اس پر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ سے مقدمہ لکھوائیں، میں نے لکھنؤ خط لکھا، حضرت نے بھی سفارش کی ہوگی، حضرت مولانا ندوی مدظلہ نے ایک بہت قیمتی مقدمہ لکھ کر بھیج دیا، یہ حضرت والا کی کرم فرمائی تھی۔

اس مقدمہ کے نیچے نام لکھ کر جو تاریخ دی گئی ہے، وہ ۲؍ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ مطابق ۵؍اپریل ۱۹۷۴ء ہے، حضرت مولانا مدظلہ نے اس مقدمہ میں مصنف کے لئے حوصلہ افزائی کلمات بھی لکھے، وہ یہ ہیں :

"بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہ مشکل اور نازک کام ہمارے فاضل دوست مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی کے سپرد ہوا، جو ہر طرح سے اس کے اہل ہیں، ان کی فقہ پر بھی گہری نظر ہے، عرصہ سے وہ دارالعلوم دیوبند جیسے مرکزی ادارہ کے دارالافتاء میں کام کر رہے ہیں، انہوں نے دارالعلوم کے فتاوی کو مرتب کیا ہے، اسی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے وسیع کتب خانہ کے نوادر ومخطوطات کا تعارف بھی لکھا ہے، وہ متعدد فاضلانہ تصانیف کے مصنف ہیں، جو ندوۃ المصنفین دہلی جیسے ادارہ سے شائع ہوکر مقبول ہوچکی ہیں، ذہن میں اعتدال اور قلم میں احتیاط ہے، مقام مسرت ہے کہ انہوں نے اس کام کی تکمیل کر دی ہے (صفحہ نمبر ۳۰) تعارف اور پیش لفظ ۲۴؍صفحات پر پھیلا ہوا ہے، جس میں امارت کی تاریخ پر نفیس بحث ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق اپریل ۱۹۷۴ء میں دو ہزار چھپی، الحمدللہ علمی حلقہ میں پسند کی گئی —— اور واقعی یہ جامع کتاب ہے، امارت کی حیثیت اس کی تاریخ اور کارنامے تمام اور امور کا احاطہ کرلیا گیا ہے، یہ پہلی مرتبہ دو ہزار کی تعداد میں چھپی، دوسرے ایڈیشن کی خاکسار کو خبر نہیں، یہ جو کچھ کام خاکسار کے ذریعہ انجام پایا، یہ سب رب العالمین کے فضل وکرم، اساتذہ کی دعاؤں اور بزرگوں کی حوصلہ افزائی کا صدقہ ہے، اللہ تعالیٰ

قبول فرمائے اور خاکسار کیلئے زاد آخرت بنائے۔

دار العلوم کی زندگی پر ایک سرسری نظر

دار العلوم کی زندگی میں کبھی کبھی امتحانوں سے بھی گذرنا پڑا، کئی اسٹرائکیں میرے زمانہ میں ہوئیں، اور سب جانتے ہیں کہ اس موقع سے چالاک مخالفوں کو بدلہ لینے کا اچھا موقعہ ہاتھ آتا ہے، میرے قیام کے زمانہ میں پہلی اسٹرائک طلبہ کی ہوئی، وہ صرف ڈیڑھ دن رہی، اور الحمد للہ جلد ختم ہوگئی۔

دار العلوم دیوبند کی زندگی میں نہ کسی سے میری دوستی ہوئی اور نہ کسی سے دشمنی مول لی، لیکن شروع میں طلبہ کا میری طرف رجحان کافی ہوا، مضامین لکھنے کے سلسلہ میں ان کی رہنمائی کیا کرتا، اس زمانہ میں تقریر بھی اچھی کرتا تھا، مقالے اور مضامین بھی اچھا لکھ لیا کرتا تھا، اس لئے کچھ لوگوں کو حسد ہوگیا تھا، میں اس زمانہ میں نیا نیا تھا، دار الافتاء میں مرتب فتاویٰ کی حیثیت سے کام کررہا تھا، اور دار الافتاء کے سامنے زینہ کے بغل میں جو چھوٹا کمرہ تھا اس میں قیام تھا، اسٹرائک تو ختم ہوگئی، مگر تحقیقات کے وقت کہا گیا کہ اسٹرائک میں ملازمین ومدرسین کا بھی ہاتھ ہے، اور یہ بات بڑی حد تک درست بھی ہے کہ بغیر مدرسین کے تعاون کے اسٹرائک نہیں ہوسکتی ہے، مجھ سے ایک مدرس صاحب نے آکر کہا کہ لوگوں نے تمہارا بھی نام دیدیا ہے، میں نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا ہے؟ میں کسی طرف تھا ہی نہیں، نام کیسے آجائیگا؟ میں اپنی جگہ بالکل مطمئن تھا، شوریٰ آئی، تحقیقات شروع ہوئی، معلوم ہوا کہ میرے سلسلہ میں بھی بعض ممبران نے اپنے اطراف کے لڑکوں سے معلومات کرنے کی سعی کی، مگر تمام طلبہ نے متفقہ طور پر یہ کہا کہ اس میں ان کا کوئی ہاتھ ہرگز نہیں تھا، یہ یکسو آدمی ہیں، دوسرے عام مدرس جیسے نہیں ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ سے براہ راست کسی کو پوچھنے کی نوبت نہیں آئی، دوسری بڑی اسٹرائک ہوئی، جس میں طلبہ نے مدرسہ پر قبضہ کرکے گیٹ بند کرلیا، ہم لوگ سارے ملازمین ومدرسین باہر مہمان خانہ میں رہے، اس زمانہ میں اسٹرائک کرنے والے بعض طلبہ نے مجھے دھمکی دی، کہ اہتمام کی بہی خواہی سے باز آجائیں مگر صحیح یہ تھا کہ میں نہ ادھر تھا نہ ادھر، پھر خود ہی نام لینا بند کردیا، اس دفعہ انخلاء کی نوبت آئی، طلبہ نے عیدگاہ میں کیمپ قائم کیا، بعض ذمہ داروں اور مدرسہ سے متعلق

لوگوں نے ان کی حوصلہ افزائی بھی کی، مگر پولیس نے کیمپ اٹھوا دیا اور کہا کہ آپ لوگ گھر چلے جائیں، ورنہ پھر گرفتاری شروع کرنی ہوگی، چنانچہ سب طلبہ گھر بھاگ گے، ہم دو چار آدمی اس زمانہ میں بھی اندر اپنے کمروں میں رہے، پندرہ دنوں کے بعد مدرسہ کھول دیا گیا، تیسری اسٹرائک اس وقت ہوئی تھی جب مجلس مشاورت کا جلسہ دیو بند میں ہوا تھا۔

رات میں جلسہ میں گڑ بڑی ہوئی لاٹھی چلی، رات میں پھر دن میں بعض لوگوں پر حملہ کرنے کی سعی کی گئی تھی، اس میں بعض طلبہ نے بھی حصہ لیا، اس دن اندازہ ہوا کہ اہل شہر بڑے بزدل ہیں، میرا ذہن ان لوگوں کے ساتھ تھا جو اس اسٹرائک کو برا کہہ رہے تھے، مگر نظمائے دارالاقامہ کی طرف سے جو رپورٹ پیش ہوئی، اس میں ایک کرم فرما ناظم دارالاقامہ نے میرا نام اسٹرائک کے حامیوں میں دیدیا، جمیل مہدی مرحوم نے نام لے کر بتایا کہ فلاں مولوی صاحب جو حضرت مہتمم صاحب کے قریب سمجھے جاتے ہیں، ان کی رپورٹ میں تمہارا نام نمبر تین پر تھا، اس رپورٹ پر مہتمم صاحب کے یہاں جب نظر پڑی، تو مجھ سے رہا نہیں گیا، موٹی گالی دیکر کہا کہ اس بے ایمان نے ایک بے قصور کا نام کس طرح دیدیا، اس نے بے ایمانی کی حد کردی ہم سب جانتے ہیں یہ اس طرح کے نہیں ہیں، حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا: آپ جو کہہ رہیں وہ درست ہے، اور فرمایا: یہ نام کاٹ دیا جائے۔

پہلی اسٹرائک میں حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی (۱) اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی (۲) نے مہمان خانہ میں بلا کر مجھ سے فرمایا تھا کہ آپ کسی دوسرے دفتر میں جا کر نہ بیٹھا کریں، جن کو آپ دوست سمجھتے ہیں، وہی آپ کے مخالف ہیں، اچھا یہ ہے کہ یکسو رہا کریں، کسی پر اعتماد نہ کریں، اس کے بعد سے میں نے یکسوئی اختیار کرلی تھی، مگر کینہ پرور مولوی کہاں ڈنک مارنے سے چوکتا ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مہتمم رحمۃ اللہ علیہ کو انہوں نے اپنے زمانہ اہتمام میں کبھی کسی مخالف کی مخالفت چلنے نہیں دی، فرما دیا کرتے تھے کہ اس کو لکھنے پڑھنے سے اتنی فرصت کہاں ہے، کہ ان لغویات میں حصہ لے گا، پہلے ان مخالفوں نے

---

(۱) مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی المتوفی ۱۲/مئی ۱۹۸۴ء

(۲) حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی المتوفی ۲/اگست ۱۹۶۲ء

مشہور کیا کہ میرا تعلق جمعیت گروپ سے ہے، جس کی طرف اسٹرائکوں کی عام طور پر نسبت کی جاتی تھی اور کچھ دوسرے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ میرا تعلق حضرت مہتمم صاحب سے ہے، حالانکہ ان کا سرے سے گروپ تھا ہی نہیں، اور نہ وہ اس کو پسند کرتے تھے، یہاں پہونچ کر ایک واقعہ یاد آیا، میرا تبادلہ کتب خانہ میں ہو چکا تھا، ایک صاحب ملنے آئے اور میرے پاس بیٹھ گئے، اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد فرمانے لگے کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ آپ کا تعلق کس گروپ سے ہے، میں نے کہا کہ کیسا گروپ اور کیسی گروپ بندی؟ نعوذ باللہ! کیا کہہ رہے ہیں؟ میرا تعلق دارالعلوم اور اس کی خدمت سے ہے، خان صاحب کو اس پر غصہ آیا، کہنے لگے دیکھئے، جب مصیبت آئیگی تو ہم میں سے کوئی آپ کی حمایت نہیں کریگا، مجھے ان کی باتیں بہت بری معلوم ہوئیں، میں نے عرض کیا: خاں صاحب آپ نہیں جانتے کہ میرا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، اور ایمان ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مشیت کچھ نہیں ہوتا، یہ صاحب مہتمم صاحب کے مخالف تھے، میں نے ان سے کہا کہ جب کبھی مجھے کوئی مصیبت ستائیگی، آپ لوگوں میں سے کسی کو آواز نہیں دونگا، میرا تعلق یوں ہر ایک سے ہے، میں نہ شیعہ ہوں اور نہ خوارج میں سے، میں اہل سنت والجماعت میں ہوں، یہ سنکر وہ اٹھ کر چلے گئے، الحمد للہ اعتماد علی اللہ کی وجہ سے اب تک اللہ تعالیٰ نے تمام شرور وفتن سے اپنے حفظ وامان میں رکھا، اور اس وقت تک جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ (یعنی ۴؍رجب ۱۴۱۱ھ)

ایک واقعہ اور یاد آیا، اندرا گاندھی نے ۷۷ء سے ملک میں ایمرجنسی کا قانون نافذ کیا، یہ وقت بڑا سخت تھا، میسا کا قانون بنا، اس وقت سے جماعت اسلامی اور غالباً آر ایس ایس کو خلاف قانون قرار دیدیا گیا تھا، بہت سارے ہندو مسلمان اس قانون کی زد میں جیل میں بند کئے گئے، مسلمانوں کی جماعت میں جماعت اسلامی تھی، اس جماعت کے مخالفین نے جس میں دارالعلوم کے بعض متعلق افراد بھی داخل تھے، درخواست دی کہ مہتمم صاحب کا جماعت اسلامی سے تعلق ہے، اور اسی میں خاکسار کا نام بھی دیدیا کہ یہ بھی جماعت اسلامی کا آدمی ہے، اسی طرح عامر عثمانی مرحوم کے خلاف بھی درخواست گئی، اور اس میں بھی بعض کرم فرماؤں نے میرا نام بھی لکھوا دیا، حضرت مہتمم صاحب والی لسٹ دیکھ کر صدر جمہوریہ فخر الدین علی احمد نے

رکوایا کہ یہ خبر غلط ہے، دوسرے اتنے اہم آدمی کی گرفتاری سے ملک میں آگ لگ جائیگی، اس طرح وہ بچے اور اسی کے ضمن میں خاکسار بھی بچ گیا، عامر عثمانی کی حمایت میں حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی تھے، انہوں نے اس کوختم کرایا، تواس میں بھی خاکسار خود بخود بچ گیا، قریبی لوگوں نے بتایا کہ یہ صورت حال پیش آئی تھی، خدا خدا کر کے تم گرفتاری کی زد میں نہیں آئے اور تم کو کچھ کرنا بھی نہ پڑا، دوڑ دھوپ دوسروں نے کیا۔

دارالعلوم ندوہ لکھنؤ کا پچاسی سالہ جشن

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پچاسی سالہ جشن کا اعلان کیا، یہ جشن ۲۵/۲۶/۲۷/۲۸/شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۳۱/اکتوبر و یکم ۲/۳/نومبر ۱۹۷۵ء میں منعقد ہوا، اس سلسلہ میں اجلاس سے چار پانچ ماہ قبل حضرت مولانا علی میاں مدظلہ نے اپنے یہاں کی مخطوطات کی ترتیب کے لئے خاکسار کو یاد فرمایا، میں نے لکھا کہ حضرت مہتمم صاحب کو لکھیں، پھر میں حاضر ہوسکونگا، انہوں نے مہتمم صاحب کو اس کے لئے لکھا، بالآخران کے حکم سے میں جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ میں اس کام کے لئے ندوہ حاضر ہوا، وہاں قلمی کتابوں کا حال بہت برا تھا، میں نے تین ماہ دن رات لگ کر تمام مخطوطات کی فہرست فن وار ترتیب کی خدمت انجادم دی، پھر ان کتابوں کا تعارف لکھا، الحمد للہ جشن سے بہت پہلے یہ کام اختتام پذیر ہوگیا، رمضان سے پہلے واپس آگیا، پھر اجلاس کی تاریخوں میں جانا ہوا، کوئی شبہ نہیں مولانا علی میاں بہت خوش ہوئے اور فرمایا: چار سال تک ایک شخص کو اس کام پر لگائے رکھا، مگر اس نے کچھ کر کے نہیں دیا، الحمد للہ آپ نے اس قیمتی خزانہ کو نکال کر سب کی فن وار وزبان وار ترتیب کردی، اوران کا تعارف بھی لکھ دیا، تعارف والی کاپی حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کے حوالہ کردی۔

اس قیام میں مولانا سعید الرحمٰن سلمہ مدرس ندوہ نے بڑا تعاون کیا، اوران کے ہی تعاون سے وہاں رہ سکا، ورنہ شاید میں واپس آجاتا، مولانا ضیاء الحسن نے بھی (۱) بڑی قدر کی، ان دونوں نے مفتاح العلوم مئو میں خاکسار سے ایک سال تک شرح مأۃ عامل وغیرہ کتابیں پڑھی تھیں، وہاں کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالستار صاحب بھی برابر خیال رکھتے تھے، حضرت مولانا ندوی سے جب میں بعد جشن عرض کیا کہ اب اجازت دی جائے، تو مولانا نے

فرمایا کہ میں نے آپ کو اس لئے نہیں بلایا تھا کہ واپس جائیں، میں نے عرض کیا کہ میں تو واپسی کے عزم ہی کے ساتھ آیا تھا اور مہتمم صاحب کے حکم سے آیا تھا، یہاں اب رہنا میرا کسی طرح مناسب نہیں ہوگا، انہوں نے پھر اجازت دیدی، اور میں واپس دارالعلوم دیوبند آگیا، ندوۃ کا پچاسی سالہ جشن خوب کامیاب رہا، اس کے آخری اجلاس میں نے بھی ایک علمی مقالہ پڑھا تھا۔

تصوف سے تعلق

میرے مربی حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب موجودہ امیر شریعت علم وعمل دونوں میں ممتاز ہیں، آپ کے اساتذہ فرماتے تھے کہ عبدالرحمٰن طالب العلمی سے نیک اور تہجد گذار ہے، میرا بچپن اور جوانی کا بڑا حصہ ان کی خدمت میں گذرا، مجھے یاد نہیں ہے کہ اس عرصہ میں کبھی بھی ان کی جماعت کی نماز یا تکبیر اولی چھوٹی ہو، اور اسی کے ساتھ یہ بھی برابر معمول رہا کہ فجر کی جماعت کے بعد مسجد میں مراقب رہتے تھے، اور آفتاب بلند ہونے کے بعد اشراق پڑھ کر نکلتے۔

اس لئے خاکسار کی تربیت بھی ایسی ہوئی، باجماعت پنج وقتہ نماز مسجد میں ادا کرنا اور موٹا لباس، کرتا، پائجامہ، دوپلی ٹوپی استعمال کرنا، بلکہ سنن ونوافل پابندی سے ادا کرنا معمول رہا، اس میں ذرا بھی سستی اور غفلت ہوئی فوراً تنبیہ ہوئی، حضرت مولانا برابر نظر رکھتے تھے اور ٹوکتے رہتے تھے، اس سلسلہ میں آپ کے یہاں کوئی رعایت نہیں دیکھنے میں آئی۔

حضرت سید صاحب سے تعلق

فراغت کے بعد جب حضرت العلامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ (۱) سے ملاقات ہوئی تو آپ کی نظر کرم بھی برابر مجھ پر رہی اور علم کے ساتھ عمل پر برابر متوجہ کرتے رہے، اور سچ پوچھئے تو ان کے خطوط نے میری زندگی پر بڑا اثر ڈالا، شروع زندگی میں تہجد کی پابندی ان کی برکت سے رہی، گو بعد میں معمول کا پابند باقی نہیں رہا، ایک خط میں اشارہ فرمایا اور لکھا :

"یعلمهم الکتاب والحکمة کے ساتھ ویزکیهم بھی نبی ﷺ اور

(۱) حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء مطابق ۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ

جانشینان نبی علیہ السلام کا فریضہ ہے، اعوذ بالله من علم لاینفع کو اہل مدارس بھول گئے" (مکتوب ۱۳؍ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ)

ایک دوسرے خط میں تحریر فرمایا:

"آپ بعض اوقات مقررہ میں الم یعلم بان الله یری کا مراقبہ کریں۔" (مکتوب ۲۲؍ جمادی الاولی ۱۳۶۴ھ)

حضرت سید صاحب نے ایک بار یہ بھی لکھا :-

"ذکر کی غرضیں دو ہیں، ایک صرف ثواب کی نیت سے، اور دوسری ثواب کے ساتھ رسوخ ذکر الٰہی کے لئے، پہلی غرض کے لئے آپ کا دستور کافی ہے، لیکن دوسرے غرض کے لئے دوسرے طریقے ہیں، کیا آپ نے ہمارے حضرت والا (تھانویؒ) کا رسالہ قصد السبیل ملاحظہ کیا ہے؟ ضرور دیکھیں، پھر تبلیغ دین اور بعد از تعلیم الدین، عمل اور انتفاع کی خاطر پڑھیں، اور جامع ترمذی کی کتاب الزہد والرقاق پڑھتے رہیں، تہجد کا معمول صالحین کی نشانی ہے، ان ناشئة اللیل ھی اشد وطأ واقوم قیلا صبح سے پہلے اختتام وقت سحور تک، آپ جس وقت پڑھ لیں، پڑھ سکتے ہیں، گھڑی کا عذر بیکار ہے، آسمان کی گھڑی کافی ہے، ہمت چاہئے اور بس۔ والسلام

(مکتوب ۲۲؍ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ)

حضرت سید صاحب کی ہدایت

جب میں نے اطلاع دی کہ حضرت کے مطابق تہجد کی نماز پابندی سے شروع کر دی ہے، تو تحریر فرمایا :

"اس بشارت سے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے تہجد کی نماز شروع کی، رفتہ رفتہ صحیح مسلم دیکھ کر تہجد کی دعائیں، رکوع و سجود اور آغاز قیام کی دعائیں یاد کر لیجئے گا، کہ مزید برکت کا باعث ہو، تہجد کے بعد ذکر مفرد

اللہ اللہ ہلکی آواز سے بہ ترنم جس میں تکلیف نہ ہو، کم از کم ڈھائی ہزار بار کیا کریں، اور اس وقت یہ تصور کریں کہ ایک نور کی لکیر آپ کے قلب سے عرش تک قائم ہے" (مکتوب گرامی ۸/محرم ۶۵ھ)

اس طرح اور بھی خطوط حضرت سید صاحبؒ کے آتے رہے، اور مجھ سے جس قدر بھی ہوسکا عمل کرتا رہا، اب کچھ احباب نے متوجہ کیا کہ مرید ہوجانا مناسب رہے گا، مگر سوال یہ تھا کہ کس سے مرید ہوا جائے؟ اولاً سید صاحب کی ہی طرف میلان تھا، حضرت کو میں نے لکھا کہ ایسا ارادہ ہورہا ہے اس کے جواب میں تحریر فرمایا :

مرشد کی تلاش

"مرشد کامل کی طلب تحسین احوال کے لئے مناسب ہے"

(مکتوب ۷/ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ)

میں نے دوسرے خط میں لکھا کہ اس وقت پیش نظر حضرت والا ہی ہیں، دوسری شخصیت حضرت مدنی کی ہے، اس خط کے جواب میں لکھا :

"حضرت مولانا مدنی دامت فیوضہم (۱) کی ذات کے مقابلہ میں میرا نام لینا صرف آپ کی چشم محبت کا کرشمہ ہے، ورنہ میں تو ان کے جوتے کا تسمہ کھولنے کے قابل بھی نہیں، چہ نسبت خاک را بعالم پاک، بزرگوں کا مشورہ ہے کہ خاک از تودۂ کلاں بردار، میرے پاس حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی نسبت کے سوا کچھ نہیں ہے، اس لئے میرے باب میں آپ کو غلط فہمی نہ ہو۔ (مکتوب ۱۲/نومبر ۱۹۴۶ء)

میں نے لکھا کہ حضرت مدنی سے میرا کبھی تعلق نہیں رہا، نہ جان پہچان ہے، کبھی خط وکتاب بھی نہیں کی، تحریر فرمایا کہ ان کو "مولانا حبیب الرحمٰن" (۲) کے ذریعہ خط بھیجئے، یا "میرے ذریعہ" میں سوچتا رہا کہ کیا کروں؟ میرے سب سے اولین استاذ حضرت عبدالرحمٰن صاحب تھے، جن کا ذکر اوپر گذرا، ان کو لکھا تو جواب میں تحریر فرمایا:

"میرے متعلق آپ نے تحریر کیا ہے، وہ اضغاث واحلام ہے، زیادہ

وقعت نہیں رکھتا'' چہ نسبت خاک رابعالم پاک '' ہر کہ خود گم کردہ راہ است کرا رہبری کند'' آپ کے حسن ظن کی حد ہوگئی کہ حسن ظن کی سرحد ٹوٹ کر غلط فہمی سے جا ملی ''وما کل بیضاء شحمہ '' (مکتوب ۸؍جنوری ۴۷ء)

استاذ محترم نے یہ بھی لکھا کہ:

''حضرت مولانا مدنی مدت فیوضہم کی طرف رجوع کا مشورہ نہایت ہی مناسب ہے، اور قوی امید ہے کہ حضرت منظور فرمائیں گے، صرف ارادت پختہ اور قوی ہونی چاہئے قلبی ارتباط ہی اس امر میں روح ومغز ہے۔''

حضرت مدنی کی طرف رجوع

اب یہ بات طے پاگئی کہ رجوع حضرت مدنیؒ کی طرف کرنا ہے، حضرت سید صاحب کولکھا کہ حضرت آپ جو فرمائیں گے وہی ہوگا، تحریر فرمایا کہ آپ کا خط اپنے عریضہ کے ساتھ مولانا حسین احمد صاحبؒ کے پاس بھیج دیا، وہ براہِ راست آپ کو جواب دیں گے (۲۲؍محرم ۱۳۶۶ھ)۔ پھر دوسرا خط آیا تو اس میں بھی تحریر فرمایا:

مولانا مدنی کی خدمت میں آپ کا خط مع اپنے خط کے بھیج دیا، اور آپ کے نام کا لفافہ بھی پتہ لکھ کر اس میں رکھ دیا ہے، امید ہے کہ وہ آپ کو جواب دیں گے۔ (یکم صفر ۱۳۶۶ھ)

تعلیم اب تک سید صاحب کی ہی طرف سے جاری تھی، اور اس پر عمل ہو رہا تھا کہ ایک خط میں پھر سید صاحب نے تحریر فرمایا:

مولانا مدنی اکثر لکھنؤ آتے رہتے ہیں، ڈاکٹر سید عبد العلی کے یہاں ٹھہرتے ہیں، ان سے پتہ وقت کا لگتا رہے گا۔ (مکتوب ۷؍جنوری ۴۷ء)

بیعت

میں نے محسوس کیا کہ حضرت سید صاحب کا رجحان یہی ہے کہ ہندوستان میں حضرت

---

(۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی المتوفی ۵؍دسمبر ۱۹۵۷ء، ۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ

(۲) محدث جلیل حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمن الاعظمی المتوفی ۱۶؍مارچ ۱۹۹۲ء مطابق ۱۰؍رمضان ۱۴۱۲ھ

مولانا مدنی سے ہی بیعت ہونا مناسب رہے گا، وہ خود پاکستان میں ہیں، یوں خط وکتابت کا سلسلہ مئی تک جاری رہا، حضرت سید صاحب کی تعلیم پر عمل پیرا رہا، اس وقت خاکسار مدرسہ معدن العلوم نگرام میں صدارت تدریس پر فائز تھا، بالآخر وہ دن بھی اللہ اللہ کر کے آیا کہ معلوم ہوا کہ حضرت مدنی فلاں تاریخ میں لکھنؤ تشریف لا رہے ہیں، میں ۱۰ر مئی ۱۹۴۷ء کو لکھنو پہونچا، اور شام میں مغرب سے پہلے ڈاکٹر عبد العلی صاحب کے در دولت پر حاضر ہو گیا، چنانچہ اسی دن بعد نماز مغرب ڈاکٹر صاحب کے گھر پر حضرت مدنی سے بیعت ہو گیا اور اس کے بعد حضرت مدنی کی تعلیم پر عمل پیرا ہوا، تسبیحات ستہ، پھر بارہ تسبیحات اور اس کے بعد ذکر مفرد پر کافی محنت لی گئی اور کی گئی، اخیر میں پاس بہ انفاس کی حضرت مدنی نے تعلیم دی، اور یہ تعلیم دیوبند میں پایا۔ سلوک سلسلہ میں آخری تعلیم پاس انفاس کی تھی، حضرت نے خود کر کے دیکھایا، اس پر بھی مہینوں عمل کیا، ۳ر صفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۹ ستمبر ۱۹۵۶ء کو دیوبند آ گیا تھا، اس طرح مئی ۴۷ء سے ۵۶ء تک ۱۳۷۷ھ یعنی دس سال تک حضرت کی تعلیم پر اس کو عمل کرتا رہا، دیوبند پہونچنے کے ایک سال بعد حضرت مدنی کا ۱۲ر جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ مطابق ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو وصال ہو گیا، اس ایک سال میں خارج اوقات میں پابندی سے آپ کے درس بخاری میں بھی شریک ہوتا رہا، اس طرح صرف مراقبہ کی تعلیم رہ گئی، فکر ہوئی کیا کیا جائے، کچھ سمجھ میں بات نہیں آئی، مختلف لوگوں نے مختلف علماء کی طرف رجوع کا مشورہ دیا، مگر دل راغب نہیں ہوا۔

پہلے مرشد کی وفات کے بعد بیعت

اخیر میں آٹھ ساڑھے آٹھ سالوں کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (۱) کی طرف دل کا رجحان ہوا، میں نے ایک دن حاضر ہو کر ادب کے ساتھ عرض کیا: یہ صورت ہے، پہلے کی تفصیل بھی عرض کر دی، حالات سن کر فرمایا: اب آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے، مگر میں اصرار کرتا رہا، بالآخر بڑی مشکل سے راضی ہوئے اور رمضان ۱۳۸۵ھ کے اخیر عشرہ میں ایک دن بعد نماز فجر بخوشی بیعت فرمالیا، اور مراقبہ کی تعلیم فرمائی، عرصہ تک اس پر عمل کرتا رہا، دیوبند آ کر میرے احوال پہلے جیسے نہیں رہے تھے، یہاں کی ہنگامہ خیزی اور

(۱) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند المتوفی ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء، ۶ر شوال ۱۴۰۳ھ

مولویوں کے پرہجوم ماحول میں رہ کر دل کا نور مدہم ہوتا گیا، غنیمت یہ ہے کہ اخلاص عمل بحالہ قائم رہا، کچھ معمولات بھی باقی رہے، رمضان میں خصوصیت سے کافی محنت کرلیا کرتا تھا، پھر یوں لکھنے پڑھنے کا کام بھی اچھا خاصا بڑھ گیا تھا۔

بیعت وارشاد کی اجازت

مگر انعامات الٰہی کا نزول ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ جاری رہا، میں سخت گنہ گار آدمی ہوں، مگر یہ عجیب معاملہ پیش آیا کہ صفر ۱۳۹۵ھ کی شوریٰ میں حضرت مولانا فضل اللہ صاحب (۱) قطب العالم حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری کے پوتے تشریف لائے ہوئے تھے، ۴؍صفر ۱۳۹۵ھ کو بعد نماز ظہر انہوں نے مجھے مسجد دارالعلوم دیوبند میں روک لیا، میں بیٹھ گیا، اس دفعہ آپ کے ساتھ مولانا رضوان امام مسجد عامرہ حیدرآباد آئے ہوئے تھے، ان کو بلوایا، ان سے فرمایا میرے کپڑوں میں سے شیخ سنوسی والا جبہ ہے، لیکر آؤ، وہ لے آئے، اب حضرت مولانا فضل اللہ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ میں تم کو بیعت وارشاد کی اجازت دیتا ہوں، اور یہ جبہ میری طرف سے قبول کرو، اس کے اہل تم زیادہ ہو، میں نے عرض کیا حضرت میں تو بڑا گنہ گار ہوں، تیز نظروں سے دیکھا پھر فرمایا قبول کرلو، میں نے بصد ادب اسے اپنے سر پر رکھ لیا، بات ختم ہوگئی، آنکھوں میں آنسو آگئے، معلوم ہوا کہ میرے غائبانہ میں کسی نے عرض کیا کہ حضرت مفتی صاحب میں آپ نے کیا خوبی دیکھی کہ سب کو نظر انداز کر کے ان کو جبہ عطا کیا اور اجازت ارشاد و بیعت بخشی؟ فرمایا تم ان باتوں کو نہیں جانتے، یہ صحیح کہ میں موتی اور لعل و جواہر کو نہیں پہچانتا، مگر آدمی کو پہچانتا ہوں، اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے حسن ظن کے مطابق خاکسار کو کسی لائق بنادیا، حضرت مولانا فضل اللہ صاحب کو اجازت اپنے دادا حضرت مونگیری سے تھی، اب یہ سوال تھا کہ اس وقت موجودہ مرشد حضرت حکیم الاسلام کو اس کی خبر دینی چاہئے یا نہیں؟ اس لئے کہ اس وقت موجودہ پیر و مرشد وہی تھے، اور خلافت عطا کردی ہے، حضرت مولانا فضل اللہ رحمانی نے، بغیر میری خواہش بلکہ بغیر میرے وہم و گمان کے، سوچتے سوچتے ذہن میں آیا کہ اطلاع کردینی چاہئے، سال ڈیڑھ سال بعد حضرت کو کسی طرح

---

(۱) حضرت مولانا سید فضل اللہ المتوفی ۲۴؍مئی ۱۹۷۹ء ۲۰؍رجب ۱۳۹۹ھ

اس کی خبر دی۔

حضرت مولانا طیب صاحب قدس سرہ کی طرف سے اجازت

حضرت کو اس اطلاع سے مسرت ہوئی، رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ میں آپ کا قیام بمبئی میں تھا، وہاں سے ۱۴؍ رمضان ۹۶ھ کو خاکسار کے نام ایک گرامی نامہ موصول ہوا، اس میں اور باتوں کے ساتھ یہ بھی تحریر فرمایا:

> ''حضرت مولانا فضل اللہ صاحب دام مجدہ اپنے طریقہ کے ایک شیخ اور بے نفس بزرگ ہیں، ان کی توجہ اور اجازت دہی بلاشبہ فضل خداوندی ہے، اس پیش کش کو آپ نے قبول فرمایا، انشاء اللہ یہ خیر وبرکت کا باعث ہوگی، آپ کے مجاہدہ سے بڑھ کر یہ شہادت اور پیشکش بلاشبہ وقیع ہے، اور فضل خداوندی ہے، اس بناء پر میں بھی آپ کو اجازت دیتا ہوں، جو بھی اللہ کا نام پوچھے آپ بتلادیا کریں، یہ آپ کے لئے اور اس کے لئے نافع ہوگا، حق تعالیٰ ہم سب کو توفیق تقوی و طہارت عطا فرمادیں'' (مکتوب گرامی ۱۴؍۹؍ ۹۶ھ)

کوئی شبہ نہیں بزرگوں کا یہ اعتماد میرے لئے باعث سعادت اور لائق صد خیر و برکت ہے، اللہ تعالیٰ ان اکابر کو توجہات عالیہ کے لائق بنائے رکھے، اور حسن خاتمہ نصیب ہو، اور دنیا و دین کے معاملات میں اپنی مرضیات پر اللہ تعالیٰ چلنے اور مضبوطی سے قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، دونوں بزرگ اللہ والے تھے، انشاء اللہ ان کا یہ اعتماد خالی نہ جائیگا، اور رب العالمین اپنے دامن عفو میں اس گنہ گار کو جگہ عطا فرمائیگا۔

فالحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی الہ وصحبہ اجمعین.

حضرت مولانا فضل اللہ صاحب کا انتقال

حضرت مولانا سید فضل اللہ حضرت مونگیری مولانا محمد علی (۱) کے پوتے ہیں، دادا کی

(۱) المتوفی ۱۳؍ ستمبر ۱۹۲۷ء ۱۳۴۶ھ (مولانا محمد علی مونگیری)

آغوش محبت میں نشو ونما پائی، تعلیم وتربیت ہوئی، اور خلافت بیعت بھی دادا علیہ الرحمہ سے حاصل تھی، نیک باوضع اور قدیم طرز زندگی کے دلدادہ تھے، اخیر عمر میں دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے تازندگی ممبر رہے، آپ کے مریدوں کا ایک حلقہ تھا، آپ صاحب علم وفضل تھے، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، امام بخاری کی مشہور کتاب الادب المفرد کی آپ نے دو ضخیم جلدوں میں عربی شرح لکھی ہے، جسے عرب کے ایک تاجر نے بہت نفیس ٹائپ میں چھپوایا ہے، آپ کے خسر مفتی عبد اللطیف مرحوم نے ترمذی شریف کی چار جلدوں میں ایک عربی شرح لکھی تھی، آپ نے اس پر مفتی صاحب کی وفات کے بعد کام جاری رکھا اور بہت کچھ اضافہ کیا، قلمی صورت میں خاکسار نے دیکھی تھی، پتہ نہیں اب تک چھپی یا نہیں۔ آپ نے ۲۴ر مئی ۱۹۷۹ء کو علی گڑھ میں وفات پائی، اور وہیں یونیورسٹی کے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

صدسالہ کے بعد حالات سے بددل ہو چکا تھا، طے کرلیا جب تک حالات درست نہیں ہوتے گھر ہی قیام کروں گا، گھر میں کچھ تعمیری کام باقی تھا، اسے شروع کرادیا کہ بیکاری نہ رہے ۲۷ر مارچ ۱۹۸۲ء کو بعد ظہر مولانا عبد العزیز مبلغ امارت شرعیہ یہ خط لے کر پہونچے۔

محترمی ومکرمی! سلام مسنون

دار العلوم دیوبند کے المناک حالات کا شاید علم نہ ہو، تفصیل مولانا عبد العزیز صاحب سے زبانی سنئے، دار العلوم پر مولانا فلاں کا مکمل قبضہ ہوگیا، آپ کا کمرہ، مولانا بہاری صاحب کا کمرہ، مولانا بدر الحسن کا کمرہ، دفتر الداعی مکمل طور پر لوٹ لیا گیا، آپ کی کتابیں مسودات غالباً سب لٹ گئے، فصبر جمیل، آپ فوراً براہ کرم چمپارن آئیں حضرت مولانا کا حکم ہے، پرگرام اس طرح ہے آج ۲۷ر کو دیولیا، ۲۸ر کو بتیا، ۲۹ر کو سیپا اور ۳۰ر کو رام نگر، آپ بتیا پہونچنے کی کوشش کریں، بے حد ضروری ہے۔

والسلام

۸۲/۳/۲۷، یکم جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ مجاہد الاسلام

قبضہ کی خبر تو امید کے مطابق تھی، میں یہ پیشنگوئی کر کے دیوبند سے نکلا تھا، مگر کمرہ اور

سامان کے لوٹ لئے جانے کی خبر سے ہکا بکا رہ گیا، اور دماغ پر بجلی گرتی نظر آئی، اس کا وہم نہیں تھا کہ میرا کمرہ اس طرح برباد ہوگا، زندگی بھر کی علمی کمائی برباد ہوگئی، صبر کرنے سے بھی صبر نہیں آیا، عصر سے ذرا پہلے جھوٹے لڑکے سے یہ کہہ کر دربھنگہ چلا آیا کہ دو دن کے لئے باہر جا رہا ہوں، کام کی نگرانی کرتے رہنا، دربھنگہ پہونچ کر مولانا فضل احمد سلمہ کے یہاں حاضر ہوا، حالات بتائے اور میں نے کہا کہ جنتا ٹرین سے جو ۹ ربجے رات میں دربھنگہ سے بتیا جاتی ہے، اس میں ٹکٹ لیکر مجھے بٹھا دینا، شام کا کھانا کھایا اور فضل کو لیکر اسٹیشن گیا، اور ٹرین میں بیٹھ کر دوسرے دن صبح سات بجے بتیا پہونچا، شہر میں مولانا احمد حسین ساقی نائب ناظم امارت شرعیہ بہار سے ملاقات ہوئی، انہوں نے روک لیا کہ ابھی حضرت امیر کی ٹرین لیٹ ہے (۱) اجین ٹولہ میں ناشتہ کھایا، پھر مدرسہ اسلامیہ پہونچا دیا گیا، کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے بعد حضرت امیر اور قاضی صاحب وغیرہ تشریف لے آئے، حضرت امیر شریعت نے کمرے کی بربادی پر صبر کی تلقین کی، پوچھا کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا پہلے سے دس اپریل کا ٹکٹ بنوا رکھا ہے، فرمایا بہت اچھا ہے دیکھ آئیں، اگر وہاں رہنے کی گنجائش ہو رہیں، ورنہ سیدھے میرے پاس آجائیں، خط وکتابت میں وقت ضائع نہ کریں، یہی مولانا بہاری (۲) اور بدر سے بھی کہہ دیں، دو تین دنوں حضرت امیر کے ساتھ رہا، بسوریا اور سبیا وغیرہ بھی گیا، رام نگر سے ان لوگوں کی واپسی ہوئی تو میں بھی دربھنگہ آگیا، یہاں پہونچ کر میں نے مجلس شوریٰ کے نام ایک اکسپریس تار دیا کہ معلوم ہوا ہے کہ میرے کمرے کا سارا سامان لوٹ لیا گیا ہے، اسے برآمد کرنے کی سعی کی جائے۔

اس وقت احمد سجاد سلمہ (میرا بڑا لڑکا) گریڈیہ میں ملازم تھا، وہ آٹھ یا نو اپریل کو گھر آیا، مشورہ ہوا، میں نے کہا کہ بعض طلبہ دیوبند سے آئے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ حالات اب پرامن ہیں، میرا ٹکٹ ہے، جی چاہتا ہے دیوبند چلا جاؤں، وہ اس تاریخ پر مجھے پہونچانے دربھنگہ آئے، یہاں بہت سارے جاننے والے جمع ہوگئے، سبھوں کی رائے ہوئی کہ ابھی جانا مناسب نہیں ہے، سجاد سلمہ ٹکٹ واپس کرآئے، میں واپس گھر آگیا، وہ اپنے اسکول چلا گیا، تو

---

(۱) امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی المتوفی ۲ / رمضان ۱۴۱۱ھ مطابق مارچ ۱۹۹۱ء

(۲) حضرت مولانا محمد حسین بہاری، معروف بہ مولانا بہاری المتوفی ۵ / رجب ۱۴۱۲، ۱۲ / جنوری ۱۹۹۲ء

۱۹/اپریل کا ٹکٹ بنوا کر ۲۰/اپریل ۱۹۸۲ء کو دارالعلوم دیوبند دو بجے رات میں آ گیا، سب سے پہلے ایک نظر کمرہ پر ڈالی، سکتہ میں آ گیا، یہاں اینٹ کے سوا کوئی چیز نہیں تھی، کپڑے، بستر، جاڑے کے گرم سامان، ایک شادی کا سامان اور ساری کتابیں سب لٹ چکی تھیں، پھٹے ہوئے بہت سارے خطوط کے ٹکڑے ایک فٹ اونچے کمرہ میں بکھرے ہوئے تھے، (انا للہ و انا الیہ راجعون) مولوی اقبال سلمہ ناظم سجاد لائبریری نے اصرار کیا کہ میرے کمرہ چلیں، میں نے کہا اب رات ختم ہونے والی ہے، اپنے کمرہ کے بغل والے کمرہ میں جا کر لیٹ گیا، فجر کی نماز مسجد جا کر باجماعت ادا کی، مسجد سے آ کر حسب معمول آدھے گھنٹہ کچھ پڑھتا رہا اب مولانا معراج الحق کے کمرہ کی طرف چلا، وہاں اتفاق سے چیرمین مولانا عثمان صاحب (۱) وغیرہ نظر آئے، ملاقات ہوئی، مولانا معراج صاحب (۲) سے ملاقات ہوئی، مولانا صاحب کی بعض باتوں پر غصہ آیا، تو مولانا عثمان صاحب نے ڈانٹا کہ مولانا معراج کی باتوں میں مت الجھو، اور ان سے کہا کہ بھائی تم تو چائے بناؤ، اور مجھ سے حالات پوچھنے لگے کہ کیسے آئے؟ ناشتہ چائے ان کے ہی ساتھ مولانا معراج صاحب کے یہاں ہوا، پھر انہوں نے بتایا کہ آٹھ بجے دفتر اہتمام میں مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب آئیں گے، ان سے مل لو، میں پہلے کتب خانہ آیا، سبھوں سے ملا، سب کہنے لگے اہتمام نے آپ کا پتہ مانگا تھا، بلانے کیلئے، خط لکھنا یا تار دینا چاہتے تھے، اچھا ہوا آپ خود آ گئے، پھر تھوڑی دیر کے بعد اہتمام گیا، نئے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن سے ملا دعاء سلام کے بعد فرمایا: پیشکار کے پاس ایک تحریر ہے، لے کر اس پر دستخط کر دیں، اس میں نام پتہ اور عہدہ کی خانہ پوری کر کے اس پر دستخط کرنا ہوتا تھا کہ میں نئے انتظام کے ساتھ ہوں، فارم بھر کر میں نے دستخط کر دیا اور پیشکار کے حوالہ کر دیا، اس طرح میں اپنی سابقہ جگہ پر بحال ہو گیا، اس زمانہ میں خاکسار مدیر کتب خانہ تھا، درسی کتابوں کے علاوہ پورا کتب خانہ میرے زیر نگرانی تھا، اب فکر یہ تھی کہ رات میں سونے کا انتظام کیا ہوگا؟ کچھ بھی کمرہ میں نہیں تھا، ایک لڑکے نے ایک چارپائی لا کر دی، دوسرے نے بستر لا کر دیا، اپنے کمرہ کے برآمدہ میں لیٹ

---

(۱) مولانا محمد عثمان نائب مہتمم المتوفی ۲۶/شعبان مطابق ۱۴/۱۱ مئی ۱۹۸۵ء

(۲) معراج الحق المتوفی ۷/صفر ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۸/۱۱ اگست ۱۹۹۱ء

گیا، کسی نے مچھر دانی بھی دی، کمرہ میں نہ بلب تھا، نہ پانی کا سلسلہ، ایک بستوی طالب العلم نے بڑی تندہی سے مجھ سے پیسے لے کر پہلے دن بجلی کی لائن درست کرائی، بلب منگوائے، نل ٹھیک کرایا، الماریوں کے کنڈے سارے ٹوٹے تھے، حضرت مہتمم صاحب کے نام درخواست دی کہ بڑھی سے درست کرادیئے جائیں، انہوں نے دفتر تعمیرات کو لکھا کہ ٹھیک کرادیا جائے، میں نے دو ایک طالب العلم سے کہا کہ بکھرے ہوئے خطوط جو سالم ہیں، یا ایسے جو پڑھے جاسکتے ہیں، ان کے چننے میں میری مدد کرو، میں خود ان کے ساتھ ملکر ان کو چن کر اکٹھا کیا، مسوادات سارے غائب تھے، کتابوں کے مسودوں کے غم نے نڈھال کردیا، میری ساری سندیں بھی لے گئے، توانائی ایسا معلوم ہوا سلب ہوتی جارہی ہے، کافی دل و دماغ متاثر تھا، دو چار دنوں بعد اساتذہ اور مربیوں کو خطوط لکھے اور صورت حال درج کیا، سب سے پہلے مونگیر امیر شریعت مدظلہ کو اطلاع دی کہ میں دیوبند آگیا اور اپنی ڈیوٹی سنبھال لی، کمرہ کے لٹنے کی اطلاع صحیح تھی۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی مدظلہ کو گھر سے ہی صورت حال لکھ دی، تھی ان کا جواب بھی آگیا تھا۔

فاضل گرامی ! زیدلطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ ۳۰/مارچ مولوی سعید کے ذریعہ ملا، حالات نہایت افسوس ناک ہیں، اور یہ سب کے لئے بڑا ابتلا ہے، رفع انتظار کے لئے خط کی رسید دے رہا ہوں، اس وقت مشورہ دینا بہت مشکل ہے، حالات کا ابھی اور انتظار کرنا چاہئے، ابھی حالات واضح اور فیصلہ کن نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔

۱۶/اپریل ۸۲ء

والسلام
مخلص ابوالحسن علی

حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی مدظلہ کا گرامی نامہ آیا :

اچھا کیا آپ نے کام شروع کردیا، خدا کرے مستقبل بہتر ہی رہے، آپ کا کافی سامان ضائع ہوا اس کا صدمہ ہے، مگر زندگی میں تو ایسے حوادث پیش آتے ہی رہتے ہیں، اور اسے انگیز کرنا ہی پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ تلافی فرمائے۔

والسلام

۱۷ارمئی ۱۹۸۲ء

منت اللہ رحمانی

حضرت الاستاذ مولانا عبدالجبار صاحب مدظلہ کا خط مئو سے موصول ہوا۔(۱)

عزیز مکرم ! سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

آپ کا مرسلہ مکتوب پہونچا، دردناک حادثہ کی مکمل کیفیت پڑھ کر بہت رنج ہوا، میں بھی آپ کے اس درد و رنج میں دل سے شریک ہوں اور دعاء کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کے لٹے ہوئے سامانوں کا جلد از جلد نعم البدل عطا فرمائیں، ماذالک علی اللہ بعزیز۔

آپ کے مسئلہ کا تذکرہ اسی روز مدرسہ کے ذمہ داروں سے کردیا، آپ بہت بددل اور دل شکستہ ہیں، اس وجہ سے آپ میری ناقص رائے نہ قبول کریں گے، ورنہ میری رائے تھی کہ ایک سال اور بجبر و اکراہ دارالعلوم دیوبند میں گذارتے، یہ مجھے پہلے ہی سے معلوم ہے کہ آپ انتقال مکانی کر کے کسی پرسکون جگہ زندگی گذارنا چاہتے ہیں بہرحال یہ میری ناقص رائے ہے۔ والسلام

مکتوب ۶ ر رجب ۱۴۰۲ھ عبدالجبار

احباب کے بھی بہت سارے خطوط آئے، جس کے ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے، مگر سبھوں نے یہی مشورہ لکھا کہ آپ دارالعلوم دیوبند ابھی نہ چھوڑیں، حالات کا رخ دیکھیں جلدی میں کام درست نہیں رہتا ہے، مجبوری کی بات الگ ہے، چنانچہ کام کرتا رہا اور اپنی طرف سے بالقصد کوتاہی نہیں ہونے دی، اس وقت میں نے جو خطوط لکھے تھے، اتفاق سے ایک خط کی نقل موجود ہے، اس کا کچھ حصہ نقل کردینا مناسب ہے تاکہ اس وقت جو اثرات تھے، اس کا صحیح اندازہ ہوسکے۔

حضرت المحترم ! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج وہاج بحمداللہ خاکسار بخیر ہے، ۲۰ر فروری ۸۲ء کو دیوبند سے

---

(۱) حضرت الاستاذ مولانا عبدالجبار مئو المتوفی ـــــ

نکلا تھا، ۲۰ را پریل کو واپس آیا، اپنے کمرہ کے حادثہ کی اطلاع وطن میں مل چکی تھی، وہیں سے ایک تار مجلس شوریٰ کے نام دیا تھا، کہ میرا مالی نقصان پچاس ہزار سے زیادہ ہے، جو کچھ ہو سکے اس کے برآمد کرنے کی سعی فرمائی جائے، یہاں آکر اپنی آنکھوں سے دیکھا تو دیکھا نہ گیا، کمرہ میں پھٹے ہوئے کاغذوں کا ایک فٹ اونچا ڈھیر تھا، پانچ چھ دیوار الماریاں اور دیوار پر گیلری جس پر کتابیں تھیں سب کے سب صاف تھیں، کام کا ایک تنکا بھی اللہ کے بندوں نے نہیں چھوڑا، آں محترم کو یہ معلوم کر کے افسوس ہوگا کہ چار پانچ مسودے مکمل صاف ستھرے رکھ چھوڑے تھے، ان میں سے کوئی بھی نہیں ملا الخ۔

اس میں اور باتیں بھی تھیں، جن کا اس وقت درج کرنا مناسب نہیں ہے، نئے حادثہ کا اثر ہوتا ہے، اس کا انکار مشکل ہے، میں جس وقت گھر سے روانہ ہوا تھا میرا بڑا لڑکا مولوی احمد سجاد اپنے اسکول گریڈیہ جا چکا تھا، وہ جب ایک دو ہفتہ بعد گھر واپس آیا اور معلوم ہوا کہ میں دیوبند چلا آیا تو اس سے رہا نہ گیا، کہ پتہ نہیں ابا کس حال میں ہیں؟ وہ سیدھے دیوبند آ گیا، اس پر گھبراہٹ تھی، لیکن مجھے دیکھ کر تھوڑا اطمئن ہوا، اب تک میں نے کمرہ کی صفائی نہیں کرائی تھی، جب سجاد سلمہ آیا تو مناسب معلوم ہوا کہ کمرہ کی صفائی ہو جائے، تا کہ وہ باہر جا کر یہ کہہ سکے کہ ابا بہت اچھے حال میں ہیں۔

یکم رجب ۱۴۰۲ھ کو میں نے ایک ٹاٹ حاصل کر کے کمرہ میں بچھوایا، مولوی مرتضیٰ قاسمی (نوادہ) نے کافی محنت کی، دونوں نے مل کر کمرہ بڑی حد تک ٹھیک کر دیا، میرا لڑکا دس دن رہ کر حالات کا جائزہ لیتا رہا، اسی زمانہ میں کسی نے بتایا کہ آپ کا ایک تھیلا ایک بنگالی طالب علم نے مولانا سعید احمد پالن پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ اہتمام میں جمع کر دیا ہے، سجاد سلمہ نے کہا: اسے آپ طلب کریں، اس کے کہنے سے میں نے مولانا سعید صاحب سے معلوم کیا، انہوں نے کہا: یہ درست ہے، میں وہ تھیلا اس دیوار الماری میں رکھوا دیا ہے، جہاں مولانا نصیر احمد صاحب بیٹھتے ہیں۔

ایک دن ہمت کر کے گیا، مولانا نصیر صاحب سے صدالمدرسین دارالعلوم دیوبند سے

تذکرہ کیا، انہوں نے فرمایا: ابھی کھلواتا ہوں دیکھ لیں، الماری کھلی اس سے وہ تھیلا نکلا، اس میں (۵۴۰) نقد روپئے تھے، چارسونے کی بالیاں تھیں، اور کچھ دوسرے سامان تھے، جس لڑکے نے یہ تھیلا جمع کیا تھا، اس کا یہ خط بھی ملا۔

محترم المقام قابل الاحترام حضرت الاستاذ مولانا ظفیر صاحب، دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام خدمت میں گذارش ہے کہ بندہ گنہ گار کو معاف فرمادیا جائے، شدید جرم کیا تھا، اس بناء پر کہ دیکھا تمام ساتھی کتابیں لے رہیں ہیں، یہاں تک صرف ایک الماری رہ گئی تھی، اس وقت پہونچ کر دو کتاب جب پکڑا تو دوسرا لڑکا ہاتھ سے چھین لیا، پھر جب دوبارہ ہاتھ رکھا تو کتاب کے ڈھیر پر تو ایک موٹی جلد کے کچھ محسوس ہوا، دوسری جگہ جاکر دیکھا تو وہ ایک بیگ تھا، جس کے اندر بہت قیمتی سامان تھا، سب کو ایک ایک کے دیکھا، چند بینک کے رسیدیں تھیں، چند ڈائری نقد پانچ سو چالیس (۵۴۰) روپئے تھے چار زیور جو عورت کان میں پہنتی ہیں، اور ایک سیاست کی کتاب، ایک دستی، ایک رومال، ایک کرتا کا کپڑا، ایک پائجامہ کا کپڑا، دوٹوپی کے کپڑے، وغیرہ تھے، یہ سب احقر نے اٹھایا تھا، لہٰذا امانت کے طور پر دفتر میں جمع کیا، امید ہے آپ کو پرامن ملیں گے اور ہمارے واسطے دعاء کی درخواست ہے، ہمیں حقانی عالم بننے کی اور دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام

محمد افطار حسین (ہگلوی مدرسہ دارالعلوم دیوبند)

میں نے اس کا خط ہو بہو نقل کردیا ہے، بنگالی کی اردو ایسی ہوتی ہے، اس تھیلا میں ان سامانوں کے علاوہ ایک بالکل نئی گھڑی سیکو فائیو تھی، جو اس وقت نوسو کی آتی تھی، وہ بھی اسی تھیلے میں تھی، روپئے دو ہزار کے لگ بھگ تھے اور کچھ اور قیمتی سامان تھے سجاد سلمہ کو بتایا تو وہ اس لڑکے سے ملا، اس لڑکے نے بتایا کہ دراصل اس میں ایک لڑکا اور شریک تھا، آدھا سامان اس

نے لیا، جو بچا مجھے دیا، وہ لڑکا دارالعلوم میں داخل تھا، مگر اب وہ موجود نہیں ہے، گھر بھاگ گیا، اُونی کمبل چادریں، شروانیاں، سب اسی الماری میں تھیں، یہ سامان بھی سب لے گئے، بہر حال اس طالبعلم نے ایمانداری برتی، اللہ تعالیٰ علم وعمل سے سرفراز کرے، شرم سے کبھی نہیں ملا مجلس شوریٰ کے نام وہ تار ملا، جو میں نے دربھنگہ سے دیا تھا، تو حکم دیا گیا کہ اعلان کردیا جائے کہ جس کے پاس جو سامان موجود ہو وہ دارالاقامہ میں جمع کردیں، اعلان ہوا اور کچھ طلبہ نے ایسی کتابیں جمع کیں جو بظاہر پرانی معلوم ہوتی تھیں، مگر بہت کم لڑکوں نے ایسا کیا، چنانچہ دارالاقامہ سے ایک ماہ بعد وہ کتابیں اٹھوا کر لایا، جو برائے نام تھیں، مگر اسی کو غنیمت سمجھا، زیادہ کتابیں دیناجپوری طلبہ نے لیں، جو میرے پڑوس میں رہا کرتے تھے، ان میں عبدالرحیم دیناجپوری نام کا لڑکا زیادہ سامان لے کر بھاگا، باہر کسی دیہات میں جہاں اس کے عزیز مزدوری کرتے تھے، وہاں رکھ آیا، اس کو تو دارالعلوم دیوبند میں سزا یہ ملی کہ اخیر سال میں چوری میں پکڑا گیا، جمعیۃ الطلباء والوں نے اس کے چہرے پر سیاہی پوت دی، اور پورے دارالاقامہ میں اوپر اور نیچے گھمایا، کہ دیکھو لو بھائیو انھوں نے چوری کی ہے، جمعیۃ الطلبہ نے یہی سزا مقرر کر رکھی تھی، اخراج نہیں ہونے دیا کرتے تھے۔

اسی دیناجپوری کے یہاں سے ایک تخت نکلا، دوسرے دنیا جپوری کے کمرہ سے بجلی کا پنکھا نکلوایا، ایک نیپالی طالب العلم نے ایک تخت لے رکھا تھا، اس نے وہ تخت تیس روپے لیکر دیا، اس نے کہا یہ تو مال غنیمت میں لایا تھا، میرا ہو گیا، ایک سیتامڑھی کے لڑکے کے یہاں پلنگ نکلوائی ایک لڑکا جوتے کا نیا جوڑا اٹھا کر لے گیا تھا، چھ ماہ بعد کچھ دنوں استعمال کرنے کے بعد واپس کیا، بعض طلبہ نے دو چار کتابیں واپس کیں، ایک بنگالی طالب العلم نے تین چار ماہ بعد جب وہ گھر جانے لگا ایک نیا ٹاٹ لے گیا تھا، میرے غائبانہ میں وہ میرے کمرہ میں رکھ گیا، خود نہیں ملاقات کی۔

میں دلجمعی سے اپنے فرائض انجام دیتا رہا، اس میں کوئی فرق نہیں آنے دیا، انقلاب سے پہلے طے کرلیا تھا کہ انقلاب کا جو مزاج ہے وہ ہو کر رہے گا، لہٰذا ذہن بالکل بدل لیا تھا، آیت قرآنی "ان الملوک اذا دخلوا قریة افسدوھا و جعلوا اعزة اھلھا اذلة"

میں انقلاب کا مزاج بتایا گیا ہے، وہ آیت پیش نظر تھی، اس لئے بظاہر کوئی تکلیف نہیں ہوئی، جمعیۃ الطلباء والے حسب وعدہ نئی حکومت سے جمعیۃ الطلبہ منظور کرائی، باضابطہ اس کا الکشن ہوا، ایک پارٹی جیتی، دوسری ہاری، جو پارٹی جیتی، جب تک جمعیۃ الطلبہ قائم رہی، دارالعلوم کے امور میں دخیل ہوتی رہی، ٹھیک ہے کہ ہم لوگوں کا کسی سے کوئی تعلق نہیں تھا، مگر کسی سے لڑائی بھی کبھی مول نہیں لی، حتی الوسع سارے طلبہ کے کام آتا رہا۔

کتب خانہ سے پھر دارالافتاء میں

انقلاب کے کچھ پہلے یا فوراً بعد مفتی محمود حسن صاحب مدظلہ۔ (۱) جو صدر مفتی شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب۔ (۲) کی طلبی پر مظاہر علوم تشریف لے گئے، ان کی جگہ خالی تھی، اس کے لئے آدمی کی تلاش شروع ہوئی، اس قحط الرجال میں شاید کوئی نہیں ملا، باقی کام چلتا رہا، عارضی طور پر میں نے بھی کچھ دنوں کام کیا۔

ایک ششماہی کے بعد مجلس شوریٰ کا اجلاس ماہ صفر ۱۴۰۳ھ میں منعقد ہوا تو اس میں مفتی محمود صاحب گنگوہی جو سہارنپور گئے تھے، ان کی جگہ میرا نام کسی نے پیش کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ کی مہربانی بلاحظہ ہو، اس نے مجھے کتب خانہ سے بدل کر دارالافتاء میں مفتی بنا کر بھیج دیا، جس کی اطلاع دی گئی۔ اہتمام کے حکمنامہ کا مضمون یہ تھا:

حکم (۱۴۴)

مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب ! سلام مسنون

مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۳-۱۴-۱۵/صفر ۱۴۰۳ھ نے اپنی تجویز ۱۳ر کے مطابق جناب کا تبادلہ مدیر کتب خانہ کے منصب سے دارالافتاء میں بحیثیت مفتی کے منظور کیا ہے، جناب دارالافتاء میں بحیثیت مفتی کار مفوضہ کی انجام دہی شروع فرمادیں، نیز جناب اوقات کار میں ایک گھنٹہ کتب خانہ کے لئے بھی رکھیں۔

والسلام

۲/۲۸/۱۴۰۳ھ مرغوب الرحمان (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

---

(۱) حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی المتوفی ۱۲ ستمبر ۱۹۹۶ء مطابق ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

(۲) شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب المتوفی یکم شعبان ۱۴۰۲ھ

یہی اطلاع کتب خانہ کو بھی بھیجی گئی۔

تبادلہ کا حکم نامہ اور میری حاضری

جب یہ اطلاع حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی طرف سے آئی، تو ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا: حضرت کچھ لوگ میرے اس تبادلے سے خوش ہوئے ہوں گے، اور میں خوش ہوا کہ میں اپنی سابق جگہ آ گیا، گو بڑی مدت کے بعد آیا، ہنس کر فرمایا کہ یہ آپ کی صلاحیت کی وجہ سے کیا گیا ہے، دارالافتاء میں آپ جیسے باصلاحیت مفتی کی ضرورت تھی، میں نے عرض کیا: بہرحال میں شکریہ ادا کرنے آیا کہ یہ کام آں محترم کے ذریعہ ہوا، یہ سب آپ کی خصوصی توجہ کی رہین منت ہے۔

اس تبادلہ پر لوگوں نے مختلف تبصرے کئے، میں نے کہا کہ غرض جو کچھ بھی ہو، میں تو سب کچھ کے باوجود اس تبادلہ پر خوش ہوں، سابق مہتمم صاحبؒ اپنے وعدہ کے باوجود مجھے دارالافتاء میں نہیں لوٹا سکے تھے، حالانکہ میرے بعد نئے نئے مفتی آئے، لیکن مقدر پر بھروسہ کا نتیجہ بالآخر سامنے آیا، جس کا وہم بھی باقی نہیں رہا تھا، وہ ہوا، میں تو اب علمی کاموں سے متعلق ہو گیا "ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء" یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس تبادلہ کا محرک اول کون بنا، اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر سے نوازے۔

دارالافتاء میں نشست

دارالافتاء پہونچا، تو مفتی نظام الدین صاحب نے اس جگہ بٹھایا، جہاں مفتی محمود صاحب بیٹھا کرتے تھے اور باصرار بٹھایا، اور فرمایا: نام کے نیچے "مفتی دارالعلوم دیوبند" ضرور لکھا کریں، میں نے عرض کیا: بہت بہتر، مفتی صاحب بھی میرے دارالافتاء میں آنے سے خوش ہوئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے خواہش مند تھے۔

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ کبھی کسی سے میرا اس چالیس سالہ دارالعلوم کی زندگی میں ٹکراؤ نہیں ہوا، اگر دوستی نہیں کی، تو کسی سے دشمنی بھی مول نہیں لی، مولانا سلطان الحق صاحب ناظم کتب خانہ کے ساتھ عرصہ تک رہا، کتب خانہ کی تقسیم ہوئی مگر وہ برابر خوش رہے، اور تعریف کرتے رہے، میں نے ان کو اپنی جگہ سے ہلنے نہیں دیا، ان کی بڑائی کا ہمیشہ لحاظ رکھا، اور اپنے

ایک بڑے کی طرح عزت وتعظیم کی، انہوں نے بھی اپنے عزیز کی طرح محبت وشفقت کا برتاؤ کیا۔

مہتمم صاحب سے تعلق خاطر

یہ درست ہے کہ موجودہ مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب میرے سامنے ممبر شوریٰ بنے، حضرت امیر شریعت نے جب ممبر بنانا چاہا تو خاکسار سے پہلے بتایا کہ ایسا چاہتا ہوں؟ پہلی شوریٰ میں جب نام پیش کیا، اور ایک ووٹ سے ہار گئے، مولانا مرغوب نہیں آسکے، بلکہ قاضی میرٹھی کو لایا گیا، تو اس دن امیر شریعت پر کافی اثر دیکھا، بلکہ ظاہر فرمایا کہ ایسا ایسا ہوا، مگر دوسری شوریٰ میں مولانا مرغوب الرحمٰن ممبری میں آگئے، محرک امیر شریعت ہی رہے، وہ اس سے بہت خوش ہوئے، اس لئے مجھے بھی ذہنی طور پر مولانا مرغوب الرحمٰن سے بڑا انس رہا، یوں وہ بہت شریف، ذی ہوش اور متحمل المزاج ہیں، ضرر رسانی کا مزاج نہیں ہے اور اب اہتمام پر ان کے آنے سے سبھوں کو تجربہ ہو چکا کہ کتنے عمدہ انسان ہیں، اور بے ضرر ہیں، اور دارالعلوم کے لئے مفید ترین۔

بہر حال اس تبادلہ پر موجودہ مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا شکر گذار ہوں، اور انشاءاللہ برابر رہوں گا، ۲۹ر صفر ۱۴۰۳ھ کو حکم ملا، اور یکم ربیع الاول ۱۴۰۳ھ سے خاکسار نے دارالافتاء میں کام شروع کر دیا، میرے کام سے عملہ اور دوسرے لوگ بھی مطمئن رہے۔

دارالافتاء میں میرے محرر

میرے حصہ میں نئے محرر مولوی محمود فیض آبادی مرحوم آئے، جو حضرت مولانا اسعد صاحب مدظلہ کے یہاں کے انتظام میں صدر المہام کی حیثیت سے چلے آرہے تھے، اور اس وقت بھی تھے، وہ جب تک رہے، میرے حق میں مخلص رہے، ان کے بعد مولانا محمد اسلام صاحب ان کی جگہ پر آئے، یہ بھی نیک صالح ہیں، اور مجھ سے اچھا برتاؤ رکھتے ہیں۔

میرے فتاوی کی حیثیت اس وقت سامنے آئیگی جب وہ مرتب ہو کر اور چھپ کر لوگوں کے سامنے آئیں گے، اللہ تعالیٰ جلد وہ دن بھی یقیناً لائیگا، مایوس نہیں ہوں، اوسطاً ہر سال دو ہزار لفافوں کے جواب لکھنا ایک مفتی کے حصہ میں آتا ہے، اس لئے فتاوی کی تعداد کافی ہوگی۔

دارالافتاء میں طلبہ کا داخلہ

نئے انتظام کے بعد دارالافتاء میں کافی طلبہ کا داخلہ ہونے لگا، چالیس تک عموماً تعداد پہونچ جاتی تھی، ان طلبہ کے دو اسباق میرے ذمہ کئے گئے، ایک رسم المفتی کا اور دوسرے درمختار کا، میں دونوں اسباق پوری محنت سے سالوں تک پڑھاتا رہا، تین چار سال کے بعد مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ رسم المفتی نائب مفتی مولانا کفیل الرحمٰن کو دے دیں تو بہتر رہے، میں نے کہا اگر وہ پڑھانے کے لئے تیار ہیں تو مجھے عذر نہیں ہے، مولانا کفیل الرحمٰن رسم المفتی پڑھانے سے پہلے مجھ سے رابطہ قائم کیا، پھر وہ درس دینے لگے۔

ایک نیا حادثہ اور اس کے اثرات

یہ سلسلہ بھی بہت اچھی طرح چلتا رہا، اس اثنا میں دارالعلوم میں ایک ناخوشگوار حادثہ پیش آیا، جمیعۃ الطلباء کے افراد اور دارالعلوم کے ذمہ داروں میں کشمکش شروع ہوئی، ۱۸ر دسمبر ۱۹۸۳ء کو کوئی ساڑھے دس بجے دن میں دفعۃً ایک ہنگامہ ہوا، میری ہمیشہ یہ عادت رہی کہ کبھی ہنگامہ کے قریب نہیں گیا، اور نہ واسطہ رکھا، ۲۲ر دسمبر ۸۳ء یوم جمعرات کو کوئی نو دس بجے مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند نے ہم تین اساتذہ کو بلایا، اہتمام میں مہتمم صاحب کے ساتھ صدر مدرس مولانا معراج الحق صاحب بھی تھے، مہتمم صاحب نے ہم لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا: آپ حضرات ایک ماہ کی چھٹی لے کر وطن چلے جائیں، دیوبند چھوڑ دیں، مولانا بہاری صاحب نے اپنی کمزوری بڑھاپا اور موسم سرما کا عذر پیش کر کے فرمایا: میرے لئے بہت مشکل ہے، لیکن باوجود اصرار ان کا یہ عذر نہیں سنا گیا، اور اسی پر اصرار رہا کہ ایک ماہ دیوبند سے باہر گذاریں۔

ایک ماہ کی جبری رخصت

میں نے صرف اتنا پوچھا: حضرت یہ حکم ہے؟ فرمایا: حکم ہی سمجھیں، میں نے کہا بہت اچھا، کاغذ لیکر درخواست لکھنے لگا پھر خیال آیا کہ مدراس میں مسلم پرسنل لاء کا آل انڈیا اجلاس ہے، اس میں شرکت کا تذکرہ حضرت مہتمم سے کر چکا تھا، عرض کیا کہ پہلے مدراس جانے کی

درخواست لکھتا ہوں، پھر جوایام بچیں گے، اس کی درخواست بعد میں بھیج دونگا، مہتمم صاحب راضی ہو گئے، میں نے بارہ یوم کے لئے رخصت کی درخواست لکھی، اور مہتمم صاحب کے آگے رکھ دی، انہوں نے میرے سامنے منظوری لکھ دی، مولانا فضل الرحمٰن کاتب نے بھی ایک ماہ کی درخواست لکھ کر منظوری لی، مولانا بہاری صاحب تردد میں تھے، اور بار بار عذر پیش کر رہے تھے کہ مدرسہ سے باہر شہر ہی میں رہنے کی اجازت مل جائے، مگر ان کی بات نہیں سنی گئی، میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا یہ نہیں مانتے، تو میری طرف سے بھی ایک درخواست لکھ دو، میں نے ان کی درخواست لکھ کر مولانا سے دستخط کرا کر مہتمم صاحب سے منظوری لے لی، یہ مسئلہ ختم ہونے کے بعد میں نے حضرت مہتمم صاحب سے عرض کیا: حضرت میرے ساتھ میرے بچے بھی ہیں، وہ تین ہیں، جاڑے کا سفر ہے، پیسے شاید پورے نہ ہوں، آپ ایک ہزار قرض کی درخواست منظور فرمادیں، فوراً راضی ہو گئے، میں نے اسی وقت درخواست لکھی اور منظوری لکھوا کر اہتمام کے ایک محرر صاحب سے کہا یہ روپئے محاسبی سے لادیں، انہوں نے میرے لئے یہ زحمت گوارہ کی، اب مولانا بہاری نے فرمایا: میری طرف سے قرض کی درخواست لکھ دو، وہ بھی منظور ہوئی اور غالباً مولانا فضل الرحمٰن نے بھی ایسا ہی کیا۔

دیوبند سے روانگی

یہ پہلی درخواست رخصت ۱۸؍ربیع الاول ۱۴۰۴ھ سے ۲۹؍ربیع الاول ۱۴۰۴ھ تک کی تھی، اہتمام سے اٹھ کر سیدھے کمرہ آیا، میں نے اپنے چھوٹے لڑکے عباد سلمہ سے کہا کہ تم تینوں سفر کے لئے تیاری کرلو، آج ہی مدرسہ چھوڑنا ہے، ان بچوں نے بستر باندھ لیا، جاڑے کے دن تھے، سبھوں کے لحاف کا ساتھ جانا ضروری تھا، ان لوگوں کو سامان کے ساتھ فضلو بھائی کے کمرہ بھیج دیا، وہاں سے یہ لوگ اسٹیشن گئے، اور ڈھائی بجے دن کی ٹرین سے دہلی روانہ ہو گئے، کچھ اور لڑکے تھے، جو گھر جارہے تھے، میں نے سمجھا دیا، دہلی پہونچ کر فلاں ٹرین میں چڑھ جانا، ٹکٹ دربھنگہ کا دیوبند میں بنوالینا، ان بچوں نے ایسا ہی کیا، دوسرے طلبہ کے ساتھ روانہ ہو گئے، میں پریشانی میں اسٹیشن نہ جاسکا، مجھے مولانا بہاری صاحب نے روک لیا کہ تم اپنے ساتھ مجھے بھی لیتے چلنا، میں کمرہ میں رک گیا، بعض طلبہ نے کہا کھانا کھا کر نکلیں میں بیٹھا

تھا کہ مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی ہاتھ میں ایک چھوٹا ڈنڈا لیکر آ گئے کہ کب جائیں گے؟ میں نے کہا: ابھی تھوڑی دیر میں کھانا کھا کر، وہ بیٹھے رہے، کھانا کھا کر نکلا، تالا بند کر کے چابی ان کے حوالہ کی، یہ غالباً مہتمم صاحب کی طرف سے نگراں بن کر آئے تھے، میرے بقیہ سامان کمرہ میں ہی تھے، حفاظت کی تاکید کر دی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی نے اوپر سے سرکاری تالا ڈال دیا، مولانا بہاری بعد ظہر فضلو بھائی کے یہاں گئے، فرمایا: اب ٹرین نکل گئی، جاڑے کا دن ہے، کل سویرے کی ٹرین سے چلا جائے، میں نے عرض کیا: ایسا ہی ہوگا، وہاں سے ہم لوگ چیرمین صاحب مولانا محمد عثمان کی خدمت میں پہونچے، وہ نائب مہتمم تھے، صورتحال سامنے رکھی، فرمایا: رات میں ضرور رک جائیں، کل سویرے اطمینان سے جائیں، میری رائے یہ نہیں تھی کہ آپ حضرات جائیں، مگر مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے مان کر نہیں دیا، ان کو اصرار تھا کہ اس لئے ایسا فیصلہ ہوا، مولانا معراج ان کے حامی تھے۔

میرٹھ روانگی

رات ہم لوگوں نے قاری رفعت صاحب کے مکان میں گذاری، سونے کا انتظام قاری صاحب نے کیا، صبح ناشتہ بھی قاری صاحب نے کرایا، صبح آٹھ بجے کی ٹرین سے ہم لوگ روانہ ہو گئے، مولانا بہاری صاحب نے فرمایا میرٹھ کا ٹکٹ لیا جائے، میں وہیں رہونگا، مجھے وہاں پہونچا کر تم آگے جانا، میں نے ان کی ساری باتیں مان لیں۔

۲۳ر دسمبر ۱۹۸۳ء کو میرٹھ اتر کر مدرسہ نورالاسلام پہونچے، وہاں جمعہ کی نماز پڑھی، کھانا کھایا اور قیام کیا، مدرسہ کے مہتمم صاحب نے کافی خاطر مدارت کی، رات میں میرا قیام بھی اسی مدرسہ میں رہا، صبح ناشتہ کر کے ۲۴ر دسمبر کو مولانا بہاری سے اجازت لیکر اور ایک طالب عالم کو ساتھ کر کے دہلی مدرسہ رحیمیہ مہدیان پہونچا، ٹکٹ کے لئے دفتر جمعیۃ علماء ہند کو لکھ چکا تھا، کہ بنوا دیا جائے، وہاں جا کر ٹکٹ لیا، اور ۲۵ر دسمبر کو شام کی ٹرین سے روانہ ہو کر ۲۷ر دسمبر ۸۳ء کو مدراس پہونچا، دہلی ٹرین میں کچھ دور کے ساتھی مل گئے۔

مفتی احمد علی سعید اور علامہ مولانا رفیق احمد صاحب خصوصی طور پر جانے پہچانے تھے، ایک ہی ڈبہ میں ہم لوگوں کی سیٹیں اور برتھیں پڑیں، وہاں مدراس میں مسلم کالج میں مہمانوں

کے قیام کا انتظام تھا، اجلاس میں شریک رہا، کچھ تجویزیں لکھنا میرے ذمہ کی گئیں، وہ مرتب کر کے حوالہ کیا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اجلاس مدراس میں

۲۷/دسمبر ۸۳ء کو ہی عصر کی نماز میں کالج کی مسجد میں امیر شریعت مدظلہ (۱) سے ملاقات ہوئی، اخبارات میں ساری خبریں آچکی تھیں، حضرت یہ دیکھ کر خوش ہوئے کہ آپ آگئے، پھر ہنس کر فرمایا کہ شہیدوں میں رہے یا غازیوں میں؟ میں نے ہنس کر حضرت سے عرض کیا: نہ شہیدوں میں اور نہ غازیوں میں، بلکہ جلاوطنوں میں نام آیا، ان کا قیام جلسہ گاہ سے دور کسی محلہ میں تھا، عمادالدین صاحب کے یہاں غالباً، اس لئے پھر ملاقات نہ ہوئی، رات میں عاملہ کی خصوصی میٹنگ تھی بلکہ اخص الخواص کو بلایا گیا، تو میں بھی حاضر ہوا، اور مشورا ہوا کہ صدارت کے لئے کس شخصیت کا نام پیش کیا جائے، بحث ومباحثہ کے بعد حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا نام تجویز ہوا، اور متفقہ طور پر یہ طے ہوگیا کہ کل مجلس میں ان کا نام صدارت کے لئے پیش کیا جائیگا، مولانا ندوی تشریف نہیں لائے تھے، ڈاکٹر اشتیاق قریشی لکھنؤ اور مولانا برہان الدین موجود تھے، جو مولانا کے قریب تر سمجھے جاتے تھے۔

مہتمم مدرسہ سلیم کی امیر شریعت سے گفتگو

مختصر یہ کہ تین دنوں تک اجلاس کی ہمہ ہمی میں مصروف رہا، ۳۰/دسمبر کو میں اور میرے ساتھ مولانا محمد شفیق صاحب مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سلیم۔ حضرت امیر شریعت کی خدمت میں ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے، اخیر میں مہتمم موصوف نے حضرت امیر شریعت سے عرض کیا کہ اگر مفتی صاحب دیوبند میں نہیں رہتے ہیں تو میرے مدرسہ میں رہنے کی اجازت دیدیں، امیر شریعت صاحب سن کر خاموش رہے، میں نے میں مہتمم صاحب سے کہہ دیا تھا اب یہاں سے سلیم جانا ہے مولانا مزمل صاحب سے فرمادیں گے کہ وہ میرا ٹکٹ بھی لے لیں گے، اور ساتھ لے چلیں گے، مہتمم صاحب بخوشی اس کے لئے آمادہ تھے ہی، اس دن ایک حافظ صاحب نابینا جو بہاری تھے اور ایک مدرسہ میں ملازم تھے، اصرار کر کے اپنے مدرسہ لے گئے، کھانا دن کا وہیں کھایا گیا پھر مولانا مزمل سلمہ وہیں آگئے اور غالباً رات کا کھانا بھی اسی مدرسہ میں کھایا گیا،

اور وہاں سے مدراس ریلوے اسٹیشن نو بجے رات میں پہونچے، مولانا مزمل نے ریزویشن کرالیا تھا، ٹرین میں اس برتھ پر لیجا کر بٹھادیا، جہاں میرے نام کی برتھ تھی، خود بھی غالبًا اسی ڈبہ میں تھے، مہتمم صاحب دوسرے ڈبہ میں تھے

مدراس سے سیلم مدرسہ مظاہر العلوم میں

ان حضرات کے ساتھ ۳۱/دسمبر کو سیلم صبح سویرے پہونچا، وہاں اتر کر ہم سب نے پہلے فجر کی نماز پلیٹ فارم پر باجماعت ادا کی، اور پھر بس سے مدرسہ پہونچے، پہلے بھی دوایک دفعہ سیلم جانا ہوا تھا، بالکل اجنبی نہیں تھا، اس بار وہاں دس دنوں قیام رہا کوئی شبہ نہیں مولانا شفیق صاحب مہتمم مدرسہ سیلم اور مولانا مزمل صاحب صدر مدرس مدرسہ نے بڑی خاطر مدارات فرمائی، جزاھم اللہ خیر الجزاء، وہاں کے تمام مدرسین نے الگ الگ بھی دعوتیں کیں، سیلم مدرسہ میں مہمان خانہ کے لئے ایک کمرہ خاص ہے اس میں میرا قیام رہا مدرسین اور مہتمم صاحب برابر ملتے رہے۔

سیلم کا موسم اور وہاں کی تفریح

مہتمم صاحب نے خصوصی طور پر میرے آرام کا خیال رکھا، لہٰذا بہت آرام کے ساتھ رہا، جنوری کا مہینہ تھا، مگر سردی وہاں نام کی بھی نہیں تھی، ایک ہلکی اونی چادر تھی، وہی رات میں بدن پر ڈال لینا کافی ہوتا تھا، بڑا خوشگوار موسم تھا، مدرسہ کا جائے وقوع بھی بہت عمدہ ہے، ایک بڑی چالو سڑک کے کنارے مدرسہ کی عمارت واقع ہے، وہاں اس وقت کوئی آبادی نہیں تھی، مدرسہ طلبہ اور مدرسین کے بال بچوں سے آباد رہتا ہے، مسجد بھی مدرسہ میں صاف ستھری لب روڈ بنی ہوئی ہے، جس سے مدرسہ کی رونق دوبالا ہوتی ہے، مہمان کی حیثیت سے اتنے دنوں کبھی باہر رہنا نہیں ہوا تھا، نو دس دنوں تک قیام مسلسل رہا مگر جی کبھی نہیں گھبرایا، ایک دن مہتمم صاحب مولانا شفیق احمد ایک دوکان کے افتتاح کے سلسلہ میں آمبور جارہے تھے، مہتمم صاحب نے مولوی مزمل سے فرمایا: اچھا ہے مفتی صاحب بھی ساتھ چلے چلیں، تفریح ہوجائیگی، معلوم کرلیں، انہوں نے کہا تو میں تیار ہوگیا اور مہتمم صاحب کے ساتھ بعد ظہر اکسپریس ٹرین سے

---

(۱) امیر شریعت بہار واڑیسہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رکن مجلس شوری دار العلوم دیوبند المتوفی ۳/رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ

روانہ ہوا، ایک اسٹیشن پر ٹرین سے اتر کر بس سے پہلے وانمباری پہونچا، مغرب کی نماز پڑھ کر دوسری بس سے آٹھ بجے رات میں آمبور ہم دونوں پہونچے، وہاں ایک مکان میں میزبان نے قیام کا انتظام کیا تھا، صبح ناشتہ بعد کوئی دس بجے دن میں دوکان کا مہتمم صاحب نے افتتاح کیا، میں بھی شریک رہا، پھر کار کے ذریعہ ایک دوسری جگہ پہونچے، وہاں بھی ایک دوکان کا افتتاح کرنا تھا، چنانچہ وہ کام وہاں بھی ہوا، دوپہر کا کھانا وہیں کھایا گیا اور وہاں آرام کرنے کے بعد ریل پر بیٹھ کر سیلم آئے، عصر کی نماز یہاں سیلم میں ادا ہوئی۔

کارخانہ المونیم اور ڈیم

اسی طرح ایک جمعہ کے دن ایک دعوت میں مہتمم صاحب لے گئے، جو سیلم سے ذرا فاصلہ جگہ پر تھی، مولانا مزمل بھی ساتھ تھے، وہاں عبدالقادر بھائی کے ہوٹل میں ہم لوگ اترے، جو سڑک کنارے دوسری منزل پر تھا، وہاں ناشتہ کھایا گیا، پھر وہاں سے ایک آدمی ساتھ ہوا، اور جہاں المونیم تیار ہوتا تھا، وہاں ہم لوگ کار سے پہونچے، بہت لمبا چوڑا کارخانہ تھا، پہاڑی مٹی سے المونیم کے ذرات نکالے جاتے تھے، اور کئی منزلوں سے گذر کر المونیم کے چھڑ نکلتے تھے، اس سیر میں کافی وقت صرف ہوا، وہاں سے قریب ایک بجے جامع مسجد آئے، مہتمم صاحب کا جمعہ میں وعظ ہوا، بعد نماز جمعہ عبدالقادر بھائی مجلس میں کھانے کے لئے اپنے گھر لے گئے، وہاں کھانا کھایا گیا اور تھوڑی دیر بعد دو کاروں کا انتظام ہوا کہ ڈیم دیکھنے چلنا ہے، جو وہاں کا مشہور ڈیم ہے اور کافی لمبا ہے، خود مہتمم صاحب نہیں گئے، میرے ساتھ مولانا مزمل اور مولانا انیس کو کر دیا، واپس ہو کر جامع مسجد جہاں نماز جمعہ ادا کی تھی آئے، بعد مغرب جلسہ ہوا رات وہیں گذاری، صبح کو بعد نماز فجر بس کے ذریعہ سیلم آئے، کوئی شبہ نہیں وہ ڈیم قابل دید ہے اور اس کے آس پاس تفریح کی جگہ ہے، وہ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

سیلم کے قیام میں مولانا شفیق احمد صاحب نے اس مسئلہ پر دو دن بات کی کہ آپ یہاں مدرسہ میں مستقل قیام منظور کر لیں، جو تنخواہ دیوبند میں ہے، اس سے کچھ زیادہ تنخواہ دی جائیگی دورۂ حدیث کا ایک دو سبق پڑھا دیں گے، اور افتاء کی خدمت انجام دیں گے، اس کے علاوہ کوئی کام نہیں لیا جائیگا، میں نے عرض کیا: اگر دیوبند چھوڑنا پڑا تو انشاء اللہ آپ کے یہاں

ہی آؤنگا، مجھے آپ کا مدرسہ بہت پسند ہے، یہاں بڑی یکسوئی ہے، دوسرے یہ کہ اگر آنا ہوا تو بعد رمضان شوال میں آنا ہوگا۔

سیلم سے روانگی

سیلم سے ۹؍جنوری ۱۹۸۴ء کا ٹکٹ برائے دہلی بنوایا گیا اور شام میں روانہ ہو کر ۱۱؍جنوری کے سہ پہر میں دہلی پہونچا، مدرسہ رحیمیہ مہدیان میں قیام رہا، میں نے سیلم سے اپنے مہتمم صاحب کے نام کی چھٹی کی دوسری درخواست بھیج دی تھی، جو اٹھارہ یوم کیلئے تھی درخواست کا مضمون یہ تھا:

حضرت المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حسب الحکم بارہ یوم کی رخصت کی منظوری حاصل کر چکا تھا، یعنی ۱۸؍ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ یوم شنبہ سے ۲۹؍ربیع الاول ۱۴۰۴ھ تک دس یوم کی مزید رخصت منظور ہو جائے۔ والسلام

محمد ظفیر الدین (مفتی دارالعلوم دیوبند)

دہلی میں قیام

دہلی میں حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب سے بھی ملاقات کی، وہ صاحب فراش تھے، ایک طالب العلم کو شہر میوات سے میرٹھ بھیجا کہ مولانا بہاری صاحب (۱) کو دہلی لے آئے، دوسرے دن وہ آگئے، گفتگو ہوئی عمر کی درازی کی وجہ سے ان پر گھبراہٹ کافی محسوس ہوئی، انہوں نے وہ تمام باتیں بتائیں جو مشورے ارباب مدرسہ نے ہمارے غائبانہ میں ہمارے متعلق کئے تھے، میں نے ان کو تسلی دی اور خدا پر بھروسہ کرنے کو کہا، وہ بضد ہوئے کہ اب تھوڑے دن مہینہ پورے ہونے میں رہ گئے ہیں، تم دیوبند چلو تا کہ معلومات کر کے ہم لوگ بھی کچھ کرسکیں، میں ان کے لئے آمادہ نہ ہوا کہ یہ خلاف ضابطہ ہوگا، اور میرا اصرار رہا کہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے دیوبند ہرگز نہیں جاؤنگا، ان سے بھی عرض کیا کہ مہینہ پورا ہونے تک میرٹھ میں ہی رہیں، پہلے جانا یہ بھی ایک طرح مہتمم صاحب کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔

---

(۱) حضرت مولانا محمد حسین بہاری، معروف بہ مولانا بہاری المتوفی ۵؍رجب ۱۴۱۲، ۱۲؍جنوری ۱۹۹۲ء

دہلی سے روانگی برائے مونگیر

دہلی سے ۱۴؍جنوری ۸۴ء کا ٹکٹ مونگیر کے لئے بنا، ۱۴؍کی شام مگدھ ایکسپریس سے جمال پور روانہ ہوا، ۱۵؍جنوری کو ساڑھے تین بجے دن میں مونگیر پہونچا، مونگیر میں معلوم ہوا کہ حضرت امیر شریعت بنگلہ دیش سے نہیں واپس ہوئے ہیں، مگر ایک دو دن میں آنے والے ہیں، ان سے مل کر ہی گھر کا ارادہ کیا جائے، چنانچہ وہ تیسرے دن تشریف لائے، ملاقات ہوئی، حضرت کی رائے تھی کہ تم دیوبند شوری سے پہلے پہونچ جاؤ، خود اپنے متعلق دیوبند شوری میں جانے کا فیصلہ نہ کر سکے، احمد سجاد سلمہ کا مونگیر میں خط پہونچا ہوا تھا کہ آپ گھر تشریف لے آئیں، یہاں ہم لوگوں کو سخت تشویش ہے، پہلی درخواست کے اعتبار سے ۲۱؍جنوری ۸۴ء تک چھٹی کی درخواست بھیج چکا تھا، مونگیر سے دس یوم کی درخواست رخصت علالت مزید بھیج دی، اور مونگیر سے گھر چلا گیا، گھر پہونچ کر مزید دس یوم کی چھٹی کی درخواست بھیجی، گویا ۱۰؍فروری ۱۹۸۴ء تک رخصت کے لئے درخواست دینی پڑی تھی، چھٹی ختم ہونے سے ایک ہفتہ پہلے گھر سے روانہ ہو کر گودنا (چھپرہ) آیا، یہاں چار دن قیام رہا، یہاں میرے اولین استاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحب تھے، وہاں سے مئو حضرت الاستاذ حبیب الرحمٰن مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوا، دو دن وہاں رہا، ایک دن بنارس مدرسہ مظہر العلوم میں حضرت الاستاذ عبدالجبار صاحب کے پاس قیام رہا، وہاں سے سہارنپور ہو کر ۱۱؍فروری ۱۹۸۴ء یوم شنبہ کی صبح میں دیوبند پہونچا، دارالافتاء میں حاضر ہو کر رپورٹ بھیج دی کہ اپنی رخصت پوری کر کے حاضر ہو گیا، یہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ کی ۸؍تاریخ تھی۔

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں حاضری

میں حسب سابق اپنا کام شروع کر دیا، مہتمم صاحب سے ملاقات بھی کر لی، مولانا بہاری اور فضلو بھائی بیس دن پہلے ایک ماہ کی چھٹی پوری کر کے آچکے تھے، میں بیس دن تاخیر سے آیا، ۱۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ کو کوئی پونے چار بجے دن میں مہتمم صاحب کی تحریر ملی۔

حکم (۴۵۲) مورخہ ۸۴/۲/۱۸

مکرمی جناب مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب! سلام مسنون

آپ ابھی چار بجے تحقیقاتی کمیٹی کے ارکان گرامی سے مہمان خانہ میں ملاقات کرلیں۔

والسلام

مرغوب الرحمٰن (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

(۱۵/۵/۱۴۰۴ھ)

تحقیقاتی کمیٹی میں حاضری (۱۵/۵/۱۴۰۴ھ)

یہاں دارالعلوم میں ایک ہفتہ سے تھا، مگر کسی نے کچھ بتایا نہیں کہ میرے خلاف کوئی کاروائی عمل میں آنے والی ہے، حتیٰ کہ مولانا بہاری نے بھی نہیں بتایا کہ ان سے کیا تحریر لی گئی ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ صرف میرا نام تحقیقاتی کے سپرد ہوا ہے، گویا مقدمہ قائم ہوا، مہتمم صاحب کے مطابق میں مہمان خانہ پہونچا، وہاں ارباب کمیٹی بیٹھے مشورے کر رہے تھے، مجھے حکم ملا کہ مولانا اکبرآبادی والے کمرہ میں چل کر بیٹھیں، وہ لوگ وہیں آرہے ہیں، میں جاکر وہاں بیٹھ گیا، تھوڑی دیر کے بعد باہم مشورہ کرکے مندرجہ ذیل اراکین تشریف لائے۔

مولانا معراج الحق صدر مدرس، مولانا محمد عثمان نائب مہتمم، مولانا سعید احمد اکبرآبادی رکن شوریٰ، مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی، رکن شوریٰ اور مولانا عبدالحلیم جونپوری رکن شوری۔

یہاں یہ بات طے ہوئی کہ مولانا محمد عثمان صاحب سوالات کریں گے، اور مولانا معراج الحق صاحب جواب کو تحریر میں لائیں گے، چنانچہ انہیں کاغذ قلم تھمایا گیا، مولانا محمد عثمان سوالات کرتے رہے، اور خاکسار پوری متانت وسنجیدگی سے ہر سوال کا مختصر سا مگر بھرپور جواب دیتا رہا، مولانا اکبرآبادی پر محسوس ہوا کہ بہت اثر ہے اور غمزدہ بالکل خاموش ایک کنارہ انہی حضرات کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، مجھے محسوس ہوا کہ میری وجہ سے ان پر تفکر کی ایک خاص کیفیت ہے، اس لئے کہ ان لوگوں میں سب سے زیادہ تعلق علمی لائن سے ان کو ہی مجھ سے تھا، میرے جوابات کے درمیان مولانا معراج صاحب کچھ ایسی باتیں بالقصد مجھ سے پوچھتے رہے، جس کی وجہ سے مجھے غصہ آئے، اور کچھ کا کچھ بول دوں، لیکن میں نے یہ طے کرلیا تھا کہ غصہ میں نہیں آنا ہے، خواہ کیسا ہی سوال کیوں نہ ہو، یہی وجہ تھی کہ میں نے مولانا معراج کی باتوں پر ذرا توجہ نہیں دی، نہ میرے لب ولہجہ میں ذرا بھی تلخی آئی، اور کہنا چاہیے کہ مولانا اپنے مقصد

میں قطعاً ناکام رہے۔

بات ختم کرتے ہوئے مولانا عثمان نے ممبران کو مخاطب کر کے فرمایا! جتنی باتیں طے ہوئیں تھیں، میرا خیال ہے سب باتیں پوچھی جاچکی ہیں، مگر ہوسکتا ہے، کچھ رہ گیا ہو، لہٰذا آپ حضرات میں سے اگر کوئی کچھ اور سوال کرنا چاہے تو کر لے، تاکہ ان کو چھٹی دی جائے، مولانا عبدالحلیم صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: مولانا آپ تو ضرور ہی پوچھ لیں، انہوں نے منھ بنا کر کہا: مجھے کچھ معلوم کرنا نہیں ہے، اس کے بعد مولانا معراج صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ہاں بھائی ساری باتیں لکھ لیں؟ وہ بولے میں نے تو کچھ نہیں لکھا، فرمایا: جب آپ کی ذمہ داری تھی تو پھر کیوں نہیں لکھا؟ اب مولانا عثمان صاحب میری طرف مخاطب ہوئے بھائی اب تم ہی جو کچھ پوچھا گیا ہے، اور جو تم نے جواب دیا ہے، لکھ کر میرے پاس اہتمام میں پہونچا دینا، یا یہ کہ اہتمام میں بھجوا دینا، چاہے کچھ تاخیر سے ہو، بھولنا نہیں، میں نے کہا بہت اچھا، مولانا عثمان نے ممبروں سے دریافت کیا: اب ان کو جانے کی اجازت دیدی جائے، سبھوں نے کہا دیدیں، انہوں نے فرمایا اب آپ جاسکتے ہیں، وہاں سے سلام کر کے واپس آ گیا، بعد میں حسب الحکم جو تحریر دی تھی وہ یہ ہے:

تحقیقاتی کمیٹی میں بیان

۱۵/ جمادی الاولی ۱۴۰۲ھ دارالعلوم کی اٹھائیس انتیس سالہ زندگی میں پہلی مرتبہ بحکم حضرت مہتمم صاحب تحقیقاتی کمیٹی سے مہمان خانہ میں ملنا پڑا، متعدد سوالات ارکان کمیٹی نے کئے خاکسار نے جوابات دیئے۔

دارالعلوم میں ہنگامہ جس دن ہوا وہ بدھ کا دن تھا اور غالباً پندرہ تاریخ تھی، (ربیع الاول کی) نماز ظہر کے بعد کمرہ میں بیٹھا گھنٹہ کا انتظار کر رہا تھا کہ معراج گیٹ کی طرف سے تیز تیز آوازیں آئیں، وہ گولے کی ہوں، کٹے کی ہوں یا کسی اور کی، لیکن تھی تیز، میرے ساتھ میرے تین بچے رہتے تھے پوتا سات سالہ، نواسہ دس سالہ، اور لڑکا بالغ نوجوان چودہ سالہ، یہ سب آوازیں سنکر نیچے جانا چاہتے تھے کہ دیکھیں کیا ہے؟ میں نے سبھوں کو نیچے جانے سے روکا اور کمرہ میں بلالیا، اور کہا یہیں بیٹھو، کواڑ اور کھڑکی بند کردی، میں چارپائی پر لیٹ گیا میں نے

کہہ دیا کواڑ کھڑکی نہ کھولیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، تیز آواز کے بعد پہلے جمیعۃ الطلبہ زندہ باد کی آوازیں آتی رہیں، پھر اخیر میں مولانا ارشد مدنی زندہ باد کی، عصر کی اذان کے بعد جب ذرا سکون ہوا تو میں نے کمرہ کھولا، میرے ساتھ فضلو بھائی کمرہ میں بیٹھے رہے۔

دوسرے دن دارالافتاء میں کام کررہا تھا کہ اہتمام کا ایک آدمی (طالب) گیا کہ آپ کو مہتمم صاحب یاد کررہے ہیں، میں حاضر ہوا، مہتمم صاحب نے فرمایا: ایک ماہ کی چھٹی لیکر وطن چلے جائیں، میں نے یہ بھی نہیں پوچھا کیوں؟ اتنا عرض کیا کہ جناب کا حکم ہے؟ فرمایا: جی ہاں، میں کاغذ لیکر لکھنے بیٹھ گیا، میں نے عرض کیا: مسلم پرسنل لاء بورڈ کے متعلق عرض کیا تھا، حکم ہو تو پہلے اس کی چھٹی لے لوں، بعد میں مزید درخواست بھیج دونگا، خوش ہو کر فرمایا: مدراس جائیں، اور اسی کی درخواست لکھدیں، میں نے درخواست لکھ دی، مہتمم صاحب نے وہیں منظوری لکھ دی، پھر محاسبی سے کچھ پیسے لینے تھے، اس لئے دفتر میں پون گھنٹے رکا رہا، وہاں سے کمرہ گیا، بستر باندھا اور اسے باہر بھیجا، خود کھانا کھا کر نکلا، فضلو بھائی کے کمرہ چلا گیا، مولانا بہاری صاحب فرما گئے تھے، میرا انتظار کرنا، وہاں انکا انتظار کرتا رہا، بعد ظہر تشریف لائے، طے پایا کہ رات میں دس بجے پہونچنا اور جاڑے کی رات میں کسی کا دروازہ کھٹکھٹانا مناسب نہیں ہوگا، کل سویرے کی گاڑی سے چلا جائے، چنانچہ عصر کی نماز پڑھ کر حضرت مولانا عثمان صاحب کی خدمت میں ہم دونوں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس طرح جانے کا ارادہ ہے، فرمایا: مناسب ہے، مغرب کی نماز وہیں شیخ الہند والی مسجد میں پڑھی، وہاں سے فضلو بھائی کے کمرہ آیا، جگہ تنگ معلوم ہوئی، سونے کی جگہ کی فکر ہوئی، قاری رفعت نے کہا میرا مکان خالی ہے، بستر وغیرہ سب ہیں، یہیں سو جائیں، رات وہاں گذاری، صبح کی چائے پی کر فوراً اسٹیشن گئے اور روانہ ہو گئے، غالباً پونے نو بجے گاڑی چلی، دہلی میں ٹکٹ دفتر جمیعۃ علماء سے لیکر دوسرے دن مدراس روانہ ہو گیا، وہاں مدراس میں کسی سے اس مسئلہ پر گفتگو نہیں ہوئی اور نہ اس کا موقع تھا، وہاں اس کے اجلاس میں سرے سے دارالعلوم کے واقعہ کا کوئی تذکرہ نہیں آیا، وہاں مسلم پرسنل لاء ہی کا تذکرہ رہا اور میں اس کی تجویز مرتب کرنے میں مشغول رہا، میں نے مولانا مزمل کو بلا کر کہا کہ سیلم ہو کر دلی کو واپسی ہوگی، اجلاس بعد مجھے ساتھ کر لینا، وہاں سے سیلم چلا گیا اور سیلم سے دہلی

ہوتا ہوا وطن پہونچا۔

اس عرصہ میں اخبار نہیں دیکھا اور اب اخبار کا شوق بھی نہیں رہا، بلکہ میں چھپا چھپا اور خاموش خاموش رہا، مدراس میں ایک دن مسجد میں مولانا منت اللہ صاحب نے ہنس کر فرمایا، شہید؟ میں نے ہنس کر جواب دیا، جلاوطن، وہ اپنی قیام گاہ گئے، میں اپنی قیام گاہ آیا، مولانا نے دارالعلوم کے متعلق کچھ نہیں پوچھا، نہ قضیہ کے متعلق، نہ کسی کے مرنے کے متعلق، میں نے بھی آج کے سوا یہ بات نہیں سنی، نہ کسی نے مجھ سے اس کا تذکرہ کیا، آج آپ حضرات سے سن رہا ہوں، حیدرآباد اور بہار کے جن لوگوں کا نام لیا ہے، ان سے میری کوئی گفتگو نہیں ہوئی، یہ بات واضح رہے کہ مدراس میں مفتی احمد علی سعید گئے تھے، اور مفتی کے نام سے وہی پکارے جاتے تھے، باقی غلط بیان کرنے والے کی زبان پکڑنا مشکل ہے، میں نے اپنی عزت اسی میں سمجھی کہ خاموشی سے یہ وقت گذار لیا جائے، میری عادت ہنگاموں سے الگ تھلگ رہنے کی ہے، کم آمیزی اور خاموشی میری فطرت ہے۔

حضرت مولانا عثمان صاحب نے ممبران سے آخر میں فرمایا: آپ حضرات کچھ اور معلوم کرنا چاہیں تو معلوم کرلیں، کسی نے کچھ اور نہیں پوچھا، فرمایا: آپ جاسکتے ہیں، میں چلا آیا فرمایا کہ جو بتایا ہے وہ لکھ کر کسی وقت اہتمام میں بھیج دیں گے اس مجلس میں یہ حضرات شریک رہے :-

مولانا محمد عثمان صاحب نائب مہتمم، مولانا معراج الحق صاحب صدر مدرس، مولانا عبدالحلیم جونپوری رکن شوریٰ، مولانا قاضی زین العابدین رکن شوریٰ، مولانا اکبرآبادی رکن شوریٰ۔

۱۵ر جمادی الاول ۱۴۰۴ھ محمد ظفیر الدین (مفتی دارالعلوم)

الحمد للہ اس کے بعد پھر کبھی بلایا نہیں گیا، اس بیان میں صرف جوابات کا ذکر ہے سوال کا ذکر نہیں ہے، لیکن جواب سے سوال کا اندازہ ہوسکتا ہے، سوال کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ مدراس کے اجلاس میں آپ نے اس ہنگامہ کا ذکر کیا؟ مولانا منت اللہ صاحب سے اس مسئلہ پر کیا بات ہوئی؟ تین لڑکے جو مارے گئے، اخباروں میں تذکرہ آیا، ان کے متعلق آپ کیا

جانتے ہیں؟ کوئی ترمذی صاحب حیدرآباد کے تھے، ان سے یا بہار کے کسی صاحب سے اس مسئلہ پر آپ کی گفتگو ہوئی؟ کس دن ہنگامہ ہوا تھا؟ آپ اس وقت کہاں تھے؟

جبری چھٹی کے اثرات

اس کے بعد میری جبری چھٹی کا ہمارے بعض اساتذہ پر ناخوشگوار اثر ہوا، ان کی رائے تھی کہ اس حال میں دارالعلوم چھوڑ دینا ہی مناسب ہوگا، سب سے زیادہ تکلیف ہمارے استاذ محترم محدث جلیل حضرت مولانا اعظمی کو تھی، کیوں کہ طبعاً وہ بہت خوددار واقع ہوئے ہیں، انہوں نے اظہار رائے کرتے ہوئے اپنے قریب ترین لوگوں سے فرمایا کہ جب سیلم میں اس کو جگہ مل رہی تھی تو وہیں رہ گیا ہوتا، بعد میں دیکھا جاتا، مئو سے ایسے خطوط آئے جس میں حضرت الاستاذ کی تکلیف کا اظہار تھا، حضرت کے پاس مختلف لوگوں کی طرف سے اس مضمون کے خطوط بھی بھجوائے گئے کہ ظفیر نے ہنگامہ میں نمایاں حصہ لیا ہے، پڑھتے اور ہنس کر فرماتے ظفیر طالب العلمی سے اب تک برابر میرے پاس آتا جاتا ہے، کیا وہ ایسا کبھی کر سکتا ہے، وہ طالب العلمی سے اب تک متین وسنجیدہ ہے، کبھی اس کی ایسی شکایت نہیں سنی گئی، اب اس عمر میں ایسا ہو سکتا ہے؟ لوگ پاگل ہیں، خواہ مخواہ میرے پاس ایسے خطوط بھیجتے ہیں، میں نے ان واقعات سے متاثر نہیں ہوتا اور نہ اس کے سلسلہ میں کوئی غلط رائے قبول کر سکتا ہوں۔

حضرت الاستاذ کی رائے

اس مسئلہ کے سلسلہ میں جب میں نے حضرت الاستاذ سے دریافت کیا، تو آپ نے پانچ ۵/ مئی ۱۹۸۴ء کے مکتوب گرامی میں اور باتوں کے ساتھ یہ بھی لکھا:

> ''تمہارے معاملہ میں ابتداء سے میری صواب دید یہی ہے کہ دارالعلوم دیوبند چھوڑ دینا چاہئے، اس سے آگے جو تمہاری مصلحت یا مشیروں کا مشورہ ہو، میں نہ کسی کی بیجا مخالفت کا قائل ہوں، نہ بیجا حمایت کا عادی''

حضرت مولانا ندوی کا جواب

اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا گرامی نامہ آیا:

"تاخیر جواب کی معافی چاہتا ہوں، اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ کوئی واضح اور متعین مشورہ میرے ذہن میں نہیں ہے، ابھی تک نہ شوری کی کاروائی پہونچی ہے، نہ میں نے کسی سے تفصیلی حالت دریافت کی ہے، میرے خیال میں آپ کا دارالعلوم چھوڑنا خود اس کے لئے ایک علمی خسارہ ہوگا، اس لئے جب تک اضطراری حالات نہ ہوں، اس کا فیصلہ نہ کیجئے، اگر خدانخواستہ اس کی نوبت آئی، تو پھر سوچا جائیگا، اگر کوئی مناسب شکل ہوئی تو مطلع کرونگا۔ والسلام

(مکتوب ۸ر فروری ۱۹۸۴ء)

دیوبند نہ چھوڑنے کا مشورہ

انہی دنوں میں حکیم زماں صاحب سے پٹنہ میں ملاقات ایک سمینار میں ہوئی، اور اس مسئلہ پر استفسار کیا، تو انہوں نے بہت زور دے کر فرمایا کہ دیوبند چھوڑنا ہرگز مناسب نہ ہوگا، یہی مشورہ مدرسہ مظاہر العلوم سیلم کے ان اساتذہ کی طرف سے آیا، جو دیوبند کے فارغین تھے۔

امارت شرعیہ بہار واڑیسہ والے برابر کہتے رہے کہ جب وہاں مرکز کو چھوڑیں تو یہاں کے مرکزی ادارہ امارت شرعیہ میں آجائیں، دارالعلوم حیدرآباد کے مہتمم صاحب نے بھی اسی زمانہ میں اپنے یہاں آجانے کی پیشکش کی، یہ سب رب العالمین کا فضل وکرم تھا انقلاب اور اس ہنگامہ کے بعد دارالعلوم نہ چھوڑنے کی وجہ ایک طرف اساتذہ واکابر کی رائے اور احباب کا مشورہ تھا، دوسری طرف بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مرشد شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور دوسرے مرشد حکیم الاسلام حضرت قاری صاحبؒ دونوں باہمی مشورہ سے مجھے دارالعلوم معینیہ سانحہ سے دیوبند لائے تھے، اور قاری صاحب نے فرمایا تھا: دیوبند میں اہل علم کو جمنا چاہئے، بس یہ بنیادی وجہ پیش نظر رہی، اس لئے ہزار تکلیف کے باوجود میں نے یہاں راحت محسوس کی، اور طے کرلیا کہ جب تک خود ارباب دارالعلوم اور اس کی مجلس شوری مجھے علیحدہ نہیں کرتی، مجھے از خود علیحدہ نہیں ہونا چاہئے، کہ یہ بھی ایک طرح کی ناشکری ہے، پھر جہاں رہونگا، ملازم ہی کی حیثیت ہوگی، نیچ اُونچ یہ اضافی چیزیں ہیں، اپنا اخلاق اور اپنی سیرت درست ہے،

تو پھر ہر جگہ عزت ہے، اس کے ساتھ اب میری عمر ہی کیا رہ گئی ہے سرکاری ادارہ میں ہوتا تو ریٹائر ہو چکا ہوتا، حضرت الاستاذ مولانا اعظمی کو لکھا کہ دارالعلوم چھوڑ دینا آسان ہے، مگر دارالعلوم نے مجھے بڑے اہتمام واعزاز کے ساتھ بلایا تھا اور رکھا تھا، میں چاہتا ہوں کوئی دوسرا ادارہ بھی اس اعزاز کے ساتھ بلائے تو وہاں جاؤں، حضرت استاد نے فرمایا تمہاری یہ بات بھی اپنی جگہ اہم ہے، سردست کام کرتے رہو، یہ ملی ادارہ ہے اس لئے پڑا ہوں، اب تو اس عمر میں دھیان دنیا سے زیادہ آخرت کی طرف ہونا چاہئے۔

بڑی عمر کا تقاضا

مجھے یاد ہے میرے والد ریلوے سے رٹائر ہوئے تو سوائے نماز، روزہ اور تلاوت کلام اللہ کبھی کسی کام سے دلچسپی نہیں لی، سارا گھر اپنے بڑے لڑکوں کے حوالہ کر دیا، فرماتے تھے، بہت کمایا اور اللہ نے بہت کچھ دیا، سب بچوں کی پرورش کی، اب تو بقیہ عمر اپنے لئے مخصوص کردی ہے، کہ جو کمی کوتاہی زندگی میں ہوئی ہے اس، کی پوری تلافی کسی طرح ہو سکے، بار بار مجھے بھی خیال آتا ہے کہ مجھے وہی نقش قدم اپنانا چاہئے، میرے بھی سارے بچے جوان ہو گئے، ایک ابھی پڑھ رہا ہے، گو جوان وہ بھی ہے، بس تھوڑی ذمہ داری اس کی ہے، اس کے بعد تو میں آزاد ہوں، بچے ماشاء اللہ تینوں عالم دین ہیں، اور اچھی عادت وخصلت کے، اور والدین کی اطاعت گذار ہیں، یہ اپنی خودداری ہے کہ جت تک صحت ہے کسی پر بار بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ بقیہ زندگی صحت وسلامتی اور راحت وعافیت کے ساتھ گذار دے، اور اپنے سوا کسی کا محتاج نہ بنائے۔

دیوبند کی زندگی

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ برابر دارالعلوم میں اس کے ایک ادنی خادم کی حیثیت سے ہوں، اور کہنا چاہیئے کہ امن وسکون سے ہوں، کمرہ سے دفتر یا مسجد جانا ہوتا ہے، باقی کسی ملنے والے کے یہاں جانا آنا نہیں ہے، چالیس سالہ زندگی میں ایک انسان بھی یہاں ایسا مخلص نہیں ملا، جو میرے غم کو اپنا اپنا غم اور میری خوشی کو اپنی خوشی سمجھتا، اور کسی مصیبت کے وقت میں کام آتا، یا

اس سے اس کی معمولی امید بھی ہوتی، میرا سارا بھروسہ رب العالمین پر ہے، بہت پہلے ایک دفعہ کسی کے ایماء پر سخت ہنگامہ ہوا، طلبہ نے ہڑتال کردی اور اساتذہ و منتظمین کے خلاف تقریریں شروع کردیں، جو طلبہ ان کے مخالف تھے، ان میں سے چند کو کمروں میں بند کردیا، کچھ کو مار پیٹ کر دھمکایا، آخر میں ایسا ہوا کہ پورے دارالعلوم پر جس میں نو درہ ہے، قبضہ کرلیا اور سب گیٹوں پر پہرے بٹھادئے، ہم جتنے مدرسین وملازمین اور منتظمین تھے، سب باہر رہنے پر مجبور ہوئے، چاروں گیٹ اندر سے بند کرلئے گئے، مجلس شوریٰ بلائی گئی، وہ بھی مہمان خانہ میں قیام پذیر ہوئے، کچھ لوگوں کی رائے ہوئی کہ مطبخ بند کردیا جائے، مطبخ کے ملازمین بھی کہنے لگے: جب اساتذہ کو نہیں جانے دیتے تو ہم بھی نہیں جاتے، حضرت مہتمم صاحب رحم دل وبامروت تھے، فرمایا: کھانا نہیں کھائیں گے تو ہمیں برا بھلا کیسے کہیں گے مطبخ جاری رہے گا، مطبخ کے عاملہ سے فرمایا: تم جاؤ تم کو ہرگز نہیں روکیں گے، یہی ہوا، مطبخ جاری رہا، کھانا تقسیم ہوتا رہا، ایک ہفتہ یہ پورا دارالعلوم ان کے قبضہ میں رہا، لیکن کھانا دارالعلوم کا مہتمم کھلاتا رہا، اب سوال ہم جیسے پردیسی کے لئے تھا، کہ کھانا کہاں کھائیں، اس زمانہ میں مدرسہ کے پاس کھانے کے ہوٹل بھی شاید نہیں تھے، مجھے یاد ہے، اس سخت وقت میں کسی شہری ملنے والے نے ہمارا خیال نہیں کیا، مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری جو مظاہر حق جدید کی تدوین میں منہمک تھے، وہ میرے پاس آئے کہ آپ کو کھانے کی تکلیف ہے، آج سے آپ کے لئے کھانا میرے یہاں سے آئیگا، وہ برابر میرے لئے اور بعد میں مولانا بہاری کے لئے بھی دس دنوں تک اپنے یہاں سے کھانا، ناشتہ اور چائے بھیجتے رہے، جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

بالآخر پولیس کے ذریعہ انخلاء ہوا، اور فتنہ پرور طلبہ نکالے گئے، یہاں مجھے یہ بتانا ہے کہ ایسے سخت وقت میں بھی کوئی کام نہیں آیا، درمیان درمیان کچھ باتیں یاد آتی ہیں، اور وہ بے ساختہ قلم پر آجاتی ہیں، اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔

اسلامی قانون کی تدوین کیلئے مونگیر میں قیام

ایک سال آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے طے کیا کہ مسلم پرسنل لا کی دفعہ وار ترتیب عمل میں لائی جائے، تاکہ حکومت کو معلوم ہوسکے کہ مسلم پرسنل لاء ہے کیا؟ وہ اس قانون

اسلامی کے مطابق فیصلے کرے، اور اس کی اہمیت محسوس کرے، اس کام کے لئے جنرل سکریٹری بورڈ اور دارالعلوم دیوبند کے مجلس شوری کے رکن حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی دامت برکاتہم نے غور وفکر کے بعد مناسب سمجھا کہ یہ کام ان کی نگرانی میں مونگیر میں ہو، تو آپ نے مجھے خط لکھا کہ یہ کام انجام دینا ہے، میری نظر آپ پر ہے، میں نے جواب میں لکھا کہ اگر دارالعلوم دیوبند اس کام کے لئے رخصت منظور کریگا، تو مجھے حاضری میں کوئی تردد نہ ہوگا، حضرت موصوف نے حضرت مہتمم دارالعلوم دیوبند سے اس مسئلہ پر گفتگو کی، حضرت مہتمم صاحب راضی ہوگئے، مولانا نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کو اس کے لئے خط لکھا کہ آپ ظفیر کو بھیج دیں، اسی زمانہ میں حضرت مہتمم صاحب کے بڑے صاحبزادے کا انتقال ہوا تھا، اس غم میں مبتلا تھے، لیکن مہتمم صاحب نے گھر سے میرے نام حکم لکھا کہ اس کام کے لئے آپ مونگیر جانے کی تیاری کرلیں۔

چنانچہ بحکم اہتمام ۲۸ر فروری ۸۶ء کو دیوبند سے روانہ ہوکر یکم مارچ ۸۶ء کو مونگیر حاضر ہوگیا، اور میں نے ترتیب ترتیب قانون اسلامی کا کام شروع کردیا، فقہ کی کتابوں سے مسلم پرسنل لاء کے تمام مسائل یکجا کئے، اور ان کو دفعہ وار لکھا، اسی کے ساتھ تمام مسائل کے حوالے بھی لکھے۔

کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الوصیۃ، کتاب الوقف، کتاب الفرائض۔ فقہ کی کتابیں سامنے رکھ کر باب وار، فصل وار، ہر کتاب کے تمام مسائل واحکام کو دفعہ وار لکھا گیا، اس میں کافی دن لگے، اور اس نام پر مونگیر میں تین چار ماہ قیام رہا، حضرت امیر شریعت مدظلہ نے میرے قیام وطعام کے لئے عمدہ نظم فرمایا، اور بڑے آرام وراحت کے ساتھ رکھا، کام پورا کرکے غالباً ۲۹ر ذی الحجہ کو چل کر ۳۰ر ذی الحجہ کو یہاں دیوبند آیا، اور یکم محرم ۱۴۰۶ھ سے دفتر دارالافتاء میں کام شروع کردیا، اس وقت یہاں دارالافتاء میں ڈاک غالباً چھ سو جمع تھی، ایک ماہ میں ساری ڈاک لکھ کر روانہ کی، بقول امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی مدظلہ اللہ تعالیٰ نے میرے لکھنے میں بڑی برکت عطا کر رکھی ہے۔

دوسری مرتبہ مونگیر کی حاضری اور بیمار ہونا

دوسری مرتبہ ۱۹؍جنوری ۱۹۹۸ء کو روانہ ہوکر ۲۰؍جنوری ۱۹۸۷ء کو مونگیر پہونچا، کام جو باقی تھا وہ پورا کیا، اور کتاب النکاح کے جوابات جو آئے اس کا خلاصہ تیار کیا، لیکن اس مرتبہ یکم فروری کو نزلہ زکام سے طبیعت خراب ہونی شروع ہوئی، علاج انگریزی کرایا، اس سے بلغم خشک ہوگیا، کھانسی بہت تیز ہوگئی اور پھر کھانا کم ہوتا گیا، کمزوری ایسی ہوگئی کہ دوسری منزل پر پہونچنے کے لئے سیڑھیوں کے طے کرنے پر قادر نہیں رہا، اس مرتبہ پیر جی مولانا ولی رحمانی نے میرے حال پر رحم فرمایا، دوائیں منگوائیں پھر پھل فروٹ کا انتظام کیا، بھوک مر چکی تھی، پھل پر گذارا کرنے لگا، حالات اس حد پر آگئے کہ میں زندگی سے مایوس ہونے لگا، کھانسی نے رہی سہی طاقت سلب کرلی، میں نے حضرت امیر شریعت سے عرض کیا: اب مجھے آپ دہلی ہوتے دیوبند بھیجوادیں، انہوں نے فرمایا: دوسرے اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں، میں نے عرض کیا ڈاکٹری علاج راس نہیں آتا، اور یہاں حکیم کوئی ہے نہیں، اس لئے وہاں جاکر یونانی علاج کرانا ہے، چنانچہ ۲۴؍فروری ۱۹۸۷ء کو مونگیر سے روانہ ہوکر ۲۵؍فروری کو دوپہر میں دہلی پہونچا، مولانا نیاز احمد رحمانی ساتھ تھے، انہی دنوں مجلس عاملہ پرسنل لاء بورڈ کا اجلاس تھا، جس دن پہونچا تھا اسی دن سامان مدرسہ رحیمیہ مہندیان میں رکھ کر مخمور صاحب کے پاس ہمدرد آفس میں ترکمان گیٹ پہونچا، میری صورت دیکھ کر ہی وہ گھبرائے، اس وقت تنفس کی سی صورت پیدا ہونے لگی تھی، انہوں نے اپنے یہاں کے حکیم گنگارام عرف حکیم گاندھی سے ملنے کے لئے کہا، ان سے مل کر نبض دکھائی، صورت حال کہی حکیم صاحب نے کہا کہ گھبرائیں نہیں، انگریزی دواؤں سے مرض الجھ گیا ہے، کچھ دن لگیں گے، مگر اچھے ہوجائیں گے، حکیم صاحب کے دفتر سے نکل کر مخمور صاحب کے دفتر میں آیا، تو غش آگیا، مخمور صاحب نے فوراً دوا منگوا کر پلائی، غش ختم ہوا، ہوش وحواس کی درستی کے بعد رکشا پر بیٹھ کر تنہا مدرسہ رحیمیہ آیا، ایک ہفتہ مدرسہ رحیمیہ دہلی میں رہ کر ہمدرد کے حکیم کی دوائیں استعمال کرتا رہا، بڑی تیز کھانسی صبح اور رات میں آتی تھی، دس دن بعد ایک طالب العلم کو ساتھ کر کے ۳؍مارچ ۸۷ء کو وہاں سے چل کر دارالعلوم دیوبند پہونچا، دوائیں ۷؍مارچ ۸۷ء تک دہلی کی چلتی رہیں، ۸؍مارچ ۸۷ء سے

حکیم محمد انیس صاحب کی دوا شروع کی، اور کہنا چاہئے کہ ان کا ہی علاج سال بھر چلتا رہا، مگر بیماری گئی نہیں، ناظم امارت شرعیہ مولانا نظام الدین صاحب نے پھلواری شریف سے خط لکھا کہ آپ پھلواری تشریف لائیں، میں آپ کا علاج کراؤنگا، اخیر شعبان ۱۴۰۷ھ میں مولوی قمر عالم آئے کہ میری شادی میں آپ کو چلنا ہے، میرا نکاح آپ ہی پڑھائیں گے، میں نے بیماری کا عذر کیا مگر راضی نہیں ہوئے، ادھر مولوی کلیم الزماں نے جلسہ کا پروگرام بنالیا اور دار العلوم سے ایک ہفتہ کی رخصت بھی منظور کرالی، مجھے مجبور ہو کر سفر کا ارادہ کرنا پڑا، اس بہانہ سے دربھنگہ پہونچا، ان دونوں کے کاموں میں شریک ہوا، فارغ ہو کر گھر آیا، تو گھر والوں نے کہا کہ آپ اس سال رمضان گھر پر ہی گذاریں کہ صحت کچھ اچھی ہو جائے، اور آب وہوا کی تبدیلی ہو، یہ بات بوجہ بیماری ماننا پڑی، جب گھر رہ گیا، تو ۸؍رمضان ۱۴۰۷ھ پٹنہ کا ارادہ کر کے سفر کیا، پھلواری شریف پہونچا، ناظم صاحب سے کہا: لیجئے حسب فرمائش حاضر ہو گیا، وہ مجھے حکیم فضل الرحمٰن کے یہاں لے گئے، جو ہمدرد کے حکیم تھے اور پٹنہ میں مقیم تھے، رہنے والے لکھمنیا کے تھے، گفتگو کے بعد انہوں نے پہچان لیا کہ آپ ہی پہلے سانحہ میں تھے، ایک ہفتہ رہ کر ان کا علاج کیا، خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا، واپسی سے پہلے ناظم صاحب سے کہا ایک دفعہ پھر حکیم صاحب کو دکھائیں، انہوں نے بلایا بھی تھا، حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، دوسرا نسخہ لکھا، اس میں لعوق خیار شنبر کا اضافہ کیا، یہ لیکر گھر آگیا، اس دوا نے بہت کچھ فائدہ پہونچایا، اس سے نصف بیماری جاتی رہی، عید بعد شوال میں دیوبند آنا پڑا، دوائیں استعمال کرتا رہا، مظفر پور سے مولانا عبد الرؤف صاحب آئے، انہوں نے بتایا کہ آپ املتاس کی پھلی منگوائیں، اس کی گدی نکال کر پانی میں پکائیں، اور اس سے غرارہ کریں، اس سے مزید فائدہ ہوا، حکیم عمر صاحب سے مل کر سارا حال بتایا، انہوں نے فرمایا: نسخہ مناسب ہے، آپ میرے کہنے سے جوارش جالینوس کا صبح وشام اضافہ کریں، میں نے یہ بھی کیا اس سے بھی کافی فائدہ ہوا، اور علاج چلتا رہا، بقر عید ۱۴۰۷ھ میں جا کر محسوس ہوا کہ اب میں واقعی تندرست ہو رہا ہوں، اور کھانسی کی شکایت جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اس طرح پورے سال میں بلکہ کچھ زیادہ میں جا کر مصیبت سے نجات ملی، اس کے بعد بتدریج کمزوری تھی، وہ بھی جاتی رہی، گویا

فروری ۸۷ء کا مریض اگست تمبر ۸۷ء میں روبصحت ہوا، اور اخیر سال تک مکمل صحت حصہ میں آئی، الحمد للہ رب العالمین۔

اس پوری بیماری میں جب تک دیوبند میں رہا، برابر دفتر حاضر ہوتا رہا، اور اپنا کام انجام دیتا رہا، اس نام پر کبھی چھٹی لینا یاد نہیں، بس رمضان میں چونکہ گھر رہا، اس لئے رخصت حاصل کرنا ضروری تھا۔

دیگر علمی کام

اس میں شبہ نہیں کہ انقلاب کے بعد قوت کارکردگی میں بہت کمی آئی، ایسا معلوم ہوا کہ ذہن وفکر سوگیا ہے، تصنیفی وتالیفی کاموں کی رغبت باقی نہیں رہی، یہ دراصل خزانہ کتب کے گھٹ جانے کا اثر تھا، پھر بھی لوگوں کے تقاضے پر کچھ نہ کچھ لکھتا رہا، جیسا کہ مقالات کی فہرست سے اندازہ ہوگا۔

سمینار شیخ الہند میں جمعیۃ علماء نے دعوت دی، تو اس میں شریک ہوا، اور شیخ الہند کی (۱) کی سیاسی وعلمی خدمات پر ایک قیمتی مقالہ لکھا، یہ سمینار دہلی میں ہوا، اور یہ مضمون بھی تمام مضامین کے ساتھ شائع ہوا، مولانا محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم کی وفات پر دیوبند ٹائمز نے ایک عمدہ عثمان نمبر (۲) نکالا، اس میں بھی مولانا کی خدمات پر ایک جامع مقالہ لکھا، اور وہ نمبر میں شائع ہوا، مولانا ازہر شاہ قیصر (۳) کے انتقال پر رسالہ طیب نے شاہ نمبر نکالا، تو اس میں بھی شاہ صاحب پر ایک مقالہ لکھ کر پیش کیا، جو اس نمبر میں چھپا، اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نمبر برہان دہلی نے شائع کیا، تو اس میں ایک بسیط مقالہ لکھا اور وہ نمبر میں چھپا، تذکرہ طیب کے نام سے مولانا ابوبکر غازی پوری نے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا تذکرہ چھاپا، تو اس میں بھی خاکسار نے حضرت مہتمم صاحبؒ پر ایک مقالہ لکھا جو نمبر میں چھپا، مولانا ارشاد احمد رئیس المبلغین دارالعلوم (۴) دیوبند کی وفات پر لڑکوں نے ایک مجموعہ شائع کیا، اس میں بھی ایک مقالہ لکھ کر دیا، جو مجموعہ میں شائع ہوا۔

---

(۱) شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند المتوفی ۳۰ رنومبر ۱۹۲۰ء ۱۳۳۹ھ

(۲) ....

(۳) سید ازہر شاہ قیصر المتوفی ۲۷/ ۱۹۵۸ء

(۴) مولانا ارشاد احمد مبلغ المتوفی..........

دیو بند ٹائمز ۱۵ر اگست کو ہر سال آزادی نمبر نکالا کرتا تھا، اور ۲۶ر جنوری کو جمہوریت نمبر، اکثر و بیشتر ہر نمبر میں کوئی نہ کوئی میرا مضمون ضرور شائع ہوا۔

فقہی سمینار دو مرتبہ دہلی میں ہوا، ان دنوں میں مقالے لکھے اور یہ بھی مجلہ بحث ونظر پٹنہ اور فقہی مجلہ نئی دہلی میں شائع ہوا، تیسرے سمینار میں بھی ایک مختصر مضمون لکھا، مدرسہ الفلاح بلیریا گنج اعظم گڑھ نے مدرسہ دینیہ پر مقالہ لکھنے کی فرمائش کی، اس موقع سے بھی ایک مقالہ تیار کر کے بھیجا وہ بھی چھپا۔

خدا بخش لائبریری نے مخطوطات کے مختلف عنوان پر سمینار کیا، تقریباً سبھوں میں شریک رہا اور مقالے لکھ کر پڑھا، اس طرح چار پانچ مقالے لکھے گئے، ان میں ایک مقالہ وہاں کے رسالہ جنرل میں شائع ہوا، شاہ ولی اللہ، (۱) پر مقالہ پڑھا، وہ بحث ونظر میں چھپا، مولانا آزاد پر لکھا وہ بھی کسی رسالہ میں چھپا، اور اخیر میں خود لائبریری نے ''قرآن کی تفسیریں چودہ سو برس میں'' ایک مجموعہ شائع کیا، اس میں مقالہ شائع کیا۔

جب بھی مقالات کی فہرست مرتب ہوگی، اس میں سارے مقالات کے عنوانات اور اس رسالہ میں کب شائع ہوا تفصیل دی جائیگی، یہ فہرست پہلی ''آپ بیتی'' میں مرتب تھی، مگر وہ مسودہ ہی انقلاب کے نذر ہو گیا، اب دوبارہ محنت کر کے پھر دوسری فہرست بنانا پڑیگی، انشاء اللہ جلد ہی بنے گی، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔

۱۹۸۲ء سے لکھنے کی رفتار میں کافی کمی ہوئی مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ کام ہوا، پہلی کتاب پھلواری شریف سے ''اسلامی نظام معیشت'' شائع ہوئی دوسری کتاب ''حیات مولانا گیلانی'' بنارس سے شائع ہوئی، اور تیسری کتاب ''تاریخ مساجد'' جموں سے شائع ہوئی، الحمد للہ یہ تینوں کتابیں اپنے موضوع پر جامع اور مکمل ہیں، کتابت طباعت اور کاغذ اچھے لگائے گئے ہیں، حیات گیلانی پر حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کا پیش لفظ ہے، اور تاریخ مساجد پر حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کا تعارف ہے، اللہ تعالیٰ خاکسار کی یہ حقیر خدمات قبول فرمائے۔

---

(۱) المتوفی ۲۱ر۲۱ر اگست ۶۲ ۱۷ء مطابق ۲۹ر محرم ۱۱۷۶ھ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی)

نظام عفت وعصمت کا انگریزی ترجمہ کویت کے ایک کتب خانہ نے چھاپا اس کا ایک نسخہ کسی ہمدرد نے ازراہ مہربانی میرے پاس بھیج دیا تھا، عرصہ تک پڑا رہا، ایک دفعہ دہلی جانا ہوا تو لیتا گیا اور ڈاکٹر منظور عالم کو دکھایا، انہوں نے فرمایا: آپ اجازت دیں تو اس کو یہاں بھی چھپوا دوں، میں نے بخوشی اجازت دیدی، چنانچہ موصوف نے اسے قاضی پبلیشر سے شائع کیا، اسی طرح نظام مساجد کا ترجمہ محترم ظہیر البنی صاحب نے بڑی محنت سے کیا، ان کی اجازت سے میں نے اسے بھی شائع کرادیا، دونوں کتابیں بہت عمدہ ٹائپ میں چھپی ہیں اور مقبول ہیں۔

ایک کتاب ''مشاہیر علماء ہند کے علمی مراسلے'' کے نام سے مرتب کر کے ڈاکٹر صاحب کے حوالہ کیا، اس کی کتابت تو ایک سال پہلی مکمل ہو چکی ہے، مگر اب تک اس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی، اللہ تعالیٰ اسے جلد شائع کرادے، یہ دراصل ان نایاب خطوط کا مجموعہ ہے، جو ملک کے نامی گرامی علماء نے خاکسار کے خطوط کے جواب میں لکھا ہے، اس مجموعہ میں ستر سے زیادہ مکاتیب حضرت العلامہ سید سلیمان ندوی کے ہیں، ۳۰-۳۵ ر خطوط حضرت مولانا گیلانی کے ہیں، اتنی ہی خطوط بلکہ کچھ زیادہ ہمارے استاذ محترم محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے ہیں، کچھ خطوط ہمارے استاذ حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی کے ہیں، ان کے علاوہ دس پندرہ خطوط حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے ہیں، ۲۵-۳۰ ر خطوط حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے ہیں، کچھ خطوط حضرت مولانا اکبر آبادیؒ کے ہیں، ان کے علاوہ دو دو تین تین خطوط حضرت مفتی کفایت اللہؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ سیوہاروی، حضرت مولانا یوسف بنوریؒ، مولانا محمد اویس نگرامیؒ، مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے ہیں، ان کے علاوہ امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کے ۳۵-۴۰ ر خطوط ہیں، کچھ مولانا عبدالصمد رحمانی کے ہیں، قیمتی مجموعہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کی طباعت کا سامان کردے، اس مجموعہ سے بہت سارے مسائل روشنی میں آئیں گے یہ مجموعہ اہل علم اور طلبہ کے لئے رہنمائی کا فریضہ ادا کریگا، (یہ کتاب چھپ کر شائع ہو چکی ہے)۔

''تاریخی حقائق'' کے عنوان سے گذشتہ سالوں میں رسالہ برہان دہلی اور رسالہ

دارالعلوم دیوبند میں بہت سارے مقالات لکھے گئے تھے، اسے ایک خاص ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے، چارسو صفحات سے زیادہ میں اس کا کتابت ہو چکی ہے، کچھ نئے ہیں جواَب تک شائع نہیں ہوئے تھے، اسے مولانا صدرالحسن قاسمی امام جامع مسجد جموں نے مرتب کیا ہے، تاکہ خواص وعوام ان سے مستفید ہوں، الحمدللہ یہ مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

یہاں پہونچ کر یہ عرض کرنا پڑتا ہے کہ صد افسوس! رب قدیر نے میرے لئے سرمایہ کا سامان نہیں کیا، ورنہ ان کے علاوہ بیسوں نئی کتابیں شائع ہو چکی ہوتیں مگر مایوس بھی نہیں، جب کبھی غیب سے سامان ہوگا، بہت ساری چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہوں گی، میری آمدنی سوائے ملازمت کے کوئی دوسری نہیں ہے، خود میرے مقالات کی متعدد جلدیں آسکتی ہیں، اس کے آخر میں ان (۱۳۳) مقالات کی فہرست دی گئی ہیں جو مختلف رسالوں میں چھپ چکے ہیں، ان رسالوں کی مع ماہ وسنہ نشاندہی بھی کی گئی ہے، میرا اندازہ ہے اتنے ہی مقالات اور ہوں گے، جن کو میں جمع نہیں کرسکا ہوں۔

صرف ان خطوط کا مجموعہ علمی مراسلے میں آیا ہے، جو اساتذہ اور مربی اپنے رفیق اعلی سے مل چکے ہیں، اوران کے بھی سارے خطوط نہیں آئے ہیں، بلکہ مختلف خطوط شریک کئے گئے ہیں جو حضرات ابھی زندہ ہیں، ان کے خطوط کا بھی اچھا خاصہ ذخیرہ ہے، غیب سے دیکھئے میری تمناؤں کی تکمیل کا کیا ذریعہ ظاہر ہوتا ہے، دعاء ہے رب قدیر کوئی راہ کھول دے۔

فہرست بعض مضامین ومقالات خاکسار محمد ظفیر الدین مفتاحی

(ان کے علاوہ بھی مقالات شائع ہوئے جن کی یادداشت محفوظ نہیں)

۱	مسلمانان بہار اور علوم وفنون	شائع شدہ الہلال پٹنہ	۸ ستمبر ۱۹۴۷ء
۲	یوم آزادی اور موجودہ حالات	---	۱۷ر ستمبر ۱۹۴۷ء
۳	ذبیحہ گاؤ کی بندش	صدق جدید لکھنؤ	۱۰ر اکتوبر ۱۹۴۷ء
۴	خیر مقدم اراکین وفد جمعیۃ علماء صوبہ بہار	الجمعیۃ دہلی	۲۴ر ستمبر ۱۹۴۸ء
۵	آزاد ہندوستان میں اردو کا حق	نئی زندگی الہ آباد	اگست ستمبر ۱۹۴۸ء

۶	ایک ملاقات (سیاسی)	نئی زندگی الہ آباد	مئی ۱۹۵۰ء
۷	نقلی انگریز	نئی زندگی الہ آباد	جون ۱۹۵۰ء
۸	قدرتی نظام وحدت	برہان دہلی	جولائی ۱۹۵۰ء
۹	دربار الٰہی اسلام کی نظر میں	برہان دہلی	اکتوبر ----
۱۰	جامع اموی دمشق	برہان دہلی	دسمبر ۱۹۵۱ء
۱۱	جامع قرطبہ	برہان دہلی	جنوری ---
۱۲	تاریخ حقائق بعض سلاطین اندلس پر قسط اول	برہان دہلی	جولائی ----
۱۳	------------ قسط دوم	برہان دہلی	اگست --
۱۴	اسلام کا نظام عفت قسط اول	برہان دہلی	مارچ ۱۹۵۲ء
۱۵	اسلام کا نظام عفت قسط دوم	برہان دہلی	اپریل ۱۹۵۲ء
۱۶	اسلام کا نظام عفت قسط سوم	برہان دہلی	مئی ۱۹۵۲ء
۱۷	اسلام کا نظام عفت قسط چہارم	برہان دہلی	اکتوبر ۱۹۵۲ء
۱۸	اسلام کا نظام عفت قسط پنجم	برہان دہلی	دسمبر ۱۹۵۲ء
۱۹	مسلمان حکومتوں کی زبوحالی	برہان دہلی	مارچ ۱۹۵۳ء
۲۰	رحمت عالم ﷺ کا پیش کردہ نظام حیات	برہان دہلی	جنوری ۱۹۵۳ء
۲۱	تاریخی حقائق مشائخ چشت پر قسط اول	برہان دہلی	نومبر ۱۹۵۴ء
۲۲	تاریخی حقائق مشائخ چشت پر قسط دوم	برہان دہلی	دسمبر ۱۹۵۴ء
۲۳	تاریخی حقائق حضرت صدیق اکبرؓ	برہان دہلی	مئی ۱۹۵۴ء
۲۴	تاریخ حقائق سلاطین ہند	برہان دہلی	فروری
۲۵	تاریخ حقائق سلاطین ہند	برہان دہلی	مارچ ۱۹۵۴ء
۲۶	درس الحدیث	تبیان داداوالی شریف پاکستان	نومبر ۱۹۵۴ء
۲۷	درس الحدیث	تبیان داداوالی شریف پاکستان	دسمبر ۱۹۵۴ء
۲۸	اخلاص وللّٰہیت	تبیان داداوالی شریف پاکستان	دسمبر ۱۹۶۴ء
۲۹	طلبہ سے چند باتیں	تبیان داداوالی شریف پاکستان	اکتوبر ۱۹۵۵ء

۳۰	درس الحدیث	تبیان داداوالی شریف پاکستان	جنوری ۱۹۵۵ء
۳۱	درس الحدیث	تبیان داداوالی شریف پاکستان	فروری ۱۹۵۵ء
۳۲	درس الحدیث	تبیان داداوالی شریف پاکستان	جون ۱۹۵۵ء
۳۳	درس الحدیث	تبیان داداوالی شریف پاکستان	جولائی ۱۹۵۵ء
۳۴	درس الحدیث	تبیان داداوالی شریف پاکستان	اکتوبر ۱۹۵۵ء
۳۵	درس الحدیث	تبیان داداوالی شریف پاکستان	دسمبر ۱۹۵۵ء
۳۶	تاریخ حقائق (سرسید کی زندگی کے چند گوشے)	شائع کردہ برہان دہلی	دسمبر ۱۹۵۵ء
۳۷	خلفائے عباسیہ	شائع کردہ برہان دہلی	نومبر ۱۹۵۵ء
۳۸	تاریخ حقائق	شائع کردہ برہان دہلی	نومبر ۱۹۵۵ء
۳۹	تاریخ حقائق	شائع کردہ برہان دہلی	نومبر ۱۹۵۵ء
۴۰	حکمراں طبقہ اسلام کی نظر میں	شائع کردہ برہان دہلی	جولائی ۱۹۵۵ء
۴۱	تاریخ حقائق (حضرت نانوتویؒ کی زندگی کے بعض گوشے قسط اول)	رسالہ دارالعلوم دیوبند	اگست ۱۹۵۵
۴۲	تاریخ حقائق (حضرت نانوتویؒ کی زندگی کے بعض گوشے قسط دوم)	رسالہ دارالعلوم دیوبند	ستمبر ۱۹۵۵ء
۴۳	تاریخ حقائق (حضرت نانوتویؒ کی زندگی کے بعض گوشے قسط سوم)	رسالہ دارالعلوم دیوبند	اکتوبر ۱۹۵۵ء
۴۴	تاریخ حقائق (حضرت نانوتویؒ کی زندگی کے بعض گوشے قسط اول)	رسالہ دارالعلوم دیوبند	نومبر ۱۹۵۵ء
۴۵	تبلیغ حق	رسالہ دارالعلوم دیوبند	نومبر ۱۹۵۵ء
۴۶	انگریزی دور حکومت کا ایک مکروہ پروپیگنڈا	رسالہ دارالعلوم دیوبند	نومبر ۱۹۵۶ء
۴۷	تاریخی حقائق (حضرت نانوتویؒ) قسط پنجم	رسالہ دارالعلوم دیوبند	جولائی ۱۹۵۷ء

۴۸	مسلمانوں کا علمی شغف اول	رسالہ دارالعلوم دیوبند	جنوری ۱۹۵۷ء
۴۹	مسلمانوں کا علمی شغف دوم	رسالہ دارالعلوم دیوبند	فروری ۱۹۵۷ء
۵۰	مسلمانوں کا علمی شغف سوم	رسالہ دارالعلوم دیوبند	مارچ ۱۹۵۷ء
۵۱	مسلمانوں کا علمی شغف چہارم	رسالہ دارالعلوم دیوبند	مئی ۱۹۵۷ء
۵۲	انسان کتاب اللہ کی روشنی میں	رسالہ دارالعلوم دیوبند	ستمبر ۱۹۵۷ء
۵۳	آخرت کی اہمیت	رسالہ دارالعلوم دیوبند	نومبر ۱۹۵۷ء
۵۴	انبیاء کرام اسلام کی نظر میں اول	برہان دہلی	ستمبر ۱۹۵۷ء
۵۵	انبیاء کرام اسلام کی نظر میں دوم	برہان دہلی	اکتوبر ۱۹۵۷ء
۵۶	تاریخی حقائق سلاطین ہند سوم	برہان دہلی	جنوری ۱۹۵۸ء
۵۷	اسلام نظام امن وامان	برہان دہلی	مئی ۱۹۵۸ء
۵۸	اسلام نظام امن وامان	برہان دہلی	جون ۱۹۵۸ء
۵۹	اسلام نظام امن وامان	برہان دہلی	جولائی ۱۹۵۸ء
۶۰	اسلام نظام امن وامان	برہان دہلی	اگست ۱۹۵۸ء
۶۱	اسلام نظام امن وامان	برہان دہلی	ستمبر ۱۹۵۸ء
۶۲	اسلام نظام امن وامان	برہان دہلی	اکتوبر ۱۹۵۸ء
۶۳	انسانی حقوق کی رعایت اسلام میں	رسالہ دارالعلوم دیوبند	اگست ۱۹۵۸ء
۶۴	تاریخی حقائق (حضرت تھانویؒ) اول	رسالہ دارالعلوم دیوبند	فروری ۱۹۶۰ء
۶۵	تاریخی حقائق (حضرت تھانویؒ) دوم	رسالہ دارالعلوم دیوبند	مارچ ۱۹۶۰ء
۶۶	تاریخی حقائق (حضرت تھانویؒ) سوم	رسالہ دارالعلوم دیوبند	اپریل ۱۹۶۰ء
۶۷	تاریخی حقائق (حضرت تھانویؒ) چہارم	رسالہ دارالعلوم دیوبند	مئی ۱۹۶۰ء
۶۸	والدین کا احترام	رسالہ دارالعلوم دیوبند	جنوری ۱۹۶۰ء
۶۹	والدین کا احترام	رسالہ دارالعلوم دیوبند	فروری ۱۹۶۰ء

۷۰	مسئلہ رویت ہلال	رسالہ دارالعلوم دیوبند	مارچ ۱۹۶۰ء
۷۱	تاریخی حقائق شاہان ہند	نقش دیوبند	اگست ۱۹۶۰ء
۷۲	کھانے پینے کے آداب	نقش دیوبند	ستمبر ۱۹۶۰ء
۷۳	کھانے پینے کے آداب	نقش دیوبند	اکتوبر ۱۹۶۰ء
۷۴	کھانے پینے کے آداب	نقش دیوبند	نومبر ۱۹۶۰ء
۷۵	اسلام کا نظام امن وامان	برہان دہلی	جنوری ۱۹۶۱ء
۷۶	اسلام کا نظام امن وامان	برہان دہلی	فروری ۱۹۶۱ء
۷۷	اسلام کا نظام امن وامان	برہان دہلی	مارچ ۱۹۶۱ء
۷۸	اسلام کا نظام امن وامان	برہان دہلی	اپریل ۱۹۶۱ء
۷۹	شیخ الاسلام اور تعمیر سیرت (مسلسل چھ قسطیں)	تذکرہ دیوبند	اگست ۱۹۶۱ء
۸۰	شیخ الاسلام اور آزاد بھارت	تذکرہ دیوبند	مئی ۱۹۶۲ء
۸۱	علماء دیوبند کی خدمات جلیلہ	تذکرہ دیوبند	نومبر ۱۹۶۴ء
۸۲	علماء دیوبند کی خدمات جلیلہ	تذکرہ دیوبند	دسمبر ۱۹۶۴ء
۸۳	فقہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قسط اول	رسالہ دیوبند	۱۹۶۵ء
۸۴	فقہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قسط دوم	رسالہ دیوبند	نومبر ۱۹۶۵ء
۸۵	فقہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قسط سوم	رسالہ دیوبند	دسمبر ۱۹۶۵ء
۸۶	غائبانہ نماز جنازہ	رسالہ دیوبند	اگست ۱۹۶۵ء
۸۷	عورت کی سربراہی اسلام میں	تذکرہ دیوبند	جنوری ۱۹۶۵ء
۸۸	ضبط ولادت اور اسلام	رسالہ دارالعلوم	ستمبر ۱۹۶۵ء
۸۹	معارف السنۃ	رسالہ دارالعلوم	اپریل ۱۹۶۸ء
۹۰	معارف السنۃ	رسالہ دارالعلوم	مئی ۱۹۶۹ء
۹۱	مسلمانوں کے خصوصی مسائل (اول)	رسالہ دارالعلوم	فروری ۱۹۶۹ء

۹۲	مسلمانوں کے خصوصی مسائل (دوم)	رسالہ دار العلوم	مارچ ۱۹۶۹ء
۹۳	مسلمانوں کے خصوصی مسائل (سوم)	رسالہ دار العلوم	اپریل ۱۹۶۹ء
۹۴	اسلام میں سزا کا تصور	رسالہ دار العلوم	جون ۱۹۶۹ء
۹۵	اسلام میں سزا کا تصور	رسالہ دار العلوم	جولائی ۱۹۶۹ء
۹۶	اسلام میں سزا کا تصور	رسالہ دار العلوم	اگست ۱۹۶۹ء
۹۷	اسلام میں سزا کا تصور	رسالہ دار العلوم	ستمبر ۱۹۶۹ء
۹۸	اسلام میں سزا کا تصور	رسالہ دار العلوم	اکتوبر ۱۹۶۹ء
۹۹	تاریخی حقائق (شیخ الہند کی زندگی کے چند گوشے)	رسالہ دار العلوم	فروری ۱۹۷۰ء
۱۰۰	تاریخی حقائق (شیخ الہند کی زندگی کے گوشے)	رسالہ دار العلوم	مارچ ۱۹۷۰ء
۱۰۱	علماء دیوبند کی علمی و دینی خدمات (اول)	رسالہ دار العلوم	ستمبر ۱۹۷۰ء
۱۰۲	علماء دیوبند کی علمی و دینی خدمات (دوم)	رسالہ دار العلوم	اگست ۱۹۷۰
۱۰۳	معصیت اور اس کے اثرات	رسالہ دار العلوم	ذی الحجہ ۱۹۷۱ء
۱۰۴	اسلام اور ریاست (اول)	رسالہ دار العلوم	جون ۱۹۷۱ء
۱۰۵	اسلام اور ریاست (دوم)	رسالہ دار العلوم	جولائی ۱۹۷۱ء
۱۰۶	اسلام اور ریاست (سوم)	رسالہ دار العلوم	اگست ۱۹۷۱ء
۱۰۷	اسلام اور ریاست (چہارم)	رسالہ دار العلوم	ستمبر ۱۹۷۱ء
۱۰۸	مسلم پرسنل لا کے مخصوص مسائل	رسالہ دار العلوم	مئی ۱۹۷۲ء
۱۰۹	حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ قسط ثالث	رسالہ دار العلوم	مئی ۱۹۷۲ء
۱۱۰	حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ قسط ثانی	رسالہ دار العلوم	اپریل ۱۹۷۲ء
۱۱۱	اوقاف اور ان کا تحفظ	رسالہ دار العلوم	ستمبر ۱۹۷۳ء
۱۱۲	اوقاف اور ان کا تحفظ	رسالہ دار العلوم	جولائی ۱۹۷۳ء
۱۱۳	حضرت الاستاذ مولانا نعمانیؒ	رسالہ دار العلوم	مارچ ۱۹۷۳ء

۱۱۴	موجودہ مصائب مشکوۃ نبوت کی روشنی میں	الفرقان لکھنؤ	ذی الحجہ ۱۹۷۰ء
۱۱۵	تاریخی حقائق (عہد صدیقی)	رسالہ دارالعلوم	جمادی الثانی ۷۳ھ
۱۱۶	تاریخی حقائق (عہد فاروقی)	رسالہ دارالعلوم	شعبان ۱۳۷۳ھ
۱۱۷	تاریخی حقائق (عہد عثمانی)	رسالہ دارالعلوم	ذی قعدہ ۱۳۷۳ھ
۱۱۸	تاریخی حقائق (عہد حیدری)	رسالہ دارالعلوم	شوال ۱۳۷۳ھ
۱۱۹	اسلامی قوانین قناعت	رسالہ دارالعلوم	محرم ۱۳۷۳ھ
۱۲۰	اخوت ومحبت	رسالہ دارالعلوم	جمادی الثانی ۱۳۷۳
۱۲۱	عارف باللہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ	رسالہ دارالعلوم	اپریل ۱۹۷۴ء
۱۲۲	عارف باللہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ	رسالہ دارالعلوم	مئی ۱۹۷۴ء
۱۲۴	ترجمہ قرآن اور شاہ ولی اللہؒ	رسالہ دارالعلوم	مارچ ۱۹۸۱ء
۱۲۵	۱۹۴۲ء کا ایک یادگار سفر (اول)	برہان دہلی	نومبر ۱۹۸۳ء
۱۲۶	۱۹۴۲ء کا ایک یادگار سفر (دوم)	برہان دہلی	دسمبر ۱۹۸۳ء
۱۲۷	۱۹۴۲ء کا ایک یادگار سفر (سوم)	برہان دہلی	جنوری ۱۹۸۴ء
۱۲۸	تاریخی حقائق (حضرت کشمیریؒ)	برہان دہلی	
۱۲۹	اسلام میں مساجد کا نظام	الفیصل حیدرآباد	مئی ۱۹۸۷ء
۱۳۰	شیخ الہند کی علمی زندگی (کتاب مقام محمود)	شائع کردہ جمعیۃ علماء ہند	
۱۳۱	نفقہ مطلقہ کا شرعی حکم	شائع کردہ جمعیۃ علماء ہند	
۱۳۲	نفقہ مطلقہ اور اسلام	شائع کردہ جمعیۃ علماء ہند	
۱۳۳	ایک جامع کمالات شخصیت (تذکرہ مہتمم صاحبؒ)	شائع کردہ مولانا ابوبکر غازی پوری	
۱۳۴	اسلام میں حسن اخلاق	رسالہ دارالعلوم	جون ۱۹۵۶

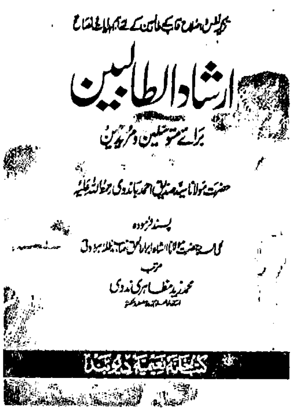
آپ کے مسائل اور ان کا حل

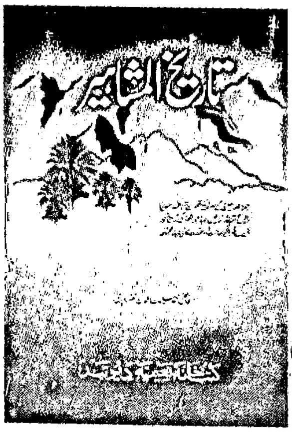
تالیف: مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی

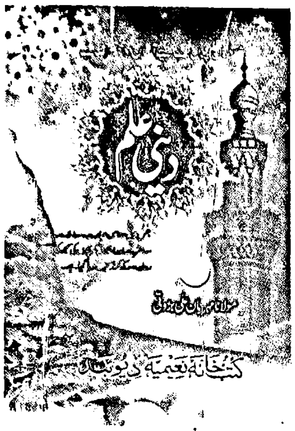
یہ کتاب اپنے موضوع کی انفرادیت اور ظاہری خوبصورتی کے لحاظ سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

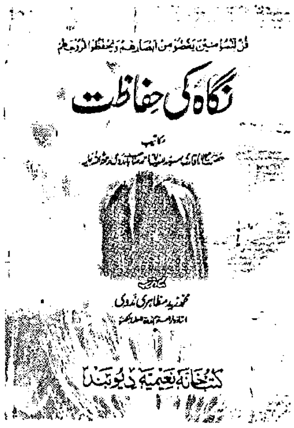
حضرت مولانا یوسف لدھیانوی برصغیر ہندو پاک میں اپنے علمی تجربہ، وسعتِ مطالعہ قلم کی پختگی کی بناء پر ممتاز مقام رکھتے ہیں، اس مجموعہ میں ایمانیات اور عقائد اور فقہی احکام سے تعلق رکھنے والے ایسے مسائل شامل ہیں، جو عام طور پر فقہ وعقائد کی کتابوں میں نظر نہیں آتے؛ لیکن عام ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرتے رہتے ہیں، مصنف محترم نے کسی سوال کا جواب تشنہ نہیں چھوڑا، سوال کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھی ہے اور قرآن وسنت کی روشنی میں ہر سوال کا جواب لکھا ہے جس سے قاری کو پورا پورا اطمینان حاصل ہوگا۔ کامل سیٹ قیمت:

ہماری چند اہم کتابیں

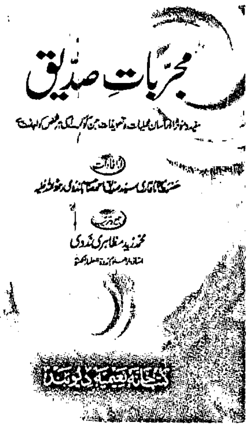


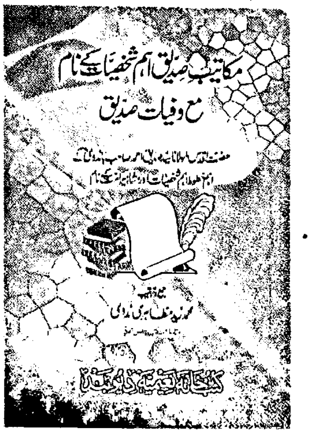


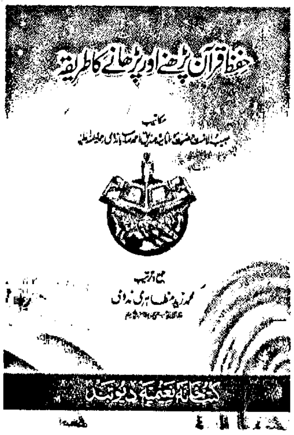


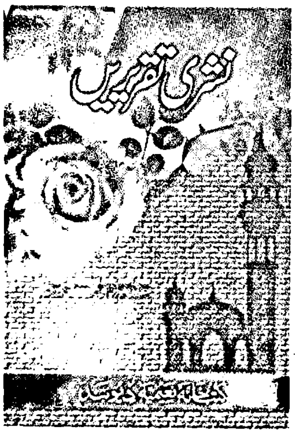












فہرست کتب مفت طلب فرمائیں

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

PRINT ART Delhi Ph. & Fax : 23634222 Rs. 100/-